منارِ صدا

مفکرِ ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی

کی

ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ

مرتبہ

ڈاکٹر عنوان چشتی

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی ۶

Marfat.com

منارِ صدا

مفکرِ ملّت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی

کی

ریڈیو تقریروں کا مجموعہ

مرتبہ

ڈاکٹر عنوان چشتی

ریڈر شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

Marfat.com

طبع اوّل

تعداد ——— ایک ہزار

ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق فروری ۱۹۸۱ء

فوٹو آفسیٹ پرنٹرز، دھلی

Marfat.com

کہیں دُور دُور بھی یہ خیال نہیں تھا کہ مجھ جیسے معمولی شخص کی ریڈیائی تقریریں اِتنے اہتمام اور اِس سلیقہ سے شائع ہو سکیں گی۔ غالباً ۱۹۵۰ء کا شروع تھا کہ پہلی مرتبہ مجھے ریڈیو اسٹیشن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک پر دو تقریروں کے لئے بُلایا گیا تھا۔ ریڈیو پر تقریر کرنے کا کام میرے لئے نیا تھا اور کسی بھی نئے کام کے شروع کرنے میں قدرتی طور پر جھجک ہوا کرتی ہے۔ عام تقریروں اور وعظوں کی بات دوسری ہے۔ یہ میدان میرے لئے اجنبی نہیں تھا، خاص طور سے کلکتہ کے پانچ سال کے قیام میں بے شمار وعظوں اور تقریروں سے واسطہ پڑا تھا، لیکن ریڈیو کا میدان الگ تھا اور میں اس وادی سے بالکل آشنا نہیں تھا۔ دس پندرہ منٹ میں پوری بات کس طرح کہی جائے، کس ڈھنگ سے کہی جائے، لہجہ اور آواز کے تناسب اور نشیب و فراز کا اندازہ کیسے ہو، یہ سب باتیں میرے لئے نئی تھیں، بہرحال سیرتِ طیّبہ کے عنوان پر دو مختصر تقریریں قلم بند کیں جو ریڈیو سے نشر ہوئیں۔ یاد آتا ہے کہ اس وقت یہ تقریریں خاصی پسند کی گئی تھیں اور سُننے والوں نے مختلف طریقوں سے اُن پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا، اِدھر یہ بھی حُسنِ اتفاق تھا کہ اس خاص ماحول میں میری آواز اور لب و لہجہ پوری طرح فِٹ آگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی تقریروں کے لئے آل انڈیا ریڈیو کے تمام سیکشنوں میں میری طلب بڑھ گئی اور سیرتِ سرورِ کائنات ؐ، حج اور مناسکِ حج، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، شبِ براءت وغیرہ عنوانات پر بڑی تعداد میں تقریریں نشر ہونے لگیں۔ شروع کے چند برسوں میں ان تقریروں کی نقل کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بہت سی نسبتاً اچھی تقریروں کی بھی کاپی میرے پاس نہیں ہے، غالباً بیس ۲۰ سال ہو گئے ہونگے مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب

Marfat.com

مرحوم پر ایک تقریر نشر ہوئی تھی، یہ تقریر مجھے بھی پسند تھی، افسوس ہے اس کی کاپی میرے پاس نہیں ہے اور اب اُس کا سنہ بھی یاد نہیں رہا کہ ریڈیو اسٹیشن کے دوستوں کے ذریعہ سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی، یا اسی طرح میری یادداشتوں کی کاپی میں ایک جگہ نوٹ ہے "عید الفطر پر میری ایک تقریر ۲۰ ستمبر ۱۹۷۱ء کو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی جو سُننے کے لائق ہے"۔ یہ تقریر بھی زیرِ نظر مجموعے میں شامل نہیں ہے، جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ بہت سی قابلِ ذکر تقریریں بھی اس میں شامل نہیں ہوسکیں، ہوتیں بھی کیسے کہ پہلے کبھی ان کی طباعت کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔

ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ اتفاق سے میری ایک تقریر عزیز محترم ڈاکٹر عنوان چشتی ریڈر شعبۂ اُردو جامعہ ملّیہ اسلامیہ نئی دہلی، نے کہیں سُن لی اور پھر بوقت ملاقات اس کا ذکر توصیفی کلمات سے کرنے لگے اور اصرار کیا کہ "یہ تمام تقریریں کتابی صورت میں شائع ہونی چاہئیں، اُن کی ترتیب کا کام میں کروں گا"۔ مجھے محسوس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کا اصرار رسمی نہیں تھا بلکہ وہ دل سے چاہتے تھے کہ یہ مجموعہ طباعت کے قالب میں وجود میں آجائے، چنانچہ موصوف کچھ دنوں کے بعد بکھری ہوئی تقریروں کے اِس انبار کو اپنے ساتھ لے گئے اور محنت اُٹھا کر عنوان وار تقریریں مرتّب کر دیں اور ساتھ ہی ایک اچھا خاصا "پیش رس" بھی لکھ دیا، برادرِ عزیز مولوی حافظ سیّد محمد ازہر شاہ صاحب قیصر مدیر دارالعلوم کو اس کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے بھی ڈاکٹر صاحب کی رائے پسند کی اور ازراہِ تعلق خاص از خود سطورِ تعارف بھی تحریر کر کے بھیج دیں۔ اِس مرحلے پر یہ خیال آیا کہ ریڈیائی تقریروں کے اس سرسری اور ہلکے پھلکے مجموعے کو باوزن اور باوقار بنانے کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی سے تعارف کی چند سطریں لکھنے کے لئے کہوں لیکن اِس کی ہمّت نہ ہوئی اور یہی طے کیا کہ اِتنے چھوٹے سے کام کے لئے اِن اصحابِ علم وقلم کو

Marfat.com

زحمت دینا بے موقع بات ہوگی اور جو کام سادہ اور بے تکلف طریقے سے یوں ہی ہو رہا ہے اُسے یوں ہی ہونے دیا جائے۔ ۱۹۳۸ء میں جب ندوۃ المصنّفین کا قیام عمل میں آیا تو دوسرے رفقائے کار کے ساتھ میں بھی ایک بڑھیا قسم کی بلّوری دوات اور عمدہ قلم سنبھال کر بیٹھ گیا تھا اور لکھنے پڑھنے کا کام شروع بھی کر دیا تھا۔ علّامہ ابن تیمیہ کی "الکلم الطیب" تشریحی نوٹوں کے ساتھ اور علّامہ ابن جوزی کی "صید الخاطر" کا ترجمہ انہی دنوں کی یادگار ہیں، لیکن پوری صورتِ حال پر غور کرنے کے بعد جلد ہی یہ طے کر لیا کہ لکھنے پڑھنے والوں اور تصنیف و تالیف کے شہ سواروں کی تو کمی نہیں ہے، کمی جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ ادارے کا انتظام کون چلائے اور کس طرح چلائے۔ اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کوتاہ قلم اور کم سواد انتظامات کے خرخشوں میں پھنس کر رہ گیا اور شروع کئے ہوئے کام یونہی ناتمام رہ گئے، گزرے ہوئے دن واپس نہیں آتے اور اب افسوس کے علاوہ چارۂ کار بھی نہیں ہے۔

مُجبّی مولانا حکیم محمد زماں صاحب کو شروع ہی سے میرا طرزِ نگارش مرغوب ہے، حکیم صاحب نے بڑے خلوص و محبّت سے بارہا اصرار کیا کہ اب سب کام چھوڑ کر صرف دو ہی جلدوں میں قرآنِ کریم کی مختصر سی تفسیر لکھ دو، یہ بڑا کام ہو جائے گا"، مگر میری زندگی کا نقشہ ہی بدل چکا تھا، دوسری بے تحاشا اجتماعی اور سیاسی مشغولیتوں کے ساتھ تفسیر کلامِ پاک کو ہاتھ لگانے کی ہمّت ہی باقی نہیں رہی تھی، اب رہ رہ کر خیال ہوتا ہے کہ قیامِ ڈابھیل اور بیضاوی شریف و جلالین شریف ۲۷ تا ۱۹۳۱ء کے درس کے زمانے میں، یا پھر ۳۳ تا ۱۹۳۷ء قیامِ کلکتہ کے دنوں میں پانچ سال کے قریب تک درس قرآنِ کریم کا جو سلسلہ قائم رہا تھا اور جس کی یاد کبھی کبھی اب بھی دل کو گرما دیتی ہے" اُس وقت اِس درس کی ریکارڈنگ ہو جاتی تو تھوڑی سی محنت کے بعد یہی درس، تفسیر کی شکل میں مرتّب ہو جاتا، لیکن اس وقت ٹیپ ریکارڈوں کی یہ ہما ہمی نہیں تھی، اِس لئے

کی گئی ہے۔ میری خواہش ہے کہ قارئین مطالعہ کے وقت تقریروں کے اِس خاص پہلو کو پیشِ نظر رکھیں۔

ہمارے یہاں اربابِ صدق وصفا اور اصحابِ تقدّس وتقویٰ کی کمی نہیں ہے، یہ وہ پاک ہستیاں ہیں جن کے دامنِ تقدّس پر خدا کے فرشتے بھی سجدہ ریز ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ وقت کی پُکار ہے کہ اُن کے پیغام اور تعلیم کی رُوح کو نوعِ انسانی کے جسم وروح میں پیوست کر دیا جائے۔

سطورِ تعارف کے اِس موقع پر آل انڈیا ریڈیو کا شکریہ ادا کرنا بھی میری اخلاقی ذمّہ داری ہے اور اسی کے ساتھ منشی منظور الدین صاحب خطّاط کا بھی شکریہ، جنھوں نے بہت سے ضروری کاموں کو چھوڑ کر محنت اور شوق سے ان تقریروں کی کتابت کی۔

۱۴۔ شوّال المکرم ۱۴۰۰ھ
م۔ ۲۶ راگست ۱۹۸۰ء

عتیق الرحمٰن عثمانی
ندۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی ۔۶

Marfat.com

پیش رس

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب، ملت اسلامیہ کے ممتاز دانشور اور مفکر ہیں۔ موصوف نے اس بحرانی دور میں قومی سطح پر اربابِ فہم وفراست سے، اپنی سماجی اور سیاسی بصیرت کا لوہا منوایا ہے۔ مفتی صاحب کی فکرِ رسا اور دانشِ باطن نہ صرف ان کے قومی اور سماجی کارناموں میں جھلکتی ہے بلکہ ان کی تقریروں اور تحریروں میں بھی جلوہ گر ہے۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مفتی صاحب کی شخصیت کی بُنیادی خصوصیات کیا ہیں تو میں کہوں گا، ذہنِ بیدار اور دلِ دردمند —— اُن کی یہ دونوں خوبیاں اپنی پوری تازگی اور توانائی کے ساتھ اُن کی تحریروں میں بھی جھلکتی ہیں۔

'ریڈیو تقریر' کا فن ایک مستقل فن ہے جس کے فنّی اور تکنیکی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا خاصا مشکل کام ہے۔ مفتی صاحب نے نہ صرف اِس فن کے تقاضوں کو بطرزِ احسن پورا کیا ہے بلکہ اس فن کو موضوع اور اسلوب کے نقطۂ نظر سے نئی سمت وجہت بھی عطا کی ہے۔ اُردو میں ریڈیو تقریروں کے مجموعوں کی خاصی کمی ہے پھر مذہبی اور دینی ریڈیو تقریروں کے مجموعے نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنے خاص رنگ میں متعدد ریڈیو تقریریں نشر کی ہیں۔ اور اس فن کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ میری نگاہ میں "ریڈیو تقریر" تقریر اور تحریر کی خصوصیات کا حسین ترین مظہر ہوتی ہے۔ اُن خصوصیات سے قطعِ نظر جو تقریر اور تحریر میں 'قدرِ مشترک' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دونوں میں بعض نادر اور نازک مگر واضح امتیازات بھی ہیں۔ تقریر کا مقصد مخاطب کے دل میں تحریک اور تشویق پیدا کرنا ہے جبکہ تحریر کا مقصد ترسیلِ خیال ہے۔ یہیں سے

Marfat.com

دونوں کی راہیں جُداگانہ ہو جاتی ہیں یا کم از کم مختلف ہونے لگتی ہیں۔ تقریر میں کسی نکتہ، خیال یا واقعہ کی وضاحت کی جاتی ہے۔ خیال کے مختلف اجزا یا واقعات کی مخصوص ترتیب سے ایک خاص فضا پیدا کی جاتی ہے۔ مثالوں سے اپنی بات کی وضاحت کی جاتی ہے۔ عام فہم اسلوب اور عمومی طرزِ استدلال سے کام لیا جاتا ہے اور مخاطب کے دل میں تحریک اور تشویق پیدا کرنے کے لئے خیال کے تسلسل اور الفاظ کی تکرار سے خاص کام لیا جاتا ہے۔ غرض تقریر کا سارا عمل کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے وقف ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول میں کبھی کبھی زبان کی صحت اور قواعد کے اصولو کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے —— تحریر میں قطعیت، جامعیت اور وضاحت کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ ارتکازِ خیال کی خصوصیت اِن تینوں کا احاطہ کرتی ہے اور خیال نیز الفاظ کو بکھرنے اور منتشر ہونے سے بچاتی ہے۔ نثری تحریر کے اُسلوب پر موضوع، مواد، مقصد، ماحول اور مخاطب بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ ادبی اور علمی نثر میں زبان اور اسلوب کے جمالیاتی عناصر کی رنگ آمیزی بھی ہوتی ہے۔ 'ریڈیو تقریر' میں دونوں طرح کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مفتی صاحب کی ریڈیو تقریریں اِس کسوٹی پر کھری اُترتی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کو ریڈیو تقریر کے فنّی اور ٹیکنیکی تقاضوں کا بھرپور ادراک ہے۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی نے قدم قدم پر اس کا ثبوت زیرِ نظر کتاب میں فراہم کیا ہے۔ ریڈیو تقریر کا فن چاول پر 'قُل ہو اللہ' لکھنے یا ساگر کو گاگر میں بند کرنے کا فن ہے۔ ریڈیو تقریر میں موضوع کے تعین کے ساتھ وقت کی حدود کا تعین بھی ہوتا ہے یعنی کم سے کم وقت میں جامع مگر واضح انداز میں بات کی جاتی ہے۔ ریڈیو تقریر متعین موضوع پر متعین وقت میں پڑھی جانے والی ایسی تحریر ہے جو بیک وقت تحریر اور تقریر دونوں کی خصوصیات کی حامل ہو اور جس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے پوری طرح اُس کا حصول کرتی ہو۔ یعنی ریڈیو سننے والے

Marfat.com

لاکھوں افراد کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ریڈیو سننے والوں میں مختلف ذہنی استعداد، مزاج، عمر اور جداگانہ نظریات کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بات آسان نہیں کہ اپنی بات کو سب کی بات بنا کر پیش کیا جائے اور جو سُنے اُسی کی داستان معلوم ہو یا کم از کم اُس موضوع کی مبادیات اس کے ذہن نشین ہو جائے۔ مفتی صاحب کی ریڈیو تقریروں میں یہ فنّی، تکنیکی اور اسلوبی خصوصیات اپنی پوری تازگی اور توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

بنیادی طور پر مفتی صاحب کی ریڈیو تقریروں کا موضوع مذہبیات اور دینیات ہے۔ انھوں نے اسلامی عقائد، افکار، ارکان اور اسلامی تہذیب و ثقافت نیز اہم اسلامی شخصیات پر قلم اُٹھایا ہے۔ ان میں سے بعض تقریریں مختلف اور آزاد موضوعات پر ہیں جن کا دائرۂ فکر و اسلوب ایک دوسرے سے الگ ہے۔ مثلاً جو ریڈیو تقریریں شخصیات اور عصر جدید میں اسلامی مسائل پر ہیں وہ اپنی اپنی جگہ آزاد اور منفرد حیثیت رکھتی ہیں لیکن اس مجموعہ کی معتد بہ تقریریں چند بڑے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ مثلاً سیرتِ پاکؐ، عید قرباں، عید الفطر، شبِ برأت اور حج بیت اللہ۔ ان میں سے ہر موضوع پر کئی کئی تقریریں ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں "تکرارِ خیال" کا نقص ہوگا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ کہیں کہیں جزوی تکرارِ خیال سے قطع نظر (جو وہاں ضروری اور ناگزیر معلوم ہوتی ہے) ہر تقریر اپنی جگہ جداگانہ فضا کی حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً یہ موضوعات اسلام کے بنیادی اور اہم موضوعات ہیں، دوسرے ان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مفتی صاحب نے ایک موضوع پر مختلف اوقات میں جو تقریریں لکھی ہیں اُن میں تکرارِ خیال اور اسلوب سے اجتناب کیا ہے۔ ہر ریڈیو تقریر میں موضوع کے کسی ایک پہلو یا جہت کی وضاحت کی ہے یا کسی ایک نکتہ پر خاص طور پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ مثال کے طور پر حج بیت اللہ کے موضوع پر جو تقریریں ہیں وہ ایک موضوع کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہیں۔ اگر ایک تقریر میں حج کی اہمیت اور

Marfat.com

فضیلت پر گفتگو ہے تو دوسری میں ارکانِ حج کی ادائیگی پر۔ اسی طرح تمام تقریریں الگ الگ پہلوؤں سے متعلق ہیں جو دوسرے موضوعات پر ہیں۔ اس طرح ہر تقریر اپنی جگہ مکمل اور خود مکتفی تحریر بھی ہے اور ایک دوسرے کا تتمہ اور تکملہ بھی یعنی ہر تقریر اپنی جگہ مکمل ہوتے ہوئے ایک بڑے اور متنوع موضوع کی تشکیل و تکمیل بھی کرتی ہے۔ ایک موضوع پر لکھی گئی مختلف تحریروں میں جو ایک نوع کا داخلی تسلسل اور تنوع ہے اس سے ان کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

ان ریڈیو تقریروں کی افادیت اور اہمیت واضح ہے۔ یہ تمام تقریریں دین و مذہب کے کسی نہ کسی اہم پہلو پر ہیں۔ ان تقریروں میں بیحد اہم اور بلیغ مسائل کو مختصر اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے، جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ یہ تقریریں اُن غیر مسلموں کے لئے بھی اہمیت رکھتی ہیں جو کم سے کم وقت میں اسلام کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتے ہیں۔ ان ریڈیو تقریروں میں دینی اصولوں کی وضاحت اور روشنی تو ہے ہی، ان میں ادبیت کی چاشنی اور نثری اسلوب کا حسن بھی موجود ہے۔ مفتی صاحب نے عصرِ جدید کے بعض مسائل پر اسلام کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں جس انداز سے اظہارِ خیال کیا ہے وہ موصوف کے علمی تبحر اور ذہنِ رسا کا بہترین ثبوت ہے۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کی ریڈیو تقریریں ایک طرف فنّی، تکنیکی اور ادبی حیثیت سے بے نظیر ہیں اور دوسری طرف ان سے گہری مذہبی اور دینی بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ اربابِ علم اور عوام دونوں سے خراجِ تحسین حاصل کرے گا اور ہمارے مذہبی اور ادبی سرمائے میں قابلِ قدر اضافہ قرار پائے گا۔ میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی صاحب کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ موصوف نے ان تقریروں کو مرتّب کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

ڈاکٹر عنوان چشتی

۲۱۔ جنوری ۱۹۸۰ء — ریڈر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر، نئی دہلی

Marfat.com

سطورِ تعارف

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں مگر اتنا اشارہ کردینا ضروری ہوگا کہ اس ملک میں انگریزوں کے تسلّط کے ساتھ مغل دَور کی وہ علمی درسگاہیں ویران ہوگئی تھیں جو اپنی اپنی جگہ پر اسلامی علوم کی خدمت انجام دے رہی تھیں۔ بزرگانِ دیوبند انگریزوں کے خلاف ایک ولولۂ حُرّیت پیدا کرنے کے ساتھ اسلامی علوم و تہذیب کے احیاء کے بھی خواہشمند تھے، ان ہی بُنیادوں پر دارالعلوم قائم ہوا اور ابتدائی منزلوں سے گزر کر ایک دَور ایسا بھی آیا جو حضرت شیخ الہند اور حضرت علّامہ انور شاہ کشمیریؒ اور اُن کے معاصر علماء کا تھا۔ جب زندگیاں شریعت و سُنّت کے عملی سانچوں میں ڈھلنے کے ساتھ صحیح علمی مذاق اور مسائلِ علمیہ کی تحقیق و تفحص کا دَور تھا، اس دَور میں سادگی اور قناعت علماءِ دیوبند کا امتیاز تھا اور وقت کے تمام علمی مسائل پر دسترس ان کی خصوصیت تھی۔

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اسی تابندہ و درخشندہ دَور کی آخری یادگار ہیں۔ اُردو فارسی کے یگانہ ادیب، شاعر اور علومِ دینیہ کے فاضل و عالم مولانا فضل الرحمٰن عثمانی کے پوتے، قطبِ عالم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی جیسے فقیہ النفس اور وحید العصر باپ کے بیٹے، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے چچاؤں کے بھتیجے، علم اُن کے گھر کا کھیل تھا اور ذہانت اُن کے خاندان کی ملکیت۔ حضرت مفتی صاحب کو اس دَور کے ممتاز علماء کی شاگردی کے ساتھ علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی خاص نگاہِ کرم حاصل رہی۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے ان کے تعلق و محبّت کا یہ ایک کرشمہ تھا کہ وہ حضرت

Marfat.com

کے مرض الوفات میں دیوبند سے نو سو میل دور ڈابھیل میں تھے مگر انتقال سے چند روز پہلے ایک تقریب میں دیوبند تشریف لے آئے اور حضرت کی تکفین وتدفین ان ہی کے ہاتھوں ہوئی۔

گزشتہ ۵۰ سال کے عرصہ میں حضرت مفتی صاحب علمی مجالس کے صدر نشین، مہمات فقہ وقانون کے عقدہ کشا، سیاست وفراست کے بلاشرکتِ غیرے مالک، تقریر وتحریر کے ایک خاص انداز پر قادر، شرافت وانسانیت کے پیکر، وضعداری اور خوش خُلقی کا ایک نمونہ بنکر دنیا کے سامنے رہے ہیں۔ دوسروں کی لمبی لمبی اور اُلجھی اُلجھی تقریروں اور گفتگوؤں کو صبر وسکون کے ساتھ سُننا اور اپنے چند الفاظ سے مخاطب کو تسلّی بخش جواب دینا، لمبے لمبے موضوعات پر بڑی دلکش، بصیرت افروز اور فیصلہ کن تقریریں کرنا ان کا شب و روز کا معمول ہے۔ میں نہیں بلکہ سیکڑوں اور ہزاروں افراد انھیں ایک جامع الصفات والکمالات انسان کی حیثیت سے دیکھتے، اُن کی ہر ہر ادا پر جان چھڑکتے اور اُن کی موجودہ گرتی ہوئی صحت کی طرف سے اپنے دلوں پر ایک بڑا بوجھ محسوس کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کو آل انڈیا ریڈیو سے سیکڑوں بار مختلف موضوعات پر تقریریں کرنے کا اتفاق ہوا۔ یہ سب تقریریں علم ومعرفت کا ایک خزانہ اور ادب وانشار کا ایک ذخیرہ ہیں۔ جب مفتی صاحب نے ریڈیو پر یہ تقریریں ارشاد فرمائیں تو اُن کی آواز وانداز نے کانوں میں رس گھول دیا۔ اور اب یہ صفحات واوراق پر سامنے آئیں تو ہر صفحہ نقشِ ارژنگ کی طرح حُسن ورعنائی کا ایک گلشن نظر آیا۔

ڈاکٹر عنوان چشتی اہلِ ذوق کی طرف سے دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے کہیں کہیں سے یہ ذخیرہ فراہم کیا اور بڑے شوق اور جذبہ کے ساتھ

Marfat.com

ان کو مرتب کیا اور اسے کتابی شکل دی۔ یہ تقریریں جواب بصورتِ تحریر سامنے آرہی ہیں، اِس دَور کے ادب العالیہ حُسنِ نگارش، اختصار و جامعیت اور تحریر وانشار کا ایک معیار ہیں جو اہلِ ذوق کے لئے نورِ نگاہ بنیں گی۔

ریڈیو پر تقریریں کرنے اور سننے والے اسے جانتے ہیں کہ ریڈیو کے مقرّر کو زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں اپنے موضوع کے تمام ضروری گوشوں پر روشنی ڈالنا ہوتا ہے۔ قلم پر قدرت اور متعلّقہ موضوع پر پوری دسترس نہ ہو تو اس فرض کو ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی ان تقریروں کو دیکھئے تو وہ جچی تُلی باتوں، ضروری مضامین اور دلکش اندازِ بیان کی مُنھ بولتی تصویریں نظر آئیں گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب بڑی بڑی بحثوں کو سمیٹ لینے کی جو قدرتی صلاحیت رکھتے ہیں، یہ تقریریں ان خوبیوں سے لبریز ہیں۔

حق تعالیٰ اپنے رحم وکرم سے مفتی صاحب کو عمرِ دراز بخشیں اور ملّتِ اسلامیہ کو اُن کی بزرگانہ خدمات سے دیر تک مستفید فرمائیں۔

سیّد محمد ازہر شاہ قیصر

سیرتِ پاک

Marfat.com

①	نبیؐ آخر الزماںؐ	۱۷
②	میلادُ النّبیؐ	۲۱
③	میلادُ النبی صلعم صلی اللہ علیہ وسلم	۲۶
④	سیرتُ النّبی	۳۰
⑤	رسولِ اکرمؐ کی انسان دوستی	۳۴
⑥	رسولِؐ خدا کا پیغام	۳۹
⑦	خُلقِ محمدی	۴۵
⑧	یومِ پیدائشِ نبیؐ	۴۹

Marfat.com

نبیؐ آخر الزماںؐ

خدائے بزرگ و برتر نے دنیا اور دنیا والوں کی رہنمائی کے لئے ہر دَور میں اپنے پاکیزہ کردار بندے بھیجے، انہی ہستیوں کا نام نبی اور رسول ہے۔ یہ برگزیدہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا اور منشا کو اس کی مخلوق تک پہنچانے کا مشکل اور نازک فرض انجام دیتے ہیں۔ آج دنیا میں نیکی اور خدا کی مخلوق کی بے لوث خدمت کی جو شعاعیں پھیلی ہوئی ہیں وہ انہی پاک باز شخصیتوں کی ریاضت و محنت کا صدقہ ہے۔ فکری حیثیت سے نہیں، عملی حیثیت سے کائناتِ انسانی کے سرمایۂ حیات میں کامیاب زندگی کے جو بہترین اثرات پائے جاتے ہیں وہ اسی مقدس گروہ کی جدوجہد کی برکتیں ہیں۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبروں کی اس جماعت کے سردار اور سرگروہ ہیں، اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ آپ کے کردار، حسنِ عمل اور تعلیم و تربیت کا قالب بھی فطرتِ انسانی کے جلوۂ صد رنگ کا بہترین منظر ہے۔ آیئے ان نورانی ساعتوں میں آنحضرتؐ کے پیغمبرانہ اخلاق اور مصلحانہ کردار پر ایک نظر ڈالیں۔ حضورؐ کی سیرت اور شخصیت میں ہم کو بے مثال شانِ جامعیت ملتی ہے اور اس آئینے میں زندگی اور اس کی ضرورتوں کے تمام ہی گوشے نکھرے اور ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آپ پر ظلم و ستم اور جبر و قہر کے پہاڑ بھی ٹوٹے، مصائب کی آندھیاں بھی آئیں، ناکامیوں کا اندھیرا بھی چھایا اور نصرت و فتحمندیوں کے شادیانے بھی بجے، لڑائیاں بھی ہوئیں اور صلح و سلام کے عہد نامے بھی کئے، دن دن بھر روزے بھی رکھے اور رات رات بھر نمازیں بھی پڑھیں، غارِ حرا میں خلوت نشین بھی رہے اور پیچیدہ سیاسی گتھیاں

Marfat.com

بھی سُلجھائیں، خانگی اور شخصی زندگی کا بھی لطف اُٹھایا اور حق کے مبلّغ اور ہادی کا فرض بھی انجام دیا، کہاں نرمی سے کام لینا چاہیئے اور کہاں سختی سے، اس کی پہچان بھی حضورؐ کو ایسی تھی کہ تاریخِ عالم کی بڑی بڑی شخصیتوں میں اس کی مثال نہیں ملتی، جہاں حدودِ الٰہی کی حفاظت کا مرحلہ ہوتا اُن کے تحفّظ کے لئے فولاد سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے اور جہاں اپنی ذات کا سوال ہوتا ریشم سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے۔ غرضیکہ آپ کی ذات ہمیں ایک معیاری اور مثالی شخصیت کی حامل نظر آتی ہے، جس نے دس سال کے مختصر عرصے میں ایک نئے تمدّن، نئے فلسفۂ حیات اور نئی شریعت کی بنیاد رکھ کر ایک نئی ملّت پیدا کر دی اور مخالفتوں کی بے پناہ یورشوں کے باوجود اس کو روحانی و مادّی ترقی اور سربلندی و سرفرازی کی شاہ راہ پر گامزن کر دیا۔ چند برسوں میں پورے عرب میں امن و امان قائم ہو گیا اور قبیلوں کی روایتی خانہ جنگیاں ختم ہو گئیں، جرائم کا بازار سرد پڑ گیا اور رہزن رام ہو کر رہنما بن گئے، خدا کا یقین عوام کی زندگی کا نشانِ راہ بن گیا تھا، خلوت و جلوت کے تمام معاملات میں وہ اس کی حاضر و ناظر ذات کو پوری طرح محسوس کرنے لگے تھے، اور اس طرح ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جس میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے پولیس اور فوج کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ جرم اوّل تو ناپید ہی ہو گئے تھے اور اگر کسی سے کوئی گناہ اور جرم سرزد ہو بھی جاتا تھا تو وہ خود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بے تابانہ اقرار کر لیتا تھا، اس سلسلے میں دو واقعے خاص طور پر لائقِ ذکر ہیں: ایک روز ماعزؓ بن مالک اسلمی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ سے معصیت ہو گئی ہے اور بدکاری کا مرتکب ہو گیا ہوں، میری تمنا ہے کہ آپ مجھے پاک کرا دیں۔ حضورؐ نے ان کو واپس کر دیا۔ دوسرے دن وہ پھر آئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! میں بدکاری کا مجرم ہوں"۔ آپ نے اُن کو دوبارہ واپس کر دیا اور ان کے گھرانے سے دریافت کرایا کہ ان کی سمجھ میں کوئی خرابی تو نہیں

Marfat.com

یا کوئی بات معمول اور عادت کے خلاف تو نہیں پائی جاتی۔ گھر والوں نے جواب دیا۔ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ ایک فہیم اور اچھے خاصے شخص ہیں۔

ماعؓ، حضورؐ کے پاس تیسری بار آئے اور آپ نے دوبارہ ان کی دماغی حالت کے متعلق دریافت کرایا۔ اس دفعہ بھی وہی جواب ملا۔ جب وہ چوتھی بار آئے اور کوئی عذر اور حالتِ منتظرہ باقی نہ رہی تو آپ نے اُن کو نصف دفن کرا کے سنگسار کر دینے کا حکم دیا۔

دوسرا دردناک واقعہ ایک خاتون غامدیہ کا ہے۔

ایک روز اُنھوں نے بھی دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔"یارسول اللہ! مجھ سے بدکاری کا گناہ سرزد ہو گیا ہے، پاک کرا دیجئے"۔ آپ نے اُن کو جھڑک کر واپس فرما دیا۔ وہ دوسرے روز پھر آئیں اور کہنے لگیں۔ حضورؐ! آپ مجھے کیوں واپس کرتے ہیں۔ شاید اُسی طرح جس طرح ماعزؓ کو واپس کر دیا تھا۔ میں تو حاملہ بھی ہوں' آپ نے فرمایا تو پھر جاؤ جب ولادت ہو جائے تب آنا۔ ولادت سے فارغ ہو کر یہ پھر آئیں۔ بچہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا کہنے لگیں یہ میرا بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ بچے کو دودھ پلاؤ، جب یہ کچھ کھانے لگے تب لے کر آنا۔ دودھ چھڑانے کے بعد وہ پھر آئیں اور اس طرح آئیں کہ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا' بولیں "اے اللہ کے نبیؐ! لیجئے میں دودھ پلانے سے فارغ ہو گئی اور یہ روٹی کھانے لگا"۔ آپ نے بچہ ایک دوسرے شخص کے سپرد کیا اور 'حد' قائم کرنے کا حکم دیدیا۔ اُن کے سینے تک گڑھا کھودا گیا اور سنگسار کر دی گئیں۔ کائنات کی رہنمائی کا آخری معیار رہنما کی کیمیا اثری ہے، یعنی وہ غیر محسوس طاقت جو دیکھتے ہی دیکھتے انسانوں کی تقدیریں پلٹ دیتی ہے، وہ صلاحیتِ اکسیر صفت جو دوسروں کی صلاحیتیں اس طرح اُبھار دیتی ہے کہ وہ خود حیران رہ جاتے ہیں، وہ قدرتی اور وہبی استعداد جو خود ہی انقلاب کا سامان تیار کرتی ہے، خود ہی اس کی سمت کا تعین کرتی ہے اور پھر خود ہی زمانے کے دھاروں کو موڑ کر اس کی طرف لے جاتی ہے۔ گڈریوں اور چرواہوں کی ایک جاہل اور

Marfat.com

ناشائستہ قوم جو جائز و ناجائز اور صحیح و غلط کی تمیز سے تقریباً ناآشنا تھی، جو خانہ جنگیوں کی ختم نہ ہونے والی زنجیروں میں اس طرح جکڑی ہوئی تھی کہ قومی فلاح و بہبود کا تصوّر و تخیّل بھی اس کے ذہن سے ہو کر گزر نہیں پاتا تھا، وہ ایک وجودِ کامل اور ایک ہستیِ جامع کے اثر سے یکایک دینی و دنیاوی ترقی کی بلند ترین رصد گاہوں کو زینت بخشنے لگتی ہے اور ایک خشک ریگستانی خطّے سے علم و حکمت اور سیادت و قوت کے وہ سرچشمے پھوٹتے ہیں کہ اس وقت کے دریافت شدہ دنیا کے تین براعظم ان سے سیراب ہونے لگتے ہیں، ان کے مسخ شدہ ذہنوں میں ایسا تابناک انقلاب آیا کہ بے جان اور افسردہ معرفت سے نکل کر وہ ایک ایسے واضح اور گہرے عقیدے تک پہنچ گئے جو اُن کے سارے انفرادی اور اجتماعی وجود پر حاوی تھا۔ اب وہ ہمہ وقت خدا کی بے پناہ قوت کو محسوس کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملات میں بھی اسی کی کارسازی پر نظر رکھتے تھے۔ دیکھیے مشہور مؤرخ اور مستشرق ڈاکٹر جانسن کتنے عمدہ الفاظ میں حضورؐ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ ہم اسی پر اپنی تقریر کو ختم کرتے ہیں:

"پیغمبر اسلام کا تاریخی کردار، ان کی سادہ اور بے ریا انسانیت کہ میں انسانوں ہی میں سے ایک انسان ہوں، ان کی وہ پُرجوش حقیقت پسندی جو تمام دور از کار تخیّلات کو نظر انداز اور مافوق العادت چیزوں کو ردّ کر دینے والی ہے، وہ مکمّل جمہوری اور آفاقی تصوّر جس پر انھوں نے انسانوں کے باہمی تعلّقات کی بنیاد رکھی تھی، وہ قوّت جس کا انحصار اخلاقیات پر تھا، اور وہ اعتماد جو انھیں زبان اور قلم پر تھا، یہ ساری چیزیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ عہدِ جدید سے جوڑ دیتی ہیں۔

۲۸ مئی ۱۹۶۹ء

میلادُ النبیؐ

میلاد النبی کی تقریب ایک ایسی زندگی کی یاد تازہ کرتی ہے جو اس دنیا کو اس سے پہلے نہیں ملی تھی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت پر چھ صدیاں بیت چکی تھیں، معمورۂ عالم پیغمبروں کی لائی ہوئی ہدایت و صداقت کو فراموش کر چکا تھا، کائناتِ انسانی خدا پرستی کے بجائے مظاہر پرستی میں غرق ہو گئی تھی اور ذاتِ حق کا نام ہی نام باقی رہ گیا تھا، مجاز کے ذوقِ عشق میں حقیقت سے آنکھیں بند ہو گئی تھیں، پاکبازی کے درخت مُرجھا گئے تھے، نیک عملی کی کھیتیاں سُوکھ گئی تھیں، عدل و انصاف اور غیرت و حمیّت کے باغ ویران ہو گئے تھے، کُشت و خون کا بازار گرم تھا اور جامۂ انسانیت تار تار ہو گیا تھا —— ان اندھیریوں میں قانونِ قدرت نے ماضی کی تاریخ دہرائی۔ دنیا اور اس کے بسنے والوں نے ایک نئی زندگی میں قدم رکھا، آفتابِ نبوّت اپنی شعاعوں کے جلوے بکھیرتا ہوا اُفقِ ہدایت سے نمودار ہوا اور خداشناسی کے اُجڑے ہوئے چمن میں بہار آگئی۔ یہی حقیقت تھی جس کو مشہور برگزیدہ صحابی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اصحمہ شاہِ حبش کے دربار میں یوں ظاہر کیا تھا:

"بادشاہ! ہم پر ایک طویل تاریک زمانہ گذرا ہے۔ اس وقت ہماری جہالت کا یہ عالم تھا کہ ایک خدا کو چھوڑ کر بے شمار خدا بنا رکھے تھے، مُردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں پر ظلم توڑتے تھے، لُوٹ مار، قطعِ رحم ہمارا صبح و شام کا مشغلہ تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، انصاف و رحم سے ناآشنا تھے، ہمارے

عقیدوں اور عمل کی دُنیا ویران ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت، صداقت، امانت اور عصمت پر دوست، دشمن دونوں گواہ تھے۔ قوم نے اُس کو "محمد الامین" کا لقب دیا تھا۔ اس نے ہم کو حق کی طرف بُلایا، اور خدا کی توحید کا سبق سکھایا، صداقت شعاری اور حق گوئی کی تلقین کی، صلہ رحمی کا حکم دیا، پڑوسیوں اور کمزوروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تعلیم دی، قتل و غارت اور حرام کاری کو بدترین جُرم ٹھہرایا۔ جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے کے عذاب سے ڈرایا، نماز، زکوٰۃ اور خیرات و صدقات کی اہمیت بتائی۔ ہم نے اس کی پکار سنی اور اس کی تعلیم اور پیغام پر ایمان لے آئے اور تمام بُرے کاموں کو چھوڑ دیا۔ یہ ہے ہمارا گناہ جس پر ہماری ہی قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ہمیں مجبور کرتی ہے کہ پھر اُسی بُرائی کی طرف لوٹ آئیں۔"

شاہِ حبش نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی یہ صاف، سادہ اور صداقت و اخلاص کے جذبات میں ڈوبی ہوئی تقریر سُن کر ان کو اور ان کے ساتھیوں کو دشمن کی سفارت کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "اللہ تعالیٰ کا جو کلام تمہارے پیغمبرؐ پر اُترا ہے اس کا کچھ حصہ سُناؤ۔"

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں جن میں حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے عالمِ وجود میں آنے اور ان کی زندگی کی بعض اہم خصوصیتوں کا ذکر ہے، ان آیتوں کو سُن کر اصحمہ بے حد متاثر ہوا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہنے لگا "خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل ایک ہی چراغ کے نور اور ایک ہی آفتاب کی کرنیں ہیں۔"

آیئے! میلاد النبی کی اِس تقریب کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور تعلیم کی رُوح سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپؐ کی تعلیم کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کا تعلق کسی خاص طبقے اور گروہ سے نہیں بلکہ تمام کائناتِ انسانی سے ہے،

Marfat.com

آپؐ کی زندگی ایک زبردست محبِّ انسانیت کی زندگی تھی جس میں خاندانوں اور نسلوں کے امتیاز و تفریق کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، چنانچہ آپؐ نے برملا یہ اعلان کیا کہ ہر انسان پیدائشی اور موروثی گناہ سے پاک ہے، اس کی فطرتِ سادہ مستحق عزّت اور لائقِ احترام ہے، قدرت کی طرف سے اس کو خلعتِ تکریم عطا کیا گیا ہے، وطن، قبیلہ، نسل، رنگ اور زبان کے تفرقے بے معنی ہیں، امتیاز صرف نیک عمل کے لئے ہے، تمام انسان وحدتِ انسانی کے فطری اور قدرتی رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں، کسی گورے کو کالے پر، کسی ایرانی کو تورانی پر، کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا ہے، ہر شخص اپنے ضمیر، عقیدہ اور مذہب میں آزاد ہے، مذہب اور دین کی پسند میں کسی پر کوئی جبر نہیں ہے، عقلی اور تہذیبی ترقی کی راہیں ہر ایک کے لئے کھلی ہوئی ہیں۔ اسی کے ساتھ آپؐ نے اپنی تعلیم و تربیت کا ایک خیالی نقشہ ہی پیش نہیں کیا بلکہ اس نقشہ پر ایک زندۂ جاوید سوسائٹی پیدا کر کے دکھا دی اور دنیا کے سامنے اِس بات کا عملی مظاہرہ کر دیا کہ جو اصول آپؐ نے پیش کئے ہیں اُن پر زندگی کی عمارت کس طرح کھڑی ہوتی ہے اور وہ عمارت کتنی صاف ستھری، کتنی مضبوط و مستحکم اور کس قدر پاکیزہ ہے۔

اس غیر معمولی کامیابی اور اثر انگیزی کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ اپنی تعلیم کا خود مکمل عملی نمونہ تھے۔ مجمعِ عام اور گھر کی تنہائی میں ایک ہی رنگ میں نظر آتے اور اخلاق و عمل کا جو نکتہ دوسروں کو سکھاتے پہلے خود اس کا نمونہ بن جاتے۔ کسی نے آپؐ کی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کے کردار و اخلاق کی تفصیل دریافت کی تو انھوں نے کہا "جو کچھ قرآنِ کریم میں ہے وہی حضورؐ کے اخلاق تھے"۔ یعنی آپؐ کی ساری زندگی قرآنِ پاک کی عملی تفسیر تھی۔ آپؐ کی پہلی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو ۲۵ سال آپ کے ساتھ رہی تھیں نبوّت کے شروع دنوں میں آپؐ کو ان لفظوں

سے تسلّی دیتی تھیں :

"خدا کی قسم ! اللہ آپؐ کی حفاظت کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، عزیزوں کا حق ادا کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اُٹھاتے ہیں، بے سہاروں کی امداد کرتے ہیں، مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں، مہمانوں کی مدارات کرتے ہیں، سچّائی کی حمایت کرتے ہیں۔"

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، جو ابتدائے نبوت سے آخر عمر تک کم وبیش ۲۳ سال خدمتِ مبارک میں رہے تھے اُن سے اُن کے صاحبزادہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے اخلاق وعادات کے متعلق سوال کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، نے فرمایا :

"آپؐ نرم خو، خندہ جبیں، مہربان اور رحم دل تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، کبھی کوئی بُرا کلمہ زبان سے نہ نکالتے تھے، کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے، کسی کے اندر کے حالات کی تلاش میں نہیں رہتے تھے، نہایت فیاض، نہایت سچّے اور نہایت شیریں مزاج تھے، کوئی دفعتاً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا بے تکلف ہو جاتا تھا ...."

آپ کی نگاہ میں امیر وغریب، آقا وغلام سب برابر تھے۔ حضرت سلمانؓ وحضرت صہیبؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے آپؐ کی مجلس میں قریش کے بڑے بڑے رئیسوں سے کم مرتبہ نہ تھے۔ ایک عورت چوری کے جُرم میں گرفتار ہوئی، حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ جن سے آپ کو بہت محبّت تھی، لوگوں نے اس عورت کے متعلق اُن سے سفارش کرائی۔ آپؐ نے ناگواری کے لہجہ میں فرمایا :

"اُسامہؓ! کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو ؟" پھر آپؐ نے مجمع عام کو مخاطب کیا اور فرمایا "....تم سے پہلے بہت سی قومیں اس لئے برباد ہوئیں کہ اُن کا طریقہ یہ ہو گیا تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی جُرم کرتا تو اُس کو چھوڑ دیتے اور کم درجے کا آدمی مجرم ہوتا تو اس کو سزا دیتے، خدا کی قسم! اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اُس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے ...."

Marfat.com

ایفاءِ عہد اور وعدہ کا پاس آپؐ کی ایسی خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کے ماننے پر مجبور تھے۔ شہنشاہِ روم نے آپؐ کی صداقت کو جانچنے کے لئے ابوسفیان سے جو بہت سے سوال کئے تھے اُن میں ایک یہ بھی تھا "کیا کبھی محمدؐ نے بدعہدی کی ہے؟" ابوسفیان نے جواب دیا "کبھی نہیں"

آپؐ مسلمانوں ہی کیلئے نہیں تمام انسانوں کیلئے بلکہ ساری کائنات کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپؐ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اسی رافت و رحمت کے قالب میں ڈھل گیا تھا اور کسی سخت سے سخت موقع پر بھی آپ کی شانِ رحمۃ للعالمینی میں فرق نہیں آتا تھا، اُحد کے میدان میں جب سرِ مبارک زخمی اور دندانِ مبارک شہید ہوا تو یہی فرماتے رہے "خدایا! انہیں معاف کر اور سیدھا راستہ دکھا کہ یہ جانتے نہیں ہیں" طائف کا واقعہ عہدِ نبوّت کا مشہور اور عبرت آموز واقعہ ہے۔ اِس بستی کے رہنے والوں نے نہ صرف یہ کہ آپؐ کو پناہ نہیں دی بلکہ شہر کے شریروں کو خوب خوب اُبھارا تھا۔ چنانچہ اوباشوں کا یہ گروہ راستہ پر دورویہ کھڑا ہو گیا اور جب آپؐ درمیان سے گذرے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے۔ یہی نہیں، دوسرے طریقوں سے بھی آپؐ کو نہایت شدید قسم کی ایذائیں پہنچائی گئیں، لیکن اسی روز جب آپؐ کے چہیتے ساتھی حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ عرض کیا "یارسول اللہ! آپؐ اِن لوگوں کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے!" تو آپؐ کے تیور بدل گئے اور چہرۂ انور غصّہ سے تمتما اُٹھا، فرمایا "ہرگز نہیں، میں دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں" اس کے بعد یہ دُعا فرمائی "پروردگار! میری قوم کو ہدایت دے، وہ بُرے بھلے کو نہیں پہچانتی"

بے شمار درود و سلام اُس نبیِ رحمت پر جس کی زبانِ حق پر رات کی تنہائی میں بھی یہ کلمات ہوتے تھے "خدایا میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں"

۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۶ء

Marfat.com

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا دن ایک ایسے دن کی یاد تازہ کرتا ہے جس نے خیالات و اعتقادات اور فکر و عمل کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ اسی دن معرفتِ حق کی صاف و شفاف اور روشن راہیں کھلیں، معمورۂ عالم کے بے چین و بے تاب ذرّوں نے وحدانیت کے نغمے گائے اور خداشناسی و نیک عملی کے اُجڑے ہوئے چمن میں بہار آگئی۔ آفتابِ نبوّت نے خطّۂ عرب سے طلوع ہو کر سارے عالم کو اپنی کرنوں سے پُرنور کر دیا اور کائناتِ انسانی کے جسمِ بے جان میں روحِ تازہ پھونک دی۔ حضورؐ کی بعثت سے پہلے دنیا جن اندھیریوں میں گھری ہوئی تھی اس کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا، معلوم ہوتا تھا اِس فرشِ زمین پر ہدایت کا نور کبھی چمکا ہی نہیں تھا۔ عبد و معبود کے رشتے کا ایک ایک تار بکھر گیا تھا اور روحِ انسانی کی لطافتیں جذباتِ نفسانی کی کثافتوں میں دب کر رہ گئی تھیں۔ اِن گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں آپ نے اپنی انقلابی دعوت کا آغاز فرمایا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے جزیرہ نمائے عرب پر حق کا نور سیلاب کی طرح پھیل گیا۔ اس بے مثال کامیابی کا سرچشمہ حضورؐ کی دلنواز و دلکش شخصیت تھی۔ آپؐ کے اصول کی صداقت نے ہر طبقے کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا اور چاروں طرف عقیدت کے بے پناہ جذبات پیدا کر دیے تھے۔ آپؐ کی آواز پر اُمّت کا ضمیر وجد کرتا تھا۔ آپؐ کے ارشادات کسی صاحبِ کشور و نگین کے احکام نہ تھے جن کا مصنوعی جاہ و جلال عوام کے قلوب کو وقتی طور پر مرعوب کر دیا کرتا تھا۔ عاجزی و انکساری، تواضع و خاکساری آپؐ کی پسندیدہ اخلاقی صفات تھیں۔ آپؐ اپنی بندگی کا ہر آن اقرار و اعلان فرماتے تھے۔ پیغمبروں کی عبدیت آپؐ کے

Marfat.com

لائے ہوئے دین کا بنیادی عقیدہ تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ عرب جیسی جاہل اور صحرا نورد قوم یکایک سب کی توجّہ کا مرکز بن گئی اور حقیر و کمتر دنیا کی نگاہوں میں معزّز و ممتاز ہو گئے۔ بقول "اسپرٹ آف اسلام" کے مصنّف کے، کہ ان چند برسوں نے واقعی کیسا انقلاب دیکھا تھا، یقیناً جنّت کا کوئی فرشتہ اس ملک سے ہو کر گذر گیا تھا جس نے ان جاہلوں کے دلوں میں محبّت اور لطافت کا جادو پھونک دیا تھا جو اس وقت تک نیم درندگی کی قابلِ نفرت پستیوں میں دھنسے ہوئے تھے۔ لاقانونیت کا وہ جنگل جہاں تمام خدائی اور انسانی قوانین بے جھجک جھٹلائے اور توڑے جاتے تھے، گلزار بن گیا تھا۔

آیئے آج کی مُبارک ساعتوں میں آپؐ کے پیغام کے بُنیادی اصول اور آپؐ کی تعلیمات کی رُوح سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپؐ کے پیغام کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کا تعلق کسی خاص طبقے اور نسل سے نہیں، پوری کائناتِ انسانی سے ہے۔ آپؐ کی زندگی ایک اعلیٰ درجہ کے محبِّ انسانیت کی زندگی تھی۔ آپؐ کی زبان سے تمام عمر کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا اور نہ زندگی بھر کوئی ایسا کام کیا جس سے یہ شبہ بھی ہو سکتا ہو کہ آپؐ کو انسانوں کے ایک طبقہ کے مقابلہ میں دوسرے طبقہ کے مفاد سے زیادہ تعلق ہے۔ چنانچہ آپؐ نے سب سے پہلے اُس خدا کا تصوّر پیش کیا جو صرف "رب المسلمین" نہیں "رب العالمین" ہے۔ آپؐ نے نسلی اور طبقاتی تعصّب میں پھنسی ہوئی دنیا کو بتایا کہ وطنی، قومی اور قبائلی خدا کی کوئی حقیقت نہیں، خدا وہ ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ وحیِ الٰہی نے بار بار آپؐ کی زبان سے یہ اعلان کرایا کہ ہر انسان پیدائشی گناہ سے پاک ہے۔ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کیلئے پیدا نہیں ہوا۔ اس کی فطرت کی تخلیق 'احسنِ تقویم' بہترین معیار پر ہوئی ہے۔ اور اسی لئے مستحقِ عزّت اور لائقِ تکریم ہے۔ نسل، رنگ اور زبان کے تفرقے بے حقیقت اور بے معنی ہیں۔ امتیاز صرف نیک عملی کے لئے ہے۔ تمام انسان، انسانی وحدت کے

رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔ کسی عربی کو غیر عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت اور برتری نہیں۔ سب کے سب آدم کی اولاد اور کنبہ ہیں اور آدم کا پتلا مٹی سے بنا ہے۔ اس کے ساتھ آپؐ نے ضمیر اور عقیدے کی آزادی کے احترام اور تحفظ کے لئے یہ انقلاب انگیز اعلان فرمایا "دین کے معاملے میں کسی پر کسی طرح کا کوئی جبر و قہر روا نہیں" یعنی یہ کہ عقیدہ دل کے یقین اور روح کے اطمینان کا نام ہے اس کی تبدیلی زبردستی سے نہیں ہو سکتی۔ ضمیر اور مذہب کی آزادی کے بعد یہ تعلیم بھی غیر معمولی اہمیت کے ساتھ دی کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبر برحق ہیں خواہ وہ سرزمین عرب میں بھیجے گئے ہوں یا عجم میں، اُن کے درمیان کوئی امتیاز اور تفریق نہیں، اُن پر اور اُن کے پیغام کی صداقت پر ایمان لانا اسلام میں داخل ہونے کی پہلی شرط ہے۔ غور کیا جائے تو اس ایک ہی اعلان نے مذہبی گروہ بندیوں کے طلسم کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ آپؐ مسلمانوں ہی کے لئے نہیں تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپؐ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اسی رحمت و رافت کے سانچے میں ڈھل گیا تھا اور کسی سخت سے سخت مرحلے پر بھی آپؐ کی اس شان میں فرق نہیں آتا تھا۔ طائف کا واقعہ عہد نبوت کا نہایت عبرت انگیز واقعہ ہے۔ اس شہر کے رئیس عبد یالیل اور اس کے خاندان نے نہ صرف یہ کہ آپؐ کو پناہ نہیں دی بلکہ تمام بازاری شریروں کو آپؐ کے خلاف اُبھارا، اوباشوں کا یہ گروہ طائف کے بڑے راستہ پر دو رویہ کھڑا ہو گیا اور آپؐ وہاں سے گذرے تو دونوں طرف سے پتھر برسانے شروع کر دیے یہاں تک کہ جسم پاک زخمی اور قدم مبارک خون آلود ہو گئے اور جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ آپؐ جب تھک کر اور نڈھال ہو کر بیٹھ جاتے تو ظالم آپؐ کا بازو پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور جب چلنے کی کوشش کرتے تو پھر اُسی طرح پتھر برساتے۔ اس دن کی روحانی اور جسمانی اذیتوں کا اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نو سال بعد جب حضرت صدیقہ عائشہؓ نے آپؐ سے دریافت فرمایا

Marfat.com

"حضورؐ تمام عمر میں آپؐ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا آیا تو آپؐ نے طائف کے اسی دن کا ذکر فرمایا، لیکن اُسی روز اُسی حالت میں جس وقت آپؐ کے محبوب ساتھی حضرت زیدؓ نے بے تاب ہو کر عرض کیا "یارسول اللہ! آپؐ ان بدبختوں کیلئے بد دعا کیوں نہیں کرتے؟ تو آپؐ کے تیور بدل گئے اور رُوئے مبارک ناگواری سے سُرخ ہو گیا۔ فرمایا "ہرگز نہیں میں دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں"۔ اس کے بعد یہ دعا فرمائی "خدایا! میری قوم کو سیدھا راستہ دکھا دے، یہ اپنے نفع، نقصان اور بُرے بھلے کو نہیں پہچانتی"۔ پھر ۸ھ میں جب اسلامی لشکر نے اس شہر کا محاصرہ کیا اور آپؐ سے اسی پچھلے واقعہ کی بربریت کے اثر سے بد دُعا کی درخواست کی تو آپؐ نے ہاتھ اُٹھا کر بد دعا کے بجائے یہ کلمات فرمائے۔

"خداوندا! طائف کو ہدایت دے اور اُس کو حق کے آستانے پر جُھکا"

آپؐ نے پوری زندگی میں کسی کے سوال کے جواب میں "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا۔ مشہور صحابی حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ رات کو آپؐ کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہا تھا۔ راہ چلتے آپؐ نے فرمایا "ابوذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے"۔ آپؐ نے زہد و قناعت کی تعلیم بھی ایک خاص متوازن انداز میں دی۔ ساتھ ہی آپؐ کے طرزِ زندگی کا عملی نقشہ یہ تھا۔

رہائش کے لئے ایک حجرہ جس کی دیواریں کچّی تھیں اور کھجور کے پتّوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی ۔

ازل کی صبح سے پہلے تو آفتابِ منیر ۔ تو ماہتابِ درخشاں ابد کی شام کے بعد
ترا پیام خدا کا ہے آخری پیغام ۔ سُنا نہ پھر کوئی پیغام اس پیام کے بعد
مری زباں پہ ہے نامِ محمدؐ عربی ۔ ہر ایک گام سے پہلے ہر ایک گام کے بعد

۲۸ مئی ۱۹۶۹ء

Marfat.com

سیرتُ النبیؐ

پروردگارِ عالم کی بے شمار نعمتوں، نوازشوں اور عطیتوں میں سب سے بڑی نعمت اور سب سے زیادہ دل کش، باوقار اور پُرفیض وبابرکت عطیہ، اُن نبیوں، رسولوں اور پیغمبروں کی بعثت، سیرت اور کردار وعمل ہے جن کو وہ ہر دور میں دنیا کے مختلف خطوں میں پیدا کرتا رہا ہے، انسانیت کی آبرو انہی پاک ہستیوں کے وجود سے قائم رہی۔ کائناتِ ہستی کے نقشہ سے اگران ہستیوں کے کردار اور جوشِ عمل کو علیحدہ کردیا جائے تو دنیا کی تاریخ ہوا وہوس، اوہام وخرافات اور جنگ وجدال کی بے رونق، پُروحشت اور اندھی داستان بن کر رہ جاتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسی ہدایت ورہنمائی جس سے روحانیت کی مُرجھائی ہوئی کھیتی شاداب ہوئی اور بھٹکے ہوئے قافلوں نے منزل کی راہ پائی وہ صرف پیغمبروں ہی کے یہاں نظر آتی ہے۔ آج بھی دنیا میں جو اخلاقی قدریں پائی جاتی ہیں اور شر وفساد سے نبرد آزما ہونے، نفس کی شرارتوں پر قابو پانے اور معصیتوں سے بچنے کی جو طاقت، ظلم و عدل اور حق وباطل میں امتیاز کرنے کا جو ملکہ اور خدا کی مخلوق کی بے لوث خدمت کا جو جذبہ پایا جاتا ہے وہ انہی پاک باز اور نیک نہاد شخصیتوں کی بے پناہ جدوجہد اور زبردست قربانیوں کا نتیجہ ہے جنھوں نے ماحول کی انتہائی ناسازگاریوں اور ناموافق ترین حالات میں خدا کی مرضی کو پورا کیا اور اس کے احکام کو انسانوں تک پہنچایا اور انسانیت کو نئی زندگی بخشی۔ حق یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی بے نواؤں اور بے سہاروں کی مدد اور رحم وانصاف کا جذبہ نظر آتا ہے وہ اس مقدس گروہ کے کسی نہ کسی فرد کی پکار کا طفیل اور صدقہ ہے۔ شہروں کی آبادی اور جنگلوں کے لق ودق ویرانے ان ہی کی

Marfat.com

صدائے درد وکرب سے گونج رہے ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت کے سربراہ اور سردار ہیں اس لئے قدرتی طور پر آپؐ کے کردار اور سیرت کا قالب بھی زیادہ دل پذیر ومکمل ہے اور آپؐ کی زندگی کے حالات کا ایک ایک گوشہ خستہ حال اور بھٹکی ہوئی دنیا کی رہنمائی اور دست گیری کے لئے اپنی تمام رعنائیوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ سیرتِ محمدی میں خدا کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں کی سیرتوں کا عطر، آسمانی ہدایات کا جوہر اور روحانی طاقت و اثرانگیزی کا سب سے بڑا خزانہ پوشیدہ ہے۔

آیئے! یومِ ولادتِ نبیؐ کی تقریب کے ان لمحات میں حضورؐ کی سیرت اور پیغمبرانہ کارناموں پر ایک نظر ڈالیں۔ حضورؐ کی سیرت وشخصیت میں ہم کو بے مثل جامعیت ملتی ہے، انسانی زندگی اور اس کی ضرورتوں کے تمام ہی پہلو اس سیرتِ پاک میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس ذاتِ اقدس پر جبر و قہر اور ظلم وستم کے پہاڑ بھی گرے، آلام ومصائب کی آندھیاں اور طوفان بھی آئے، ناکامیوں کا اندھیرا بھی چھایا اور فتح وظفر کے شادیانے بھی بجے، خلوت گزین اور گوشہ نشین بھی رہے، بڑی بڑی جنگیں بھی لڑیں اور پیچیدہ سیاسی گتھیاں بھی سُلجھائیں، نجی اور خانگی زندگی کا بھی لُطف اُٹھایا اور ایک ہادی اور حق کے مبلّغ کا بھی فرض پورا کیا، نہ صرف پورا کیا بلکہ حق کی سربلندی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ نرمی اور سختی کے موقع محل کی پہچان بھی حضورؐ کو ایسی تھی کہ تاریخِ عالم کی نمایاں ترین شخصیتوں میں بھی اس کی نظیر اور مثال نہیں ملتی۔ جہاں حدودِ الٰہی کی نگہداشت اور حفاظت کی مُہم ہوتی اُن کے لئے پتھر اور فولاد سے بھی زیادہ سخت ہوجاتے اور جہاں اپنی ذات کا سوال ہوتا ریشم سے بھی زیادہ نرم ہوجاتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بدّو اونٹ کا گوشت فروخت کررہا تھا، حضورؐ کو یہ خیال تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں آپؐ نے ایک وسق (خاص وزن) چھوہاروں پر گوشت چکالیا، گھر میں آکر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے۔

Marfat.com

قصاب سے باہر تشریف لاکر فرمایا: میں نے چھوہاروں پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہیں ہیں۔ اُس نے واویلا کی اور شور مچایا کہ ہائے بددیانتی! لوگوں نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی کہ رسول اللہ بددیانتی کریں گے؟ مگر وہ شور ہی مچاتا رہا۔ آپؐ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اس کو کہنے کا حق ہے۔ پھر قصاب کی طرف متوجہ ہو کر وہی فقرہ ادا کیا۔ اُس نے پھر وہی لفظ کہے۔ لوگوں نے پھر روکا۔ آپؐ نے فرمایا: اس کو کہنے دو، اس کو کہنے کا حق ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک انصاری خاتون کے یہاں اس کو بھجوادیا کہ گوشت کی قیمت کے چھوارے وہاں سے لے لے۔ جب وہ چھوارے لے کر پلٹا تو آپؐ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس کا دل آپؐ کے حِلم وعفو، نرمی و درگزر اور حُسنِ معاملت سے اثر پذیر تھا۔ دیکھتے ہی بولا: "محمد! تم کو خدا جزائے خیر دے تم نے پوری پوری قیمت دی اور خوب دی۔" ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں۔ چند روز کے بعد وہ شخص تقاضے کو آیا۔ آپؐ نے ایک انصاری سے فرمایا: اس کا قرض ادا کردو۔ انصاری نے اس شخص کو کھجوریں دیں لیکن وہ اتنی عمدہ نہیں تھیں جیسی اُس نے دی تھیں۔ چنانچہ اس شخص نے لینے سے انکار کردیا۔ انصاری نے اس سے کہا۔ تم رسول اللہ کی دی ہوئی کھجوروں کے لینے سے انکار کرتے ہو؟ بولا ہاں! رسول اللہ انصاف نہ کریں گے تو پھر کس سے توقّع کی جائے۔ حضورؐ نے یہ جملے سنے تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا: یہ بالکل سچ ہے۔" اس طرح کے کتنے ہی واقعات ہیں جن سے اپنے ذاتی معاملات میں حضورؐ کے عفو و درگذر اور انتہا سے زیادہ نرمی اور قوتِ برداشت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اب ذرا دوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیے۔ ایک دفعہ قریش کی ایک خاتون چوری کے جُرم میں گرفتار ہوئی۔ لوگوں نے حضرت اسامہؓ کو جن سے آپؐ بیحد محبّت کرتے تھے، سفارشی بنا کر آپؐ کے پاس بھیجا۔ اسامہؓ نے موقع پاکر سفارش کرنی چاہی تو آپؐ اس سے سخت آزردہ ہوئے اور تلخی و ناگواری کے لہجے میں فرمایا۔ اُسامہ! کیا حدودِ الٰہی میں سفارش کرتے ہو؟ یاد رکھو تم سے پہلے کی قومیں اس لئے تباہ و برباد

ہوئیں کہ انہیں جب کم درجہ کے لوگ جرم کرتے تو ان کو بے محابا سزا دی جاتی اور بڑے لوگ مجرم ہوتے تو ان کے جرم کو نظر انداز کر دیا جاتا، خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو اللہ کے قانون کے مطابق اُس کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

حضورؐ نے ساری عمر کسی سے بد زبانی نہیں کی اور کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا، کبھی کسی کا سوال رد نہیں کیا، لیکن سوال کی عادت کو اچھا بھی نہیں جانا بلکہ اسکو شرفِ انسانی کی پیشانی پر ایک بدنما داغ قرار دیا۔ آپؐ کی تعلیم یہ تھی کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لا دلائے اور اسکو بیچ کر گزر بسر کرے تو یہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔ سیرتِ نبوی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ایک چادر ہے جسے آدھا بچھاتا ہوں اور آدھا اوڑھتا ہوں اور پانی پینے کا ایک پیالہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: جاؤ یہ دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ لے آیا تو حاضرین سے فرمایا: ان چیزوں کو کتنے میں خریدتے ہو؟ دونوں چیزوں کے دو درہم وصول ہوئے۔ ارشادِ مبارک ہوا۔ ایک درہم کا کھانے پینے کا سامان گھر دیدو اور ایک درہم کی رسی خریدو اور جنگل سے لکڑیاں باندھ کر لاؤ اور انہیں فروخت کرو۔ دو ہفتے کے بعد یہ صحابی جب دوبارہ حاضرِ خدمت ہوئے اور کہنے لگے۔ حضورؐ! میرے پاس اب دس درہم ہیں، تو آپؐ نے فرمایا: سوچو! یہ بہتر ہے یا یہ بہتر تھا کہ قیامت کے روز اُٹھتے تو داغِ گدائی چہرے پر لگا ہوتا۔ سبحان اللہ! کیا اندازِ تربیت ہے۔ درحقیقت یہی وہ اسلوبِ تعلیم تھا جس کے طفیل سے صحابۂ کرامؓ کی ایسی جماعت وجود میں آئی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی "اسپرٹ آف اسلام" کے مصنف سید امیر علی نے کیا خوب کہا ہے کہ ان چند برسوں نے واقعی کیسا انقلاب دیکھا تھا۔ یقیناً جنت کا کوئی فرشتہ ملک سے ہو کر گزر گیا تھا جس نے ان لوگوں کے قلوب میں محبت اور لطافت کا جادو پھونک دیا تھا جو اس وقت تک نیم درندگی کی قابلِ نفرت پستیوں میں دھنسے ہوئے تھے، لاقانونیت کا وہ جنگل جہاں تمام خدائی اور انسانی قوانین بے جھجک جھٹلائے اور توڑے جاتے تھے، گلزار بن گیا تھا۔

۱۹۷۰ء

رسولِ اکرمؐ کی انسان دوستی

چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں عرب کے قبیلے قریش کی ہاشمی شاخ کے عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھرانے سے آفتابِ رسالت اپنی شعاعوں کے جلوے بکھیرتا ہوا طلوع ہوا اور آن کی آن میں انسانی تاریخ کی رات کو دن کی روشنی میں تبدیل کردیا۔ رات کے بطن سے دن اور تاریکی کے بطن سے نور پیدا ہوتا ہے۔ اُس وقت دنیا کی یہ تاریکی اور زبوں حالی اُس کی حیاتِ تازہ کی تمہید اور پیش خیمہ تھی۔ تاریخِ تمدّن کے ایک ماہر نے اس حقیقت کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

"معلوم ہوتا تھا کہ جس عظیم الشان تہذیب کو دنیا نے چار ہزار برسوں میں تعمیر کیا تھا وہ تخریب کی آخری حد کو پہنچ گئی تھی اور گم شدہ انسانیت اُس دور کی طرف پھر لوٹنا چاہتی تھی جس میں نظم و ترتیب در شائستگی کا کوئی نشان باقی نہیں تھا، ہر قبیلہ اپنے ہمسایہ کے خون کا پیاسا رہتا تھا، پرانی قبائلی بندشیں ڈھیلی پڑ چکی تھیں اس لئے قدیم شہنشاہی طریقے بھی کارگر نہ ہوتے تھے، تہذیب کا دیو پیکر درخت جس کی شادابی عالم در کنار تھی اور جس کی شاخیں ادب اور سائنس کے بیش بہا پھل لایا کرتی تھیں اب خشک اور بے جان ہو رہا تھا اُس کے تنے کی قوتِ نمو زائل ہو چکی تھی، مسلسل جنگوں نے اس کی جڑوں کو برباد کر ڈالا تھا اور وہ محض فرسودہ رسموں اور کھوکھلے رواجوں کے سہارے کھڑا تھا، ہر وقت اس کے گر پڑنے کا خطرہ تھا، کیا اُس وقت کوئی ایسا زندہ اور جاندار تمدّن موجود تھا جس کے ذریعہ نوعِ انسانی کو ایک بار پھر یکجا کر کے بچایا جا سکتا، حقیقی ضرورت یہ تھی کہ یہ تمدّن نئے طرز کا ہو، کیونکہ پرانے تصورات اور رسومات مر چکے تھے، اب اُن کے نمونے پر دوسرے طریقے اور اصول مرتب کرنے کیلئے صدیاں

Marfat.com

درکار تھیں۔ ان اندھیریوں میں قانونِ قدرت نے ماضی کی تاریخ دُہرائی۔ دنیا اور اس کے بسنے والوں نے ایک نئی زندگی میں قدم رکھا اور خداشناسی اور انسان دوستی کے اُجڑے ہوئے چمن میں بہار آگئی —— آیئے میلادالنبی کی بابرکت یاد کے اس موقع پر حضورؐ کے پیغام کی بنیاد اور رُوح کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ دعوتِ اسلام کی بنیاد توحید یعنی خدا کی وحدانیت پر ہے جس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ نوعِ انسانی کی وحدت کا اقرار ہے یعنی یہ کہ جب تمام انسان ایک ہی ذاتِ پاک وحدہٗ لاشریک کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو پھر رنگ و نسل اور زبان و وطن کے امتیازات کی اس سے زیادہ اور کیا حیثیت ہے کہ ان کو صرف تعارف اور پہچان کا ذریعہ قرار دیا جائے، انسانی مجد و شرف میں ان کو کوئی خاص دخل نہیں حضورؐ کی معرفت وحی کا یہ اعلان بار بار پڑھنے کے لائق ہے "یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ، لیکن خدا کے یہاں زیادہ محترم اور شریف وہ ہے جو زیادہ محتاط اور پرہیزگار ہو۔ انسانی وحدت اور اخوت و مساوات کے اس تصور کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے حضور صلعم نے اس کو صرف ایک میٹھی بات اور دل پذیر و خوبصورت نصیحت ہی کا درجہ نہیں دیا بلکہ اپنے دل کش عمل کے تسلسل اور زبردست جدوجہد سے ایسے تمام احتمالات کا خاتمہ کر دیا جو کسی درجہ میں بھی وحدتِ انسانی کے رشتہ پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ مثال کے طور پر شادی بیاہ کے موقعوں پر حسب نسب کی تلاش ایک عام بات ہے حضورؐ اس انسانی کمزوری کے مکنونات سے اچھی طرح واقف تھے آپؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینب کی شادی مکّہ کے زرخرید غلام زیدؓ بن حارثہ سے کر کے مساوات اور برابری کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اسی طرح قریش کی ممتاز خاتون، ولید کی بیٹی فاطمہ کا نکاح ابوحذیفہؓ کے

Marfat.com

غلام اُسامہؓ سے کرایا۔ مدینہ کے انصار اپنی بیٹی دینے میں بہت سخت تھے یہاں تک کہ جب قریش کے رئیس ہاشم نے مدینہ کی ایک خاتون سے نکاح کی درخواست کی تو اس قبیلہ نے اِس شرط پر اجازت دی تھی کہ وہ کبھی رخصت ہو کر مکہ نہ جائے گی، اسلام میں آنے کے بعد اس قبیلہ کی ایسی کایا پلٹی کہ ایک روز مشہور صحابی حضرت بلالؓ نے مسجدِ نبوی میں اپنے بھائی کے لئے درخواست کی کہ لوگو! میں غلام ہوں حبشی ہوں، بے مایہ ہوں، اس کے باوجود بھائی کی شادی کا خواہاں ہوں تو مدینہ کے کئی معزز خاندانوں نے اُن سے رشتہ قائم کرنے کی خود پیش کش کی۔ اس کی وجہ ایک ہی تھی یعنی تمام انسانوں کا وحدت اور اکائی کی لڑی میں منسلک ہو جانا۔ یہ صرف ایک دل خوش کن نظریہ ہی نہیں تھا بلکہ ٹھوس حقیقت بن گیا تھا۔ باہمی مساوات اور عالمگیر اخوتِ انسانی کی یہی روح تھی جس کا اعلان حضورؐ نے آخری حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں کم و بیش ایک لاکھ کے مجمع میں کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا؛ لوگو! اچھی طرح سُن لو کسی عرب کے رہنے والے کو کسی عجم کے رہنے والے پر اور کسی غیر عرب کے باشندے کو کسی عرب کے رہنے والے پر (خاندانی اور نسلی اعتبار سے) کوئی برتری نہیں، تم سب ایک آدم کی اولاد ہو اور آدم کا پُتلا مٹّی سے بنا تھا۔"

اصولِ مساوات پر ایک دوسرے رُخ سے بھی نظر ڈالئے۔ حضورؐ کے زمانہ میں ایک اونچے گھرانے کی خاتون چوری کے جُرم میں گرفتار ہوئی۔ حضرت اسامہؓ کو لوگوں نے اس خیال سے سفارشی بنایا کہ آنحضرتؐ کو ان سے غیر معمولی تعلق تھا اور اس وجہ سے ان کی سفارش کا آپؐ کو زیادہ لحاظ ہوگا، لیکن اُسامہ نے سفارش کی تو آپ نے تلخ و تُرش لہجہ میں فرمایا۔" اُسامہ! کیا حدودِ الٰہی میں سفارش کرتے ہو؟ اس کے بعد آپؐ نے مجمعِ عام کو مخاطب کیا اور فرمایا۔ لوگو! تم سے پہلے بہت سی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ ان کا طریقہ یہ ہو گیا تھا کہ کوئی بڑا آدمی جُرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور کم درجہ کا شخص مجرم ہوتا تو اُس کو سزا دیتے۔ ربِّ محمد کی قسم! اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اُس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔"

Marfat.com

اب اس تعلیم اور عمل کی روشنی میں حضورؐ کی انسان دوستی کی ایک خاص اثر انگیز مثال ملاحظہ فرمائیے اور اس بے مثال محبِ انسانیت کی زندگی اور اسوۂ حسنہ سے سبق حاصل کیجیے۔

نبوت کے ساتویں سال دشمنوں نے حضورؐ کے خاندان کو شعبِ ابوطالب میں محصور کر دیا تھا اور مکہ کے تمام قبیلوں نے مل کر یہ معاہدہ کیا تھا کہ خاندان بنی ہاشم کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور جب تک یہ محمدؐ کو قتل کر دینے کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں اس سے تمام علائق و روابط ختم کر دیے جائیں، کوئی شخص اُن سے نہ تو قرابت اور بیاہ شادی کا تعلق رکھے، نہ خرید و فروخت اور لین دین کا، اور کھانے پینے کی بھی کوئی چیز اُن تک نہ پہنچے۔ معاہدے کی تمام دفعات خانۂ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کر دی گئی تھیں۔ قبائلی نظامِ حکومت کے اعتبار سے یہ فیصلہ نہایت ہی سنگین اور بے رحمانہ تھا۔ پورا مکّہ ایک جانب تھا اور خاندان بنی ہاشم کا یہ مختصر سا بے یار و مددگار قافلہ دوسری جانب۔ تین سال تک یہ خاندان اس گھاٹی میں محصور اور نظر بند رہا۔ آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھیوں اور افرادِ خاندان نے درختوں کے پتّے چبا چبا کر اور سوکھے چمڑے اُبال اُبال کر وقت گزارا۔ معصوم بچّے بلک بلک کر روتے تو اُن کی آہ و بُکا سے وادیٔ مکہ کا دل ہل جاتا تھا مگر قریشِ مکّہ اس پر قہقہے لگاتے ہوئے گزر جاتے تھے کہ ان کی تدبیر کارگر ہو رہی ہے اور بائیکاٹ کا نتیجہ جلد نکلے گا۔ حضورؐ اور حضورؐ کے خاندان پر یہ قیامت گزر رہی تھی کہ قدرت نے مکّہ والوں کو خشک سالی اور قحط میں مبتلا کر دیا۔ بارش کے آثار کہیں دُور دُور بھی نہیں تھے اور اس وقت کے حالات میں بارش کے علاوہ قحط دُور ہونے کا کوئی اور طریقہ بھی نہیں تھا۔ قریش کے سرگروہ ابوسفیان بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا: دیکھئے! آپ لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہیں، اس وقت مکّہ والے ہلاکت و بربادی کے کنارے پر کھڑے ہیں ان کے لئے دُعا کر دیجیے۔ یہ دردمند دل جس میں خدا کے ہر بندے کے لئے رحمت و رافت

Marfat.com

کے چشمے اُبل رہے تھے اسی وقت دعا میں مصروف ہو گیا۔ دعا قبول ہوئی اور خوب پانی برسا۔ مکّہ سیراب ہو گیا اور قحط سالی دُور ہو گئی۔ لیکن جس کی برکت سے یہ سب کچھ ہوا تھا وہ بدستور نظر بندی اور سوشل بائیکاٹ کے مصائب برداشت کر رہا تھا۔ یہ تو مکہ کی مجبُور و مقہور زندگی کا واقعہ تھا۔ حضورؐ جب مدینہ پہنچ گئے تو نجد کے ایک سردار شمامہ نے وہ غلّہ جو نجد سے مکّہ آتا تھا اس لئے بند کر دیا کہ مکّہ والے حضورؐ کے دشمن ہیں اُن کو یہ سزا ملنی ہی چاہیئے، مگر رحمتِ عالم کو اس کی خبر ہوئی تو اس بندش اور بائیکاٹ کی ممانعت فرما دی۔ پیغامِ محمدی میں ایمان کا مدار خدا سے سچی محبّت پر ہے، مگر یہ محبّت بھی خدا کے بندوں کی خدمت اور محبّت ہی میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ خدا سے محبّت کرے اس کو چاہیئے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔

اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ ، يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ

زمین پر بسنے والوں سے رحمت و شفقت کا برتاؤ کرو، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خدا تم پر مہربان ہو گا۔

جون ۱۹۶۷ء

رسولِ خدا کا پیغام و کردار

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا دن اپنی اہمیت و عظمت کے لحاظ سے کائناتِ انسانی کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ آپ کی ولادتِ مبارک کی یاد کے ساتھ دنیا کی ایک ایسی تاریخ سامنے آجاتی ہے جس نے پورے مزاجِ انسانی پر انقلاب انگیز اثر ڈالا، بگڑی ہوئی انسانیت کے جسمِ بے جان میں معرفتِ حق اور علم و حکمت کی روح پھونک دی اور دنیا کو جدید اصول اور انقلابی نظریوں سے نہ صرف باخبر کیا بلکہ غور و فکر کا انداز ہی یکسر بدل دیا۔ اسی دن کی نُورانی ساعتوں میں فضائے کائنات توحیدِ حقیقی کے نغموں سے معمور ہوئی۔ جہالت و گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہوئے انسانوں نے معبودِ برحق کو پہچاننے کا سبق سیکھا اور مساوات و اُخوتِ انسانی کی بُنیادیں مضبوط و مستحکم ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا کے چپے چپے کی جو حالت تھی اس کے بیان کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ معمورۂ عالم کے صفحات نقشہائے باطل سے ڈھک چکے تھے۔ پاکبازی اور نیک عملی کے درخت بے جان ہو کر مُرجھا گئے تھے۔ غیرت و حمیّت اور عدل و انصاف کی کھیتیاں سُوکھ کر ظلم و جبر، بے حیائی و بے غیرتی اور فحاشی و عیش پرستی کے ویرانوں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ پیغمبروں کی لائی ہوئی ہدایت و صداقت گم ہو چکی تھی، اور خالق و مخلوق کے باہمی رشتے کے تمام تار کٹ چکے تھے۔ انہی ظلمتوں اور اندھیریوں میں "حرا" کے خلوت کدۂ راز و نیاز سے ایک روشنی چمکی، آفتابِ رسالت اپنی شعاعوں کے جلوے بکھیرتا ہوا افقِ ہدایت سے نمودار ہوا اور انسانیت و روحانیت

Marfat.com

کے اُجڑے ہوئے چمن کو سرسبز و شاداب کرتا چلا گیا۔

سفارتِ حبش کے رئیس کی حیثیت سے حضرت جعفر طیارؓ نے جو ولولہ انگیز تقریر کی تھی اُس میں ان حقائق کو یوں ظاہر کیا تھا:

"بادشاہ! ہم پر ایک طویل زمانہ اس طرح گذرا کہ ہم ایک جاہل قوم تھے۔ مُردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں پر ظلم توڑتے تھے، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، غرضکہ ہمارے عقیدوں اور عمل کی پوری دنیا ویران ہو چکی تھی، یہاں تک کہ ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت، صداقت اور امانت سے ہم پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو حق کی طرف بُلایا اور یہ سکھایا کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں، سچ کو اپنا شعار بنائیں، لڑائی جھگڑوں سے باز آئیں، ہمسایوں کا حق پہچانیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، نیک چلن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں، روزہ رکھیں۔

ہم نے آپؐ کی پکار سُنی، آپؐ کے پیغام پر ایمان لے آئے اور تمام بُرے کاموں کو چھوڑ دیا۔ یہ ہے ہمارا جرم جس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور مجبور کرتی ہے کہ پھر اُسی بُرائی کی طرف لوٹ آئیں۔"

حضرت جعفرؓ کی یہ ایمان افروز تقریر سُن کر اصحمہ شاہ حبشہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا جو کلام تمہارے پیغمبرؐ پر اُترا ہے وہ کہیں سے پڑھو۔ جعفرؓ نے سورۂ مریم کی کچھ آیتیں پڑھیں جن کو سُن کر بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور کہنے لگا "خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل ایک ہی چراغ کے نُور ہیں۔"

آیئے! ربیع الاوّل کے اِن برگزیدہ لمحات میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور تعلیم کی حقیقی رُوح سمجھنے کی کوشش کریں۔ سب سے پہلی چیز جس سے پیغامِ محمدی نے نقاب اُٹھایا کائنات میں انسانیت کا درجہ و مرتبہ ہے۔ انسان اکثر مخلوقات سے اپنے کو کم رُتبہ جانتا تھا، وہ سخت اور خوبصورت پتّھروں، اُونچے پہاڑوں، بہتے دریاؤں،

Marfat.com

شاداب اور سایہ دار درختوں، زہریلے سانپوں، ڈراؤنے جنگلوں غرضکہ دنیا کی ہر اُس چیز کے آگے جس سے نفع کا خواہشمند تھا یا جس سے ڈرتا تھا، سرِ عبودیت جُھکا دیتا تھا۔ حضورؐ نے دنیا کے ان رہنے والوں کو بتایا: بے خبر انسانو! یہ چیزیں تمہاری آقا نہیں، تم ان کے آقا ہو، تم ان کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، وہ تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں، وہ تمہارے آگے جُھکی ہیں، تم اُن کے آگے کیوں جُھکتے ہو؟ اولادِ آدم! تم اس کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو، اس لئے یہ کائنات تمہارے حُکم کے تابع ہے۔ یعنی یہ کہ انسان کائناتِ ارضی کا سرتاج ہے، اس کو خلعتِ خلافت سے نوازا گیا ہے، یہی مقصودِ کائنات ہے، پھر اس کو کیا ہو گیا ہے کہ اسی کائنات کے کسی منظر اور اسی جہان کی کسی مخلوق کے آگے سر جھکاتا ہے۔ اس پیغام نے انسانیت کا درجہ اتنا اونچا کر دیا کہ اس کی پیشانی خدا کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھک سکتی اور اُس کے ہاتھ اس کے سوا کسی کے آگے نہیں پھیل سکتے۔

پیغامِ محمدی میں خدا کے ساتھ کوئی قیصر نہیں ہے، جو کچھ ہے اسی خدا کا ہے قیصر کا کچھ نہیں، اُسی کی فرمانروائی ہے جو عرش سے فرش تک جاری و ساری ہے۔ اسی کے ساتھ آپؐ نے بشارت دی کہ انسانیت اپنی اصل خلقت میں بے گناہ اور معصوم ہے، وہ موروثی اور پیدائشی گناہ سے پاک ہے۔ خود انسان ہی ہے جو اپنے نیک اور بد عمل سے فرشتہ یا شیطان بنتا ہے، اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور آئینے کی طرح صاف و شفّاف ہے، وہ اس لوح پر اپنے عمل سے اچھے یا بُرے نقش بناتا ہے۔ — آپؐ کا پیغام تمام دنیا کے انسانوں کے لئے عام ہے۔ اس میں عرب و عجم، ایران و توران، ہند و چین، زنگ و فرنگ، کالے، گورے، ترکی و تاتاری اور یونانی و رومی کی کوئی تخصیص نہیں، اسلام کا خدا تمام دنیا کا خدا اور تمام عالَم کا پروردگار ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اس کی نگاہِ ربوبیت میں سب برابر ہیں،

Marfat.com

اس میں نہ عرب و فلسطین کی خصوصیت ہے، نہ ایران و ہندوستان کی، ہر جگہ اس کے پیغامبر آئے اور ہر خطۂ ارض پر اس کا نور چمکا۔ اسی تعلیم کا یہ نتیجہ ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک دنیا کے تمام ہادیوں اور پیغمبروں پر اور تمام آسمانی کتابوں اور الہاموں پر یقین نہ رکھے۔

یہ روحانی اور ایمانی مساوات اور تمام سچے مذہبوں اور رہنماؤں کے ساتھ یہ سچا ادب اور تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی عدیم المثال خصوصیت ہے سچ تو یہ ہے حضورؐ تمام دنیا کے لئے اخلاق اور روحانیت کے نئے سرچشمے کھول گئے ہیں اور وہ مسلک عطا فرما گئے ہیں جس کی روح باہمی مساوات، باہمی تعاون اور عالمگیر اخوّت ہے، آپؐ نے آخری حج کے موقع پر عرفات کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر کم و بیش ایک لاکھ کے مجمع میں جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور جس میں شریعت و اخلاق کے تمام اصولِ اساسی کا اعلان کیا گیا تھا اس کا ایک مہتم بالشان ٹکڑا یہی تھا۔ آپؐ نے فرمایا، "لوگو! اچھی طرح سن لو کہ کسی عرب کے رہنے والے کو کسی عجم کے باشندے پر اور کسی عجم کے رہنے والے کو کسی عرب کے باشندے پر (خاندانی اور نسلی اعتبار سے) کوئی برتری اور امتیاز نہیں، تم سب ایک آدم کی اولاد ہو اور آدم کا پُتلا مٹی سے بنا تھا"۔ آپؐ نے اپنی تعلیم کا فکری اور خیالی نقشہ ہی پیش نہیں کیا بلکہ اس نقشہ پر ایک ایسی جماعت اور سوسائٹی تیار کر دی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ چند سال کی مختصر مدّت میں لاکھوں جاں نثار آپؐ کی تعلیم اور اخلاقی کمالات کے امین بن گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ تعلیم و تربیت کے جو اصول آپؐ نے سکھائے تھے، اُن پر کتنی پاکیزہ، کتنی بلند اور کتنی صالح زندگی بنتی ہے، اسی تربیت کا اثر تھا کہ غلام آقا بن گئے، حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ نے حضرت بلال حبشی رضؓ کو آقا کہہ کر پکارا اور سلمان و صُہیب قریش کے بڑے بڑے رئیسوں

کے ہم رُتبہ سمجھے گئے۔

ایک اونچے گھرانے کی عورت چوری کے جُرم میں پکڑی گئی۔ حضرت اسامہ رضؓ جن سے حضورؐ کو غیر معمولی تعلق تھا لوگوں نے اس خیال سے ان کو سفارشی بنایا کہ حضورؐ کو اُن کی بات کا زیادہ پاس ہوگا لیکن آپؐ نے ناگواری کے لہجہ میں فرمایا اُسامہ! کیا حدودِ الٰہی میں سفارش کرتے ہو؟ اس کے بعد آپؐ نے مجمع کو مخاطب کیا اور فرمایا " لوگو! تم سے پہلے بہت سی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں ——————— کہ اُن کا طریقہ یہ ہو گیا تھا کہ کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور کم درجہ کا آدمی مجرم ہوتا تو اس کو سزا دیتے۔ ربِّ محمد کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اسؔ کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔" آپؐ جس بات کی تعلیم دیتے تھے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھاتے تھے، مجمعِ عام میں جو کچھ فرماتے گھر کی تنہائی میں اس سے بڑھ کر نظر آتے اور اخلاق و کردار کا جو نکتہ دوسروں کو سکھاتے پہلے خود اس کا مکمل نمونہ بن جاتے۔ آپؐ نے لوگوں کو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم دیا مگر خود آپؐ کی کیفیت یہ تھی کہ آٹھ وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ نماز فرض ہونے کے بعد تہجد کی نماز عام مسلمانوں پر نہیں رہی تھی مگر آپؐ یہ نمازیں تمام عمر ادا فرماتے رہے اور اس طرح ادا فرماتے رہے کہ کھڑے کھڑے پائے مبارک پر ورم آجاتا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ عرض کرتیں۔ حضورؐ! اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف کردی ہیں پھر آپؐ اس قدر تعب کیوں اُٹھاتے ہیں؟ آنحضرتؐ جواب میں فرماتے " عائشہؓ! کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔" آپ نے روزوں کا حکم دیا اور عام مسلمانوں پر سال میں تیس روزے فرض ہوئے مگر آپؐ کی حالت یہ تھی کہ کوئی مہینہ اور کوئی ہفتہ روزوں سے خالی نہ جاتا۔ انہی صدیقہ عائشہ رضؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ جب روزے رکھتے تو یوں معلوم ہوا کرتا تھا کہ اب آپؐ کبھی افطار ہی نہ

Marfat.com

کریں گے،" روزے ہی رکھتے رہیں گے۔ آپؐ نے عام لوگوں کو زکوٰۃ وخیرات کا حکم دیا جس کے معنی یہ تھے کہ اپنی کمائی کا کچھ حصّہ ضرورت مندوں کو دے کر خدا کا حق ادا کیا جائے مگر خود آپؐ کا عمل یہ تھا کہ جو آیا خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپؐ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ سب سے زیادہ سخاوت ماہِ رمضان المبارک میں فرمایا کرتے تھے۔ اور آپؐ نے تمام عمر کسی سوال کے جواب میں "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا۔ حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں رات کو آپؐ کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہا تھا۔ راہ چلتے آپؐ نے فرمایا: ابوذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے۔ آپؐ نے زہد وقناعت کی تعلیم بھی ایک خاص متوازن قالب میں دی۔ ساتھ ہی آپؐ کے طرزِ زندگی کا عملی نقشہ یہ تھا، رہائش کے لئے ایک حجرہ جس میں کچّی دیوار اور کھجور کے پتّوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی۔ آپؐ اکثر فرماتے کہ انسان کے لئے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے جس قدر ایک مسافر کے لئے زادِ راہ، اس قول کے ساتھ عمل مبارک یہ تھا کہ ایک دفعہ کچھ خدّام حاضرِ خدمت ہوئے تو دیکھا کہ دونوں جہان کے سردار کے پہلو میں چٹائی کے نشانات پڑ گئے ہیں۔ جاں نثاروں نے عرض کیا حضورؐ! ہم ایک نرم گدّا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: مجھ کو دنیا سے کیا غرض، مجھے تو دنیا سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا اُس سوار کو جو راستہ چلتے کچھ دیر کے لئے کسی سایہ میں آرام کرتا ہے۔

بے شمار درود وسلام اُس ذاتِ گرامی پر جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

۷، اکتوبر ۱۹۵۷ء

Marfat.com

رسولِ خدا کا کردار و اخلاق

دنیا وجود میں آئی تو اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے خدائے بزرگ و برتر نے اپنے پاکیزہ اور بلند کردار بندے بھی بھیجے۔ انھیں ہستیوں کو پیغمبر اور نبی و رسول کہا جاتا ہے۔ یہ برگزیدہ انسان خدا کی تعلیم اور منشار کو دوسرے انسانوں تک پہنچانے کا اہم اور نازک فرض انجام دیتے ہیں۔ دنیا میں نیکی اور پاکیزگی کی جو شعاعیں پھیلی ہوئی ہیں وہ اللہ تعالےٰ کے انھی بھیجے ہوئے رسولوں کا صدقہ ہے فلسفیوں اور دانشوروں نے اپنی قوتِ فکر اور عقلِ رسا سے اگرچہ انسانی زندگی کی بڑی بڑی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کی ہے، مگر حق یہ ہے کہ وہ اعلیٰ اخلاق و کردار اور انسانیت کے نظامِ رشد و ہدایت کا کوئی عملی نقشہ اس لئے پیش نہیں کرسکے کہ ان کی نکتہ سنجیوں اور بلند خیالیوں کے پیچھے جوشِ عمل اور حسنِ کردار کا کوئی قابلِ ذکر نمونہ نہیں تھا۔ فکری حیثیت سے نہیں عملی حیثیت سے کائناتِ انسانی کے سرمایہ میں کامیاب اور پرمسرت زندگی کے جو اثرات و نتائج پائے جاتے ہیں وہ اسی مقدس گروہ کی جد و جہد کی برکتیں ہیں — رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبروں کی اس جماعت کے سردار ہیں اس لئے قدرتی طور پر آپؐ کے کردار اور حُسنِ عمل کا قالب بھی نہ صرف دل آویز و مکمل ہے بلکہ انسانی فطرت کے جلوۂ صد رنگ کا عجیب و غریب منظر ہے۔ آیئے! یومِ ولادت کی تقریب کی ان متبرک اور نورانی ساعتوں میں حضورؐ کے پیغمبرانہ اخلاق و کردار پر ایک ہلکی سی نظر ڈالیں۔

حضورؐ کی شخصیت میں ہم کو بے مثال جامعیّت اور ہمہ گیری ملتی ہے۔ اور

Marfat.com

آپؐ کی سیرت میں زندگی اور اس کی ضرورتوں کے تمام ہی گوشے اُبھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپؐ کی زندگی میں ظلم و جبر کے پہاڑ بھی ٹوٹے، آزمائشوں اور مصیبتوں کی آندھیاں بھی آئیں، ناکامیوں کا اندھیرا بھی چھایا اور فتح مندیوں کے شادیانے بھی بجے، جنگیں بھی لڑیں اور صلح و سلام کے عہدنامے بھی کئے، دن دن بھر روزے بھی رکھے اور رات رات بھر نمازیں بھی پڑھیں۔ غارِ حرا میں خلوت گزیں بھی رہے اور بڑی بڑی سیاسی گتھیاں بھی سُلجھائیں، خانگی زندگی کا بھی لُطف اُٹھایا اور حق کے ہادی اور مبلغ کا بھی فرض انجام دیا۔ کہاں نرمی سے کام لینا چاہیئے، کہاں سختی سے، اس کے موقع محل کی پہچان بھی حضورؐ کو ایسی تھی کہ تاریخِ عالم کی بڑی بڑی شخصیتوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جہاں حدودِ الٰہی کی حفاظت کا مرحلہ ہوتا ان کی حفاظت کے لئے فولاد سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے اور جہاں اپنی ذات کا سوال ہوتا ریشم سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے۔ ایک دفعہ مسجدِ نبوی میں ایک بے پڑھا لکھا گاؤں کا آدمی آیا، اسے پیشاب کی ضرورت ہوئی تو وہیں مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہؓ نے یہ دیکھا تو چاروں طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے آپؐ نے ان کو سختی سے روکا اور فرمایا "اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ" یعنی تم نرمی کے لئے بھیجے گئے ہو، سختی اور درشتی کے لئے نہیں۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اس کو پانی سے بہادو۔ اس کے بعد آپؐ نے اس بدوی کو بُلا کر سمجھایا کہ مسجد عبادت کی جگہ ہے یہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔

حضورؐ نے ساری عمر کسی سے بدزبانی نہیں کی، مدت العمر کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا، کبھی کسی کا سوال رد نہیں کیا مگر سوال کی عادت کو اچھا بھی نہیں جانا۔ آپ کی تعلیم یہ تھی کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لا دلائے اور اس کو بیچ کر گزارہ کرے تو یہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ

Marfat.com

کسی نے حضورؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟
اس شخص نے جواب دیا ایک چادر ہے جسے آدھا بچھاتا ہوں اور آدھا اوڑھتا ہوں
اور پانی پینے کا ایک پیالہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: یہ دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ لے
آئے تو حاضرین سے فرمایا: کتنے میں خریدتے ہو۔ دونوں چیزوں کے دو درہم وصول
ہوئے۔ ارشاد ہوا۔ ایک درہم کا کھانے پینے کا سامان گھر پہنچا دو اور ایک درہم کی
رسی خریدو اور جنگل سے لکڑیاں باندھ کر لاؤ اور انھیں فروخت کرو۔ دو ہفتے
کے بعد یہ صحابی جب دوبارہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اب میرے پاس دس
درہم ہیں تو حضورؐ نے فرمایا: سوچو یہ اچھا ہے یا وہ اچھا تھا کہ قیامت کے دن اُٹھتے
تو گدائی کا داغ چہرے پر لگا ہوتا۔ حضورؐ جب کسی سے بیعت لیتے تھے تو دوسری
باتوں کے ساتھ یہ بھی فرماتے تھے "لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا"۔ ایک دفعہ
ایک صحابی حکیم بن حزام سے فرمایا "حکیم! استغنا میں برکت ہے اور حرص وطمع
میں محرومی، حرص وطمع کی مثال ایسی ہے کہ کوئی کھائے چلا جائے اور کسی طرح
اُس کا پیٹ نہ بھرے۔ یاد رکھو! دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ سب
مل کر کام کرتے تو حضورؐ ان کے ساتھ برابر کے شریک رہتے تھے"۔ یہاں تک کہ
حضورؐ کو یہ بات بھی ناپسند تھی کہ خود سوار ہوں اور ساتھی پیدل چلیں۔ ایک مُہم
میں سواریوں کی کمی تھی۔ طے پایا کہ تین آدمی باری باری ایک اونٹ کی سواری
لیں۔ حضورؐ نے اپنے ساتھ بھی دو آدمیوں کو شریک کیا، جب ان لوگوں کی باری
آئی تو انھوں نے اپنی باری چھوڑنی چاہی، حضورؐ نے فرمایا: تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا
نہیں چل سکتے اور میں ثواب کا بھی تم سے کم حاجت مند نہیں ہوں۔ اللہ کو وہ شخص
بُرا لگتا ہے جو ہمراہیوں میں نمایاں ہونے اور ممتاز بننے کی کوشش کرے۔ ایک دفعہ
حضورؐ وضو فرما رہے تھے۔ بعض صحابہ نے یہ کیا کہ وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیا۔

Marfat.com

اپنے ہاتھوں میں لے کر منہ پر مل لیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: یہ کیا کر رہے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت حاصل کرنے کے لئے ایسا کر رہے ہیں، ارشاد ہوا، اللہ اور اللہ کے رسول کی محبّت حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں، سچ بولا کرو، امین بنو اور پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرو، اللہ اور اس کے رسول کی محبت حاصل کرنے کا یہی راستہ ہے۔

دراصل یہی وہ عظیم الشان اسلوبِ تعلیم و تربیت ہے جس کے طفیل اصحابِ کرام کی ایسی سوسائٹی وجود میں آئی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک مختصر سی مدت میں لاکھوں جاں نثار آپؐ کے اخلاقی کمالات کے امین بن گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ تعلیم و تربیت کے اصول کا جو نقشہ آپؐ نے بنایا تھا اُس پر کتنی پاکیزہ اور کتنی دلکش زندگی بنتی ہے۔ اندازِ تربیت کا ایک اور رُخ بھی دیکھتے چلیئے! اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو عزم و استقلال اور صبر و رضا کا پیکر بنایا تھا۔ قیامِ مکّہ کے یاس انگیز دور میں حالات کی تلخیوں اور ناگواریوں کے اثر سے بعض ساتھیوں کی زبان پر کچھ مایوسی کے الفاظ آگئے۔ یہ الفاظ سُن کر حضورؐ کا چہرۂ انور غصّہ سے سُرخ ہوگیا۔ فرمایا: کیا کہتے ہو، تم سے پہلے ایسے بھی حق پرست گزرے ہیں جن کو آروں سے چیر اگیا اور ان کی کھالیں نوچی گئی ہیں، یقین کرو حق ایک دن کامیاب ہوگا اور صفا اور حضر موت کے درمیان کا سا پُر خطر راستہ ایک شخص تنِ تنہا اس طرح طے کرے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا کوئی خوف نہ ہوگا ؎

وہ دانائے سُبل ختم الرسلؐ مولائے کُل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر — وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

۸ ستمبر ۱۹۶۰ء

Marfat.com

یومِ پیدائش نبیؐ

آج سرورِ کائنات کی ولادتِ باسعادت کا دن ہے۔ یہ دن کائناتِ انسانی کی تاریخ میں بے مثال اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ آنحضرتؐ کی ولادتِ مبارک کی یاد کے ساتھ ہی دنیا کی ایک ایسی تاریخ سامنے آجاتی ہے جس نے پورے مزاجِ انسانی کی کایا پلٹ کر رکھ دی، بگڑی ہوئی انسانیت پر علم و حکمت اور معرفتِ حق کی راہیں کھول دیں اور غور و فکر کی دنیا کو نئے اصول اور نئے نظریوں سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ تدبّر و تفکّر کا سانچہ ہی یکسر بدل دیا۔ اسی دن کی ساعتوں میں معمورۂ عالم کے بکھرے ہوئے ذرّوں نے وحدانیت کے نغمے گائے، بھٹکے ہوئے انسانوں نے معبودِ حقیقی کو پہچاننے کا سبق سیکھا اور انسانی اخوّت و مساوات کی بنیاد استوار ہوئی۔

حضورؐ کے تشریف لانے سے پہلے دنیا کی جو حالت تھی اس کو الفاظ کے قالب میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ فضائے عالم پر گمراہی کی بھیانک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس فرشِ زمین پر آفتابِ رُشد ہدایت کبھی طلوع ہی نہیں ہوا تھا، خالق اور مخلوق کے باہمی رشتے کا کوئی تار ہی باقی نہ رہا تھا، رُوحِ انسانی کی ملکوتی طاقت جذباتِ نفسانی کے سامنے پامال ہوچکی تھی، جامۂ آدمیت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے تھے، عام کُشت و خون اور ظلم و ستم کا بازار گرم تھا اور کہیں دور دور بھی سچائی کی روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ اِن گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں قدرت کے قانونِ ہدایت و ضلالت نے ماضی کی تاریخ دُہرائی۔ آفتابِ نبوّت اپنی سنہری کرنیں بکھیرتا ہوا اُفقِ سعادت سے نمودار ہوا، روحانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہانے لگیں، خدا شناسی کے اُجڑے

Marfat.com

ہوئے باغ میں بہار آگئی اور دنیا کا یہ ظلمت کدہ حق و صداقت، عدل و انصاف اور خدا ترسی و خدا پرستی کے نُور سے جگمگانے لگا۔

اِس حقیقت کو مشہور صحابی حضرت علی رضؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ نے رئیس وفد کی حیثیت سے حبش کے بادشاہ نجاشی کے سامنے یوں ظاہر کیا تھا:

"بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے، مُردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں پر ظلم توڑتے تھے، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، ہمارے عقیدے اور عمل کی پوری دنیا ویران ہو چکی تھی، یہاں تک کہ ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت، صداقت، امانت اور معاملہ داری سے ہم پہلے سے واقف تھے، اس نے ہم کو حق کی طرف بُلایا اور یہ سکھایا کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں، سچ بولیں، لڑائی جھگڑوں سے باز آئیں، ہمسایوں کا حق پہچانیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، نیک چلن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، زکوٰۃ دیں۔ ہم نے آپؐ کی پکار سُنی اور آپ کے پیغام پر ایمان لے آئے اور تمام بُرے کاموں کو چھوڑ دیا، یہ ہے ہمارا جرم جس پر ہماری ہی قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور مجبور کرتی ہے کہ پھر اسی بُرائی کی طرف لوٹ آئیں۔"

جعفرؓ طیار کی یہ صاف و شفّاف اور ولولہ انگیز تقریر سن کر شاہِ حبش نے کہا: "اللہ تعالیٰ کا جو کلام تمہارے پیغمبر پر اُترا ہے وہ کہیں سے پڑھو۔" حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں جن کو سُن کر بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہنے لگا "خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کا نور اور عکس ہیں!"

آیئے! چند لمحوں کے لئے ہر خیال سے الگ ہو کر سرورِ عالم کے عالمگیر مشن کی روح سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپؐ کی تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا

تعلّق کسی خاص طبقے سے نہیں تمام کائناتِ انسانی سے ہے۔ چنانچہ دوسری باتوں کے علاوہ آپؐ نے برملا یہ اعلان کیا کہ ہر انسان موروثی گناہ سے پاک ہے، اُس کی فطرتِ سادہ معزّز و مکرم ہے، قدرت کی جانب سے اعزاز و احترام کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے۔ وطن، نسل، قبیلہ، رنگ اور زبان کے تفرقے بے حقیقت ہیں، امتیاز صرف اچھے کردار اور نیک عملی کے لئے ہے، تمام انسان بھائی بھائی ہیں اور وحدتِ انسانی کے قدرتی رشتے میں بندھے ہوئے۔ "کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت اور برتری نہیں، سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں"، ہر شخص اپنے ضمیر، عقیدے اور مذہب میں آزاد ہے، دین اور مذہب کی پسند میں کسی پر کوئی زبردستی نہیں، عقلی اور تہذیبی ترقی کی راہیں ہر ایک کے لئے کھلی ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام نبی اور رسول برحق ہیں، ان کے درمیان کوئی امتیاز اور تفریق نہیں، خواہ وہ سرزمینِ عرب میں بھیجے گئے ہوں یا کسی عجمی ملک میں۔ ان پر اور ان کے پیغام کی صداقت پر ایمان لانا اسلام میں داخل ہونے کی اوّلین شرط ہے۔

آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ہی نہیں تمام انسانوں کے لئے بلکہ ساری کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ وحیِ الٰہی نے بے جھجک اعلان کیا:

"اے پیغمبر! ہم نے تمہیں پوری کائنات کے لئے آفتابِ رحمت بنا کر بھیجا ہے!"

چنانچہ آپؐ کی پوری زندگی اسی رافت و رحمت کے سانچے میں ڈھل گئی تھی اور کسی نازک سے نازک مرحلے پر بھی آپؐ کی شانِ رحمۃٌ للعالمینی میں فرق نہیں آتا تھا۔ طائف کا واقعہ عہدِ نبوّت کا نہایت مشہور اور عبرت آموز واقعہ ہے۔ اس بد قسمت بستی کے رہنے والوں نے نہ صرف یہ کہ آپؐ کو پناہ نہیں دی بلکہ آپؐ کے خلاف شہر کے اوباشوں کو خوب خوب اُبھارا، بالآخر شریروں کا یہ گروہ راستہ پر دو رویہ کھڑا ہو گیا

Marfat.com

اور جب آپؐ درمیان سے گزرے تو دونوں طرف سے پتھر برسائے یہاں تک کہ قدمِ مبارک زخمی ہو گئے اور جوتیاں خون سے بھر گئیں، آپؐ جب تھک کر بیٹھ جاتے تو شریر آپؐ کے بازو پکڑ کے اُٹھاتے، جب چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، یہی نہیں دوسرے طریقوں سے بھی آپؐ کو نہایت شدید اور مکروہ قسم کی ایذائیں پہنچائی گئیں۔ اُس دن کی روحانی تکلیف اور جسمانی ایذا رسانیوں کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نو ۹ سال کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا "حضورؐ! تمام عمر میں آپؐ پر سب سے زیادہ سخت دن کون سا آیا تو آپؐ نے طائف کے اسی دن کا ذکر کیا لیکن اسی روز جب آپؐ کے چہیتے ساتھی حضرت زیدؓ نے یہ عرض کیا "یا رسول اللہ! آپؐ ان لوگوں کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے" تو آپؐ کے تیور بدل گئے۔ فرمایا "ہرگز نہیں، میں دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں" اس کے بعد یہ دعا فرمائی "خدایا میری قوم کو ہدایت دے وہ بھلے بُرے کو نہیں پہچانتی"

آخر میں ایک مشہور ہندو پروفیسر کی تقریر کا ایک حصہ بھی سُنتے جایئے اس سے اندازہ ہو گا کہ غیر مسلم بھی آنحضرتؐ کے مشن، آپؐ کی شخصیت اور پیغام کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے کہا:

"حضرت محمدؐ نے انسانیت کو اونچی قدریں اس وقت دیں جب انسانیت دنیا سے ناپید ہو چکی تھی۔ حضرت محمدؐ کا اجتماعیت پر بہت بڑا احسان ہے لیکن مسلمانوں نے ان کی پیروی سے دُور ہو کر خود ان کی تعلیمات پر پردہ ڈال دیا ہے، ان کی تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت مساوات تھی، قبیلہ بندیوں اور فرقہ واریت کی انھوں نے سخت مخالفت کی۔ مسلمانوں نے قرآن سمجھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کو غلاف میں ڈھانک کر چُومتے رہے۔

مسلمانوں پر اسلام کی بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ غیر مسلم تو مسلمانوں کے کردار سے اسلام

Marfat.com

کو سمجھ سکتے ہیں، کتابوں سے نہیں، آج کے مبارک دن ہمیں اپنے آپ کو ٹٹولنا چاہیئے کہ ہم یہ جنم دن منانے کے قابل ہیں یا نہیں۔ آپؐ نے قرآن مجید کی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا: "انسان اِس زمین پر خدا کا خلیفہ ہے۔" اصولی زندگی گزارنا۔ یہی اسلام ہے اور وہی شخص خلیفۃ اللہ ہو سکتا ہے جو اللہ کے قوانین کی پابندی میں تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرنے کے قابل ہو۔ حضرت محمدؐ کا نام مِٹانے والے خود مِٹ گئے لیکن آج دنیا کا گوشہ گوشہ آپؐ کے نام سے دن میں پانچ دفعہ گونجتا ہے۔ مسلمانوں میں سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قول اور فعل میں یکسانیت کے بجائے تضاد پیدا کر لیا ہے۔ غلام محمد نام ہوتا ہے مگر وہ شخص محمد کا نہیں کسی اور کا غلام ہوتا ہے، اسلام نے عیش پرستی کو منع کیا ہے اس لئے کہ یہ قوموں کے زوال کا پیش خیمہ ہوتی ہے، آپؐ نے زکوٰۃ کی اہمیت پر خاص طور سے زور دیا۔ آخر میں درخواست کی کہ عقیدت کے پھول مرجھائے ہوئے نہیں پیش کئے جاتے۔ آج کے مبارک دن ہم حضرتؐ کے لئے اپنے پاکیزہ دل پیش کریں اور عہد کریں کہ آنے والے یومِ رحمۃ للعالمینؐ تک اپنا کیرکٹر اسلامی بنائیں گے، ذہنی پستی دُور کریں گے، کسی فرعون، کسی نمرود اور کسی شدّاد سے نہیں ڈرینگے۔"

۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۷۵ھ

۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء

Marfat.com

حج

اور

مناسکِ حج

Marfat.com

(۱) حج کی تیاری	۵۷
(۲) احرام کی فضیلت	۶۲
(۳) حج اور اس کی اہمیت	۶۶
(۴) حج کا زادِ سفر	۶۹
(۵) حج کی فضیلت	۷۳
(۶) ارکانِ حج اور اُن کی ادائیگی کی ترتیب	۷۸
(۷) حج کی دعائیں	۸۳
(۸) صفا، مروہ کے درمیان	۸۶
(۹) مکّہ سے مدینہ کو روانگی	۸۹
(۱۰) حجرِ اسود	۹۴
(۱۱) غارِ حرا، غارِ ثور اور جبلِ بوقُبَیس	۹۸
(۱۲) روضۂ مبارک	۱۰۳
(۱۳) مدینۃ النبیؐ	۱۰۷

Marfat.com

حج کی تیاری

حج کی تیاری کے دو گوشے ہیں۔ پہلے گوشے کا تعلق اس اہم اور طویل سفر کی تیاری اور اس کے لئے ضروری سروسامان سے ہے۔ اس کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے۔ معلوم ہے کہ یہ مبارک سفر دنیا کے عام سفروں سے قطعی طور پر مختلف ہے' اس کی حقیقی کامیابی کا مدار پروردگارِ عالم کی خوشنودی اور اس کے بتائے ہوئے احکام کی تعمیل پر ہے، اس لئے حج کا ارادہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف اس کی مادی تیاریوں میں اُلجھ کر نہ رہ جائے بلکہ رُوحانی قدروں کو روشن اور اُجاگر کرنے والے اعمالِ صالحہ میں بھی شوق وذوق سے لگ جائے، فرائض و واجبات کی ادائگی کا اہتمام' نوافل اور مستحبات کی ادائگی کا پاس ولحاظ، توبہ و استغفار کی کثرت' تلاوتِ کلام پاک کی پابندی، درود شریف کا خاص اہتمام سے وِرد، حقوق اللہ کی نگرانی کے ساتھ حقوق العباد کی ادائگی کی فکر، عفوودرگذر، مسائلِ حج سے واقفیت حاصل کرنا' یہ سب ہی باتیں حج کی تیاری میں داخل ہیں۔ حج چھ۶ چیزوں کا مجموعہ ہے۔ حج کے فرائض وواجبات میں اُن کی حیثیت بنیادی ہے۔ وہ چھ چیزیں یہ ہیں: احرام' طواف' سعی' وقوفِ عرفات' وقوفِ مزدلفہ، منیٰ کا تین روز کا قیام اور اِن دنوں کی خاص خاص عبادتیں، ان چھ۶ مناسک کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔ احرام کو حج کی تکبیر سمجھنا چاہیئے، نماز کی پہلی تکبیر کی طرح احرام باندھنے کے ساتھ حج کرنے والا اپنی عام زندگی سے نکل کر ایک خاص اور غیر معمولی زندگی میں آجاتا ہے اور اس کے لئے وہ تمام چیزیں ممنوع ہوجاتی ہیں

Marfat.com

جو زیب و زینت اور عیش و راحت کا ذریعہ تھیں۔

احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بے سلی چادر سے سر ڈھانک کر دو رکعت نماز نفل احرام کی نیت سے پڑھی جائیں۔ نماز سے فارغ ہو کر سر سے چادر ہٹالی جائے، صرف عمرے کا احرام ہے تو اس طرح نیت کی جائیگی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ، یعنی پروردگار! میں عمرے کی نیت کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان فرمادے اور میری جانب سے اسے قبول کر۔ ایک ہی وقت میں حج اور عمرے دونوں کی نیّت کرنی ہو تو حج کا لفظ بڑھا لیا جائے گا اور یوں کہا جائیگا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ۔ اے اللہ! میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرتا ہوں اُن کو میرے لئے آسان فرما اور قبول کر۔ عربی کے الفاظ یاد نہ ہوں تو اپنی مادری زبان میں نیّت کیجئے۔ احرام زیب تن کرنے کے بعد ایک عجیب سماں بندھ جاتا ہے۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، جوان اور بوڑھے، سب ایک ہی رنگ اور ایک ہی وضع قطع میں ہو جاتے ہیں اور اپنا قیمتی لباس اُتار دیتے ہیں۔ احرام شہنشاہِ کون و مکاں کے دربار میں حاضری کی ایک خاص وردی ہے جو تکلّف سے پاک اور اپنی سادگی میں لاجواب ہے۔ احرام کی پابندیوں کو ہمّت اور جوش و ولولے سے پورا کرنا چاہیئے۔ احرام کی دو رکعتوں اور حج و عمرے کی نیت کرنے کے بعد ہلکی آواز سے تین مرتبہ تلبیہ پڑھنا چاہیئے۔ یعنی لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَاشَرِیْكَ لَكَ۔ میں حاضر ہوں، میرے پروردگار میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شبہ تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں اور ساری بادشاہی بھی، تیرا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ تلبیہ پڑھنے کے بعد آپ مُحرِم ہو گئے اور اب آپ پر ساری پابندیاں اور ذمّہ داریاں عائد ہو گئیں، اب آپ سر، چہرہ نہیں ڈھک سکتے، سِلا ہوا لباس نہیں

Marfat.com

پہن سکتے، ایسا جوتا بھی نہیں پہن سکتے جو پاؤں کی اُبھری ہوئی ہڈّی کو چھپاتا ہو ناخن نہیں تراش سکتے، خط نہیں بنوا سکتے، یہاں تک کہ جسم کے کسی حصّہ کا ایک بال بھی نہیں توڑ سکتے، خوشبو نہیں لگا سکتے، شکار نہیں کھیل سکتے۔ گویا احرام باندھنے والے کی زندگی کچھ اور ہی طرح کی ہو جاتی ہے اور عالمِ ناسوت ہی میں عالم لاہوت کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ احرام کی ذمّہ داریوں کو قُربِ اِنابت کی ایمان افروز کیفیات کے ساتھ تلبیہ کی کثرت سے پورا کرنا چاہیئے، یہ حج و عمرے کا نہایت اہم ذکر ہے۔ گویا یہ حج کرنیوالے کا ترانہ ہے جو ایک خاص جذب و شوق میں پڑھا جاتا ہے اور راہِ صدق و صفا کے مسافروں کے دلوں کو گرماتا ہے۔ تلبیہ کے بعد مناسکِ حج میں پہلا مرحلہ کعبۃ اللہ کے طواف کا ہوتا ہے، اس طواف کا نام طوافِ قدوم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر میں حاضر ہونے کا طواف۔ ایک طواف میں بیت اللہ کے سات چکّر لگائے جاتے ہیں، چکّر کی ابتدا، حجرِ اسود سے ہوتی ہے اور اُسی پر ختم ہوتا ہے، طواف کے لئے باب السلام سے داخل ہونا افضل ہے، جیسے ہی بیت اللہ شریف پر نظر پڑے تین بار اللہ اکبر کہیئے اور تلبیہ بند کر دیجئے۔ طواف کے لئے حجرِ اسود سے ذرا ہٹ کر بائیں جانب کھڑے ہوں اور احرام کی چادر اس طرح اوڑھیں کہ سر بھی کھلا رہے اور داہنا مونڈھا بھی۔ طواف کی نیّت اس طرح ہونی چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِكَ الْحَرَامِ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔ اے اللہ میں تیرے مقدس اور بابرکت گھر کے طواف کی نیّت کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان فرما اور میری جانب سے قبول فرما۔ عربی کے الفاظ پڑھنے میں تکلّف ہو تو اپنی زبان میں نیت کیجئے۔ طواف میں مختلف دُعائیں پڑھی جاتی ہیں جو دعا آسانی سے یاد ہو سکے یاد کرلی جائے۔ دعا کے لئے اِنابت اور حضورِ قلب کی ضرورت ہے اس لئے دُعا کے لفظوں پر نہیں اس کی اصل رُوح پر دھیان رکھنا چاہیئے۔ طواف کے بعد سعی ہوتی ہے، اس کے بعد سات چکّر ہیں۔ سعی

Marfat.com

کی ابتدا صفا سے ہوتی ہے اور مروہ پر پہنچ کر ایک چکر پورا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سات چکر پورے کئے جائیں گے اور آخری چکر مروہ پر ختم ہو گا، اِن چکروں میں بھی خشوع و خضوع سے دعا کرنی چاہیئے۔ ان پہاڑیوں اور ان کے راستے میں رحمت و برکت کے جلوے صاف نظر آتے ہیں۔ یہی وہ نورانی پہاڑیاں ہیں جن پر حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہؑ شیر خوار اسمٰعیلؑ کیلئے پانی کی تلاش میں مضطربانہ چکر لگا رہی تھیں۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ۔ سعی سے فارغ ہو کر مطاف یعنی مقامِ طواف کے کسی حصّہ میں دو رکعات نماز نفل ادا کرے۔ طواف قدوم اور سعی کے بعد ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ سے مناسکِ حج کا سلسلہ پھر شروع ہو جاتا ہے، مُفرِد اور قارِن کے احرام تو ابھی کھلے ہی نہ تھے۔ مُتَمَتِّع کو اس تاریخ کی صبح کو دوبارہ احرام باندھنا ہو گا اور احرام کے تمام آداب کا اُسی طرح لحاظ رکھا جائیگا جس طرح پہلا احرام باندھنے کے وقت رکھا تھا۔ احرام کی دو رکعتوں اور تلبیہ پڑھنے کے بعد دل کی گہرائی سے دعائیں کرنی چاہئیں۔ خاص طور پر یہ دعا کی جائے تو موقع کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے۔ عربی کے الفاظ پڑھنے میں تکلّف ہو گا اسلئے اپنی ہی زبان میں یہ دعا کی جائے:

"اے اللہ! میں تیرے حکم کی تعمیل، تیری خوشنودی کیلئے اپنا گھر بار چھوڑ کر تیرے در پر حاضر ہوں، تو اپنی توفیق سے میرا حج کرا دے اور اپنی رحمتِ خاص سے اسکو قبول فرمائے، میں تجھ سے تیری رضا اور جنّت کا سوال کرتا ہوں اور تیری ناراضگی اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔"

۸ ذی الحجہ کی صبح کو تمام حاجی منیٰ کیلئے روانہ ہونگے، اس تاریخ میں منیٰ میں کوئی خاص کام نہیں ہے۔ یہاں کا دن رات کا قیام ہی ایک بابرکت عمل ہے، اِن لمحات کو تلاوتِ کلامِ پاک اور ذکرِ الٰہی میں صرف کرنا چاہیئے اور موقع ملے تو مسجد خیف میں جماعت سے نماز پڑھنی چاہیئے۔ نویں ذی الحجہ کی صبح کو آفتاب طلوع ہونے کے بعد یہاں سے میدانِ عرفات کیلئے روانگی ہے۔ منیٰ اور عرفات کے راستے میں تلبیہ کثرت سے پڑھیئے۔ آج کا دن حج کی اصل روح ہے۔ قیامِ عرفات کے یہ چند لمحات پورے حج کا نچوڑ ہیں، ارکانِ حج میں وقوفِ عرفات

اتنا اہم رکن ہے کہ یہ رہ جائے تو حج رہ جائیگا اور اس کی تلافی کی بھی کوئی صورت نہیں ہے
عرفات کی ان گھڑیوں کو غنیمت جانیئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے آپ کو
اس مقدس میدان میں پہنچا دیا۔ وقوفِ عرفات کی بے شمار برکتوں سے فیض یاب ہونے
کے بعد آپ کو حجِ مبرور کی دولت مل گئی۔ آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز
بغیر پڑھے تلبیہ کا وِرد کرتے ہوئے مُزدلفہ روانہ ہو جائیے۔ آج مغرب کی نماز عشاء کے
وقت میں عشاء کی نماز کے ساتھ وادیٔ مُزدلفہ میں پہنچ کر پڑھی جائے گی۔ مُزدلفہ کی یہ
رات بڑی برکتوں والی رات ہے۔ فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ
الْحَرَامِ۔ عرفات سے چل کر مزدلفہ ہو آؤ تو مشعرِ حرام کے قریب یادِ الٰہی میں مشغول
ہو جاؤ۔" صبح کی نماز مزدلفہ میں پڑھ کر آفتاب طلوع ہونے سے پہلے منٰی کے لئے روانہ
ہو جائیے، راستہ میں ایک نشیبی جگہ وادیٔ محسّر آئے گی، اس جگہ سے سر جھکا کر
تیزی سے گزر جائیے۔ منٰی میں اب آپ کو تین روز قیام کرنا ہے اور رمیِ جمرات
کی ذمّہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔ اِن ہی تین دنوں میں کسی وقت مکہ شریف جاکر حج
کا دوسرا اہم رکن طوافِ زیارت مع سعی ادا کرنا ہے پہلے دن یعنی دسویں تاریخ
کو صرف جمرۂ عقبیٰ کی رمی ہے۔ اس رمی کے بعد تلبیہ کا وِرد ختم ہو جاتا ہے، رمی
سے فارغ ہو کر قربانی اور قربانی کے بعد حلق یا قصر یعنی سر کے بال منڈوانے یا
کٹوانے ہیں۔ اب احرام کی پابندی ختم ہو گئی۔

۱۱ر اور ۱۲ر ذی الحجہ کو تینوں جمروں پر کنکریاں ماری جائیں گی، منٰی میں قیام
کی سب سے اہم عبادت یہی ہے۔

رمیِ جمار کے بعد تمام مناسک حج پورے ہو گئے۔

۸ر نومبر ۱۹۷۶ء

Marfat.com

احرام کی فضیلت

مناسکِ حج میں احرام ایک ایسا رکن اور فرض ہے جس کے بغیر حج کا کوئی رکن، کوئی فرض اور کوئی واجب ادا نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف احرام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ مناسکِ حج کی ادائگی کے لئے ایک بنیادی شرط ہی نہیں ہے بلکہ اس عظیم المرتبت عبادت کے تمام ارکان اور فرائض و واجبات اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ، صفا، مروہ پہاڑیوں کے درمیان سعی اور طوافِ کعبہ میں احرام ہی کی روح کارفرما ہوتی ہے۔ تمام اعمال اگرچہ نیت کے تابع اور اس پر مبنی ہوتے ہیں مگر نیت کا اظہار عمل کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ نماز کے لئے تکبیر اسی نیت کا اظہار و اعلان ہے۔ احرام کو بھی حج کی تکبیر کہنا چاہیئے۔ احرام باندھنے کے بعد انسان اپنی عام اور معمولی زندگی سے نکل کر ایک خاص اور غیر معمولی زندگی میں آجاتا ہے۔ ایسی زندگی جو عالمِ ناسوت ہی میں عالمِ لاہوت کی سیر کرادیتی ہے۔ اس پر ان تمام چیزوں کی بندش ہوجاتی ہے جو دنیوی عیش و راحت، زیب و زینت اور تفریح و آسودگی کا ذریعہ تھیں، لباسِ احرام زیب بدن کرنے کے بعد ایک عجیب طرح کی زندگی کا نقشہ بن جاتا ہے۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، بوڑھے اور جوان، تندرست و توانا، بیمار و ضعیف، ایرانی و تورانی، عربی اور عجمی، کالے اور گورے، سب ایک ہی رنگ میں ہوجاتے ہیں۔ گویا یہ شہنشاہِ کون و مکاں کے دربار میں حاضری کی ایک خاص وردی ہے جو اپنی سادگی اور دلکشی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ احرام کی پابندیوں کو عزم و ہمت اور جوش و ولولے سے پورا کرنا چاہیئے۔ احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے

Marfat.com

کہ بے سِلے کپڑے سے سر ڈھانک کر نفلوں کی دو رکعتیں احرام کی نیت سے ادا کی جائیں۔ نماز سے فارغ ہو کر سر سے کپڑا ہٹا لیا جائے۔ حج کی تین صورتیں ہوتی ہیں: اِفراد، تمتُّع، اور قِران۔ پہلی صورت یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کا احرام باندھا جائے اور احرام باندھنے کے وقت صرف حج کی نیت کی جائے، اس حج کو افراد کہتے ہیں اور حج کرنیوالے کو مُفرِد۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھا جائے اور ایک ہی احرام میں دونوں کو ادا کرنے کی نیت کی جائے۔ اس حج کا نام قِران ہے یعنی دو ملی ہوئی عبادتیں۔ قِران اور افراد میں احرام کی تمام پابندیاں حج سے فارغ ہونے تک برابر قائم رہتی ہیں جن کو پورا کرنا آسان نہیں ہوتا۔ کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایسے کام کر گزرتے ہیں جن کی احرام کی حالت میں اجازت نہیں ہے، اسی لئے حج کرنے والوں کو عام طور سے اس کا مشورہ نہیں دیا جاتا۔ تیسری صورت نسبتاً آسان ہے اور اس میں احرام کی پابندیوں اور ذمّہ داریوں میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ نہیں رہتا، وہ یہ ہے کہ میقات (احرام باندھنے کے مقام) سے صرف عمرے کا احرام باندھا جائے اور مکہ معظمہ پہنچ کر طواف وسعی کر کے احرام کھول دیا جائے اور پھر آٹھویں ذی الحجہ کو از سرِ نو احرام باندھا جائے۔ حج کی اسی قسم کا نام تمتُّع ہے۔ اس صورت میں میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھا جائیگا اور یوں نیت کی جائیگی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ (پروردگار) میں عمرے کی نیت کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان فرما دے اور اس کو میری طرف سے قبول فرما۔ ایک ہی وقت میں حج اور عمرے دونوں کی نیت کرنی ہو تو اسی دعا میں حج کے لفظ کا اضافہ کر لیا جائے گا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ۔ عربی کے الفاظ یاد نہ ہوں یا ان کے پڑھنے میں زیادہ دشواری ہوتی ہو تو اپنی زبان میں نیت کیجئے اور زبان سے بھی کہیئے: اے اللہ! میں صرف تیری خوشنودی کے لئے احرام باندھتا ہوں اس

Marfat.com

کو میرے لئے آسان فرما اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرما اور اپنے فضل و کرم اور رحمت سے اس کو قبول فرما۔ اس کے ساتھ تین مرتبہ تلبیہ پڑھنا چاہیئے تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں: لبیك اللهم لبیك لبیك لاشریك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لاشریك لك۔ میں حاضر ہوں پروردگار! میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، میں حاضر ہوں، بے شبہ تمام تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں اور تمام نعمتیں آپ ہی کی دی ہوئی ہیں اور فرماں روائی اور بادشاہی بھی آپ ہی کے لئے ہے، آپ کا کوئی سہیم و شریک نہیں۔ تلبیہ پڑھنے کے بعد آپ باضابطہ مُحرِم ہو گئے اور اب آپ پر احرام کی ساری پابندیاں اور ذمّہ داریاں آ گئیں، اس کے بعد آپ سر نہیں ڈھک سکتے، سِلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے، ناخن نہیں کاٹ سکتے، خط نہیں بنوا سکتے، یہاں تک کہ جسم کے کسی حصّہ کا ایک بال بھی نہیں توڑ سکتے، خوشبو لگانے اور شکار کرنے کی بھی ممانعت ہے، ایسا جوتا پہننے کی بھی اجازت نہیں جو پاؤں کی اُبھری ہوئی ہڈی کو چھُپاتا ہو، تلبیہ کی کثرت حج و عمرے کا نہایت اہم ذکر بلکہ ان کی جان ہے۔ یہ حج کرنیوالے کا ایک ترانۂ دلنواز ہے جو راہِ صدق و صفا کے دلوں کو گرماتا ہے، غور کیا جائے تو یہ بانیِ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار کا جواب ہے۔

اللہ کے برگزیدہ پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندگانِ خدا کو پکارا تھا آؤ اللہ کے در پر حاضری دو۔ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ۔ اللہ تعالیٰ کے جو بندے احرام باندھ کر اللہ کے گھر کی حاضری دیتے ہیں وہ گویا حضرت ابراہیمؑ کی ہی پکار کے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! آپ نے اپنے پاکباز مقبول بندے ابراہیمؑ سے آواز دلوا کر ہمیں بلایا تھا ہم حاضر ہیں، دل و جان سے حاضر ہیں۔ تلبیہ پڑھتے وقت اللہ کو حاضر و ناظر یقین کرتے ہوئے ذوق و شوق اور خوف و خشیت کی دوگانہ کیفیات میں جذب ہو جانا چاہیئے اور خشوع و خضوع کے جذبات میں غرق ہو کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنی چاہیئے۔ اِس موقع

Marfat.com

پر یہ دعا خاص طور پر مستحب ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَضَبِکَ وَالنَّارِ۔ پروردگار! میں تجھ سے تیری رضا وخوشنودی اور جنّت کا طالب ہوں اور تیری ناراضی اور جہنّم کی آگ سے پناہ مانگتا ہوں"۔

احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کی کثرت ہی بہترین اور افضل ترین ذکر ہے، جب کسی سے ملاقات ہو، جب کسی بلندی پر چڑھنا اور اترنا ہو ہر موقع پر تلبیہ ہی پڑھنا چاہیئے۔ احرام کی خصوصیت پر ایک اور زاویہ سے بھی نظر ڈالئے۔ احرام عاشقانہ رنگ اور والہانہ جذب وشوق کا مظہر اتم ہے کہ نہ سر پر ٹوپی ہے اور نہ پاؤں میں جوتا، نہ جسم پر کرتہ، نہ خوشبو، نہ زیب وزینت، فقیرانہ چال ڈھال بقول شاعر ؎

نہ رکھ لباس کا اُلجھاؤ تن پہ دستِ جنوں!
کیا ہے چاک گریباں تو پھاڑ دامن بھی!

ایک خاص کیفیت اور اضطراب کو ظاہر کرتی ہے۔ احرام کی یہ سفید چادریں کفن کی چادروں کی یاد تازہ رکھتی ہیں اور نگاہِ عبرت ہو تو ان خاص دنوں میں کفن میں لپٹے رہنے کی بھی یاد تازہ رہنی چاہیئے۔ آخر میں حج اور احرام کی ایک اور اہم اور غیر معمولی خصوصیت بھی سُنتے جائیے۔ مساوات، اسلامی تعلیم کی جان اور نچوڑ ہے۔ اِس مساوات کی جلوہ آرائی اپنی تمام دل کشیوں کے ساتھ حج ہی میں ہوتی ہے۔

جب لاکھوں انسان ایک ہی رنگ، ایک ہی وضع قطع اور ایک ہی میدان میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور ندامت کے آنسوؤں کی بارش میں اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور زبانِ حال سے کہتے ہیں ؎

رُخسارِ زرد پر مرے بہتے ہیں اشکِ خوں
یک جا دکھا رہی ہے خزان و بہار رنگ

Marfat.com

حج اور اُس کی اہمیّت

ایمان کے بعد اسلام کی عمارت چار ستونوں پر قائم ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ یہی چار ستون ہیں جن پر اسلامی عبادات و ریاضات کی پوری تعمیر کھڑی کی گئی ہے۔ عبادات کے اِس نقشے میں حج بیت اللہ کو خاص طور پر ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ حج کے معنیٰ ہیں ایک مقرر اور معیّن وقت پر دربارِ الٰہی میں حاضر ہونا اور اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّتوں، طریقوں اور والہانہ جذبات و کیفیات کی پیروی کرنا اور اپنے سراپا کو ان کے رنگ میں رنگ لینا، ایک دوسرے اسلوب میں اس حقیقت کو یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ اللہ ربّ العالمین کی ایک شان تو یہ ہے کہ وہ صاحبِ جلال وجبروت اور شہنشاہِ کل ہے اور ہم اس کے محتاج بندے ہیں، اس کی دوسری شان یہ ہے کہ وہ حسن و جمال کی ان تمام صفتوں اور رعنائیوں سے متّصف ہے جو کسی محبوب میں ہوسکتی ہیں، اِسی لئے محبّت کے تمام ولولے اور فداکاریاں اسی کے لئے ہونی چاہئیں، وہی محبوبِ حقیقی اور حُسنِ مطلق ہے۔ اُس کی پہلی حاکمانہ شان کا تقاضہ یہ ہے کہ بندے اس کی بارگاہ میں ادب دنیاز کی تصویر اور پیکر بن کر حاضر ہوں، اسلام کے پہلے رکن نماز میں اس کا عکس جلوہ گر ہے اور زکوٰۃ بھی اسی کے ایک دوسرے رُخ کو ظاہر کرتی ہے۔ دوسری شانِ محبوبیت ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ بندوں کا تعلق اس کے ساتھ محبوبیت اور شیفتگی کا ہو، اگرچہ روزے میں بھی یہ رنگ ہے، کھانا پینا چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشوں سے بے تعلق ہوجانا عشق و محبت کی ایک پُرکیف اور دل پسند منزل ہے لیکن حج اس کیفیت کا مکمّل مرقّع ہے اور اس کے ارکان و

Marfat.com

مناسک کا تمامتر تعلق اللہ تعالیٰ کی اسی شانِ محبوبیت سے ہے، اِحرام یعنی سِلے کپڑوں اور عمدہ ونفیس لباس کی جگہ ایک کفن نما لباس پہننا اور صرف دو چادروں سے تن پوشی کر لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، بالوں میں کنگھا نہ کرنا، ناخن نہ ترشوانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، خدا کے گھر کے گرد دیوانہ وار چکر لگانا، اس کے در و دیوار سے لپٹ کر آہ وزاری کرنا، پکار پکار کر لبیک لبیک کہنا، یہ تمام اعمال وہی ہیں جو شیفتگانِ محبّت سے بے تابانہ سرزد ہوتے ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام گویا اسی رسمِ عاشقی اور شیوۂ سپردگی کے بانی اور داعیِ اوّل ہیں۔ محبوبِ حقیقی کو اپنے سچّے عاشق کی یہ ادائیں ایسی پسند آئیں کہ اُن کو حج وعمرہ کے ارکان ومناسک کی حیثیت دے دی اور اس طرح حج، اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن قرار دیدیا گیا جس کے بعد عبادات کی بنیادیں مکمّل ہو جاتی ہیں۔ حدیثِ صحیح میں ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اس طرح حج کیا کہ اس میں نہ تو کسی نازیبا اور فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ فسق وفجور اور نافرمانی میں مبتلا ہوا تو وہ اس عبادت کے بعد گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر واپس ہوگا گویا وہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشادِ مبارک ہے کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹّی لوہے اور سونے چاندی کے میل اور کھوٹ کو صاف کر دیتی ہے اور جو شخص عرفہ کا دن احرام کی حالت میں گزارتا ہے اس دن کا سورج جب غروب ہوتا ہے تو اس کے گناہوں کو لے کر غروب ہوتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالےٰ کے مہمان ہیں، وہ اللہ سے دعا کریں تو اُنکی دعا قبول فرمائے اور مغفرت طلب کریں تو اُنکی مغفرت فرمائے۔ اگرچہ توبہ ہر جگہ اور ہر وقت گناہوں سے معافی کا ذریعہ ووسیلہ ہے، اس کے لئے کعبہ وعرفات کی کچھ خصوصیت نہیں لیکن ارکان ومشاعر اور مقاماتِ حج اپنے گوناگوں تاثرات کی بنا پر

پر دوسرے فائدوں اور برکتوں کے علاوہ جو یہاں کے سوا اور کہیں نہیں، انابت اور صدقِ توبہ کیلئے بہتر سے بہتر موقعے پیدا کرتے ہیں، ان مقامات کی جو عظمت اور تقدس ایک حج کرنیوالے کے قلب میں ہے اس کا نفسیاتی اثر بہت گہرا پڑتا ہے، وہ مقامات جہاں خدا کے نبیوں پر برکتوں اور رحمتوں کا نزول اور انوارِ الٰہی کی بارش ہوئی، وہ فضاء وہ ماحول، وہ تمام گنہگاروں کی یکجا ہو کر فریاد و بُکا اور آہ و نالہ، وہ قدم قدم پر روحانی مناظر اور مشاہدے جہاں خدا اور اس کے برگزیدہ بندوں کے ناز و نیاز کے کتنے ہی معاملات گزر چکے ہیں قدرتی طور پر دعا، اور اس کی مقبولیت کے بہترین موقعے ہیں طواف میں، سعی میں، صفا و مروہ پر، عرفات کے نورانی میدان میں، مزدلفہ اور منیٰ میں جو دعائیں مانگی جاتی ہیں ان میں توبہ و استغفار کا یہی انداز ہے اور التائبُ من الذنب کمن لا ذنب لہ کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ یعنی اپنے گناہوں اور لغزشوں سے سچے دل سے توبہ کرنیوالا ایسا ہے کہ گویا اس سے کوئی گناہ ہوا ہی نہیں۔ اسی لئے حجِ مبرور کی دولت حاصل کرنیوالوں کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہو جاتا ہے جس میں دین و دنیا دونوں کی بھلائیاں اور کامیابیاں جمع ہونگی۔ آخر میں اس عظیم الشان اور انوکھے رکن کی ایک اور اہم خصوصیت بھی سُنتے جائیے، مساوات، اسلام کی تعلیم کا نچوڑ اور سنگِ بنیاد ہے، اس مساوات کو نماز بھی ایک خاص ڈھنگ سے قائم کرتی ہے لیکن اس کی مکمل جلوہ نمائی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ حج کے دنوں ہی میں ہوتی ہے، جب امیر و غریب، بادشاہ و رعایا، عالم و جاہل، بوڑھے اور جوان ایک ہی لباس میں، ایک ہی صورت میں، ایک ہی میدان میں، ایک خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، نہ تو کسی کے لئے جگہ کی خصوصیت ہوتی ہے نہ آگے پیچھے کی پابندی اور قید " لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک اِن الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک "

۱۲ جنوری ۱۹۷۰ء

Marfat.com

حج کا زادِ سفر

سرزمینِ حجاز اسلام کا گہوارہ اور مقاماتِ مقدسہ کا مرکز ہے۔ خانۂ کعبہ، مسجدِ نبوی، اور روضۂ اقدس سب اسی خطۂ پاک میں ہیں۔ کروڑوں انسان روزانہ پانچ مرتبہ جس مقام کو اپنی نمازوں میں قبلہ بناتے ہیں اُس کے شرف و عظمت کا کیا کہنا، کون ہے جس کا دل اللہ کے گھر کی حاضری کے لئے بے تاب نہ ہو۔ ہر سال لاکھوں انسان ذی الحجہ کے اس مہینہ میں حج کی سعادت و برکت حاصل کرنے کے لئے دنیا کے گوشے گوشے سے یہاں پہنچتے ہیں۔ اگرچہ حج صرف ان پر فرض ہے جو مالی حیثیت سے اتنی فارغ البالی رکھتے ہوں کہ سہولت سے سفرِ حج کے مصارف برداشت کرسکیں۔ قرآنِ پاک کا اعلان ہے، وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ یعنی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو شخص اس کے گھر تک پہنچنے کی گنجائش رکھتا ہو وہ وہاں پہنچے اور حج کرے۔ لیکن ایسے بھی بہت سے کم استطاعت اور نادار بندگانِ خدا ہیں جو اس سعادت کا شرف حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایک ولولۂ بے تاب سے سرشار ہوکر ایک ایک پیسہ اس کے لئے جمع کرتے ہیں اور اس طرح سالہا سال اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں، ان کا دل انھیں بیت اللہ کی حاضری اور اس کے آستانے کی جبہ سائی کے لئے بے چین رکھتا ہے۔ سفرِ حج کا مسافر خشکی اور سمندر کی دور دراز مسافتیں طے کرکے وہاں حاضر ہوتا ہے اور کعبۃ اللہ کے جلال و جمال سے جو روحانی کیفیت و سرور حاصل کرتا ہے الفاظ کے قالب اس کی ترجمانی سے قاصر ہیں۔

Marfat.com

مکہ مکرمہ میں ۸ ذی الحجہ کی شب ایک عجیب اور کیف آور سماں اپنے دامن میں لیکر آتی ہے۔ حاجی نصف شب سے حج کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہوجاتے ہیں۔ جوق درجوق حرم شریف کی جانب رواں دواں نظر آتے ہیں۔ اس وقت لاکھوں انسان جو دنیا کے مختلف ملکوں اور خطّوں سے آئے ہوئے ہوتے ہیں، احرام کے ایک ہی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں اور سب کی زبان پر ایک ہی طرح کے الفاظ جاری ہوتے ہیں: لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ"۔ میں حاضر ہوں، خداوندا میں حاضر ہوں، تیرا کوئی سہیم و شریک نہیں، میں حاضر ہوں، تمام تعریفیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں، ساری نعمتیں تیری ہی بخشی ہوئی ہیں، اور حکومت و فرمانروائی تیرے ہی لئے ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔

تلبیہ کے یہ الفاظ ہی حج اور مناسکِ حج کا آغاز ہیں، اب احرام کی ساری پابندیاں عائد ہوگئیں، اس حالت میں سِلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے، سر اور چہرہ نہیں ڈھک سکتے۔ ایسا جوتا بھی نہیں پہن سکتے جو پاؤں کی اُبھری ہوئی ہڈی کو چھپانے والا ہو خط نہیں بنوا سکتے، یہاں تک کہ جسم کے کسی حصّہ کا ایک بال بھی نہیں توڑ سکتے، ناخن نہیں تراش سکتے، خوشبو نہیں لگا سکتے، جانور کا شکار نہیں کرسکتے۔ گویا احرام میں لپٹے ہوئے حاجیوں کی زندگی کا نقشہ کچھ اور ہی ہوجاتا ہے اور جب تک حج کے تمام ارکان پورے نہیں ہوجائیں گے یہی نقشہ رہے گا۔ احکم الحاکمین کے دربار میں جب تک اپنی ساری بُرائیوں اور خود فریبیوں کو بُھلا نہ دیا جائیگا حاضری نہیں ہوسکتی، یہ سراپا نیازمندی، فروتنی، عجز و انکسار اور بندگی کے اظہار کا موقع ہے، سچ تو یہ ہے کہ ایسا بے نظیر سماں اور ایسا بے مثال اجتماع اور کہیں دیکھا نہیں جاسکتا۔ ۸ ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد لاکھوں عازمینِ حج منیٰ کے لئے روانہ ہوجاتے ہیں۔ ان میں بوڑھے، بچے، جوان، عورت، مرد سب ہی ہوتے ہیں ان میں ہر رنگ و نسل کے لوگ دیکھے جاسکتے ہیں جن کی زبانیں مختلف ہیں

Marfat.com

اور تہذیب و تمدن کے انداز بھی جدا ہیں لیکن مقصدِ حج کی یکسانیت اور یکرنگی نے سب کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا ہے اور سب ایک ہی سمت میں چلے جا رہے ہیں۔ ظہر کی نماز سے پہلے پہلے ان کو منیٰ کے وسیع و عریض میدان میں جو میلوں تک پھیلا ہوا ہے پہنچ جانا ہے' دن کا باقی حصہ اور آج کی رات اُن کو یہیں گزارنی ہے۔ حجاج کے یہ قافلے علی الصباح منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ آج کا دن حج کی اصل روح ہے' قیامِ عرفات کے یہ چند گھنٹے پورے حج کا نچوڑ ہیں۔ ارکانِ حج میں وقوفِ عرفات اتنا اہم رکن ہے کہ یہ رہ جائے تو حج ہی رہ جائے گا اور اس کی تلافی کی بھی کوئی صورت نہیں ہے' وقوفِ عرفات کی ان گھڑیوں کو غنیمت جانیئے' اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ کو اس مقدس میدان میں پہنچا دیا جس کے متعلق حضورؐ کا ارشادِ مبارک ہے "کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ انسانوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں" ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہے "جو شخص عرفہ کا دن احرام کی حالت میں گزارتا ہی اس روز کا سورج جب غروب ہوتا ہے تو اس کے تمام گناہوں کو لے کر غروب ہوتا ہی غروبِ آفتاب کے بعد یہاں سے مزدلفہ کے لئے روانگی ہوتی ہے اور یہ رات مزدلفہ ہی میں گزاری جاتی ہے۔ آج مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں نماز عشاء کے ساتھ ہیں پڑھی جائیگی۔ مزدلفہ کی یہ رات بڑی برکتوں کی رات ہے "فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ" یعنی جب عرفات سے چل کر یہاں پہنچو تو مشعرِ حرام کے قریب یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ صبح کی نماز مزدلفہ میں پڑھ کر سورج نکلنے سے پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہو جایئے۔ منیٰ میں اب آپ کو تین دن رہنا ہے اور رمیِ جمرات سے فارغ ہونا ہے۔ پہلے دن یعنی دس ذی الحجہ کو صرف جمرۂ عقبیٰ کی رمی ہے، اس رمی کے بعد تلبیہ کا وِرد ختم ہو جاتا ہے۔ رمی سے فراغت کے بعد قربانی اور قربانی کے بعد سر کے بال منڈوانے یا کٹوانے ہیں۔ اب احرام کی پابندیاں ختم ہوگئیں اور زندگی معمول پر

Marfat.com

آگئی۔ اگلے دو دنوں یعنی گیارھویں اور بارھویں ذی الحجہ کو تینوں جمروں پر کنکریاں ماری جائیں گی۔ اِن ہی تین دنوں میں کسی وقت مکہ معظمہ جا کر حج کا دوسرا اہم فرض طوافِ زیارت مع سعی ادا کرنا ہوگا۔ رمی جمار اور طوافِ زیارت کے بعد حج کے تمام ارکان پورے ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حجِ مبرور کی دولت سے سرفراز فرما دیا۔

عبادتِ حج کا تعلق اللہ رب العالمین کی شانِ محبوبیت سے ہے۔ نفیس اور قیمتی لباس ترک کر کے صرف دو چادروں سے جسم چھپا لینا، ننگے سر رہنا، تجلّی گاہِ محبوب خانۂ کعبہ کے گرد دیوانہ وار چکّر لگانا، اس کے در و دیوار سے لپٹ کر گریہ وزاری کرنا، یہ تمام انداز وہی ہیں جو دل دادگانِ محبّت سے بے تابانہ سرزد ہوتے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ اس رسمِ عاشقی کے داعیِ اوّل ہیں، محبُوبِ حقیقی کو عاشقِ صادق کے یہ اندازہائے شیفتگی ایسے پسند آئے کہ ان کو مناسکِ حج کی حیثیت دیدی اور حج اسلام کا آخری رُکن قرار دے دیا گیا۔ بہر حال حج کی تیاری کے دو حصّے ہیں: پہلا حصّہ وہ ہے جس کا تعلق اس طویل سفر کیلئے ضروری سر و سامان سے ہے، یہ انتظام بھی اپنی جگہ ایک عبادت ہے[1] اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ دوسرا حصّہ وہ ہے کہ مکہ شریف پہنچ کر مناسک اور ارکانِ حج کو کامل یکسوئی اور مکمّل اطمینان سے پورا کرنا، جن کی ابتداء ۸ ذی الحجہ سے ہوتی ہے اور ۱۲ ذی الحجہ کو ختم ہو جاتی ہے۔ لیجئے اب آپ حج کی سعادت سے مشرّف ہوگئے اور حق تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے نوازدیا۔

۹ دسمبر ۱۹۷۵ء

---

[1] وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْویٰ۔ حج کرو تو اس کے لئے سامان کی تیاری بھی کرو اور دیکھو سب سے بہتر سر و سامان دل کا سر و سامان ہے اور وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

Marfat.com

حج کی فضیلت

اسلام کی عمارت جن ستونوں پر قائم ہے ان میں حج نہایت اہم اور عظیم الشان عبادت ہے اور عبادات و ریاضات کے مرقّع میں زیارتِ بیت اللہ اور وقوفِ عرفات کو ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ حدیثِ صحیح میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اس احتیاط سے حج کیا کہ اس میں نہ تو کسی فحش بات کا ارتکاب کیا اور نہ فسق و فجور میں مبتلا ہوا تو وہ اس ریاضت کے بعد معصیتوں اور گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہو گا گویا وہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے، یعنی جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا بچہ معصوم ہوتا ہے کہ اس سے کوئی بُرائی، کوئی لغزش اور اس پر کسی قسم کی گرفت نہیں ہوتی۔ ایسا ہی یہ سچّا حج کرنے والا ہے کہ اس کی نافرمانیوں اور لغزشوں کا پچھلا کھاتہ صاف کر دیا جاتا ہے۔ اس حدیث شریف کے مضمون کے تین ٹکڑے ہیں: ایک یہ کہ حج صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے کیا جائے یعنی اس میں کوئی دنیوی غرض، شہرت اور نام و نمود وغیرہ شامل نہ ہو، دوسرے یہ کہ اس پورے سفر میں "رَفَث"، کوئی فحش بات سرزد نہ ہو، یعنی ہر طرح کی لغو اور بیہودہ باتوں سے مکمل اجتناب، تیسرے یہ کہ "فسوق" ہر طرح کی نافرمانی اور حکم عدولی سے پرہیز، حکم عدولی میں لڑائی جھگڑا، سخت کلامی وغیرہ سب ہی باتیں داخل ہیں، جیسا کہ حضورؐ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔ "حج کی خوبی اور حسن یہ ہے کہ لوگوں سے نرم اور شیریں انداز میں بات کرے، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرے اور لوگوں کو کثرت سے سلام کرے۔ قرآن پاک نے چند لفظوں میں

Marfat.com

اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے "اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ" یعنی حج کے مہینے عام طور پر معلوم ہیں، پس جس کسی نے ان مہینوں میں حج کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تو وہ حج کی حالت میں ہوگیا، اور حج کی حالت میں نہ تو عورتوں کی طرف رغبت کرنی ہے، نہ گناہ کی کوئی بات کرنی ہو اور نہ لڑائی جھگڑا، اور یاد رکھو تم نیک عملی کی باتوں میں سے جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے علم سے پوشیدہ نہیں رہتا، پس حج کرو تو اس کے سروسامان کی تیاری بھی کرو، اور سب بہتر سروسامان دل کا سروسامان ہے اور وہ تقویٰ ہے۔ اور اے اربابِ دانش! ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ خوفِ الٰہی سے پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشادِ مبارک ہے کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے کھوٹ اور میل کو صاف کر دیتی ہے۔ اور جو شخص عرفہ کا دن احرام کی حالت میں گزارتا ہے اس دن کا سورج جب غروب ہوتا ہے تو اس کے تمام گناہوں کو لے کر غروب ہوتا ہے۔ اور حج مبرور کا اجر و ثواب اور بدلہ جنّت ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا: حج اور عمرہ کرنیوالے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، وہ اللہ سے دعا کریں تو انکی دعا قبول فرمائے اور مغفرت طلب کریں تو انکی مغفرت فرمائے۔ حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث میں ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جسمیں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ انسانوں کو جہنّم سے نجات دیتے ہوں یعنی جتنی بڑی تعداد کی رہائی عرفہ کے دن ہوتی ہے، اتنی بڑی تعداد میں کسی اور دن نہیں ہوتی۔ اس حدیث کی تشریح ایک دوسری حدیث میں ہے۔ ارشاد ہے، جب عرفہ کا دن آتا ہے حق تعالیٰ سب سے نیچے کے آسمان پر اُتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو دیکھو میرے پاس ایسی حالت میں آتے ہیں کہ ان کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، سفر کی وجہ سے بدن اور کپڑوں پر غبار پڑا ہوا ہے، لبیک پڑھتے ہوئے دُور دُور سے چل کر

Marfat.com

آئے ہیں، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُن کے گناہ معاف کر دیئے۔ اگرچہ توبہ ہر وقت اور ہر جگہ گناہوں سے معافی کا وسیلہ ہے اسکے لئے کعبہ و عرفات اور منیٰ و مزدلفہ کی کوئی خصوصیت نہیں لیکن مقاماتِ حج اپنے غیر معمولی تاثرات کی بنا پر انابت اور خلوصِ توبہ کیلئے بہترین موقعے پیدا کرتے ہیں۔ ان مشاعر و مقامات کی جو عظمت ایک حج کرنے والے کے دل میں ہے اس کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے۔ وہ مقامات جہاں خدا کے برگزیدہ پیغمبروں پر رحمتوں کی بارش ہوئی، وہ ولولہ انگیز فضا اور ماحول، وہ تمام گنہگاروں کی ایک ہی وقت میں آہ و بکا، وہ قدم قدم پر روحانی مشاہدے اور مناظر، جہاں خدا کے مقربانِ خاص کے ناز و نیاز کے کتنے ہی معاملات گزر چکے ہیں، قدرتی طور پر دعا کی مقبولیت کیلئے اثر انگیز مواقع ہیں اِن مقدس مقامات میں کسی زائر کا قدم پہنچتا ہے تو اس کے ادب کی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں، اسکی عقیدت کی گردن جھک جاتی ہے اور اسکے جذبات میں سمندر کا سا تلاطم پیدا ہو جاتا ہے اور عشق و شیفتگی کی روح اسکی رگ رگ میں تڑپنے لگتی ہے جس طرف نظر اٹھاتا ہے دل وجد کرنے لگتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، زبان تسبیح و تہلیل اور حمد و ثنا کے نغموں میں مصروف ہو جاتی ہے اور یہی وہ کیف و لذت ہے جو ایمان کو تازہ اور شعائر اللہ کی محبت کو زندہ و تابندہ کرتی ہے۔

مناسکِ حج میں چھ چیزیں بنیادی ہیں: احرام[1]، طواف[2]، سعی[3]، وقوفِ عرفات[4]، وقوفِ مزدلفہ[5]، منیٰ کا تین روز کا قیام[6] اور ان دنوں کے خاص اعمال و وظائف یعنی رمیِ جمرات وغیرہ۔ ان چھ ارکان اور مناسک کے بغیر اسلام کا یہ مہتم بالشان رکن جس میں انسان کی خدا پرستی اور ذوقِ ریاضت و عبادت کو ایک عجیب و ولولہ انگیز قالب میں سمویا گیا ہے مکمل طور پر ادا نہیں ہو سکتا۔ احرام گویا حج کی تکبیر ہے جس کو باندھ کر انسان اپنی عام اور روزمرہ کی زندگی سے نکل جاتا ہے اور ایک غیر معمولی اور خاص حالت میں آجاتا ہے اسلئے اس پر وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو دنیوی زیب زینت اور راحت و تفریح

کا ذریعہ تھیں۔ احرام کی نیّت کے بعد امیر و غریب، شاہ و گدا، حاکم و محکوم، عالم و جاہل، عیش پسند دولت مند اور محنت کش مزدور سب کے سب اپنے قیمتی اور نرم و نازک سِلے ہوئے کپڑوں کو اُتار دیتے ہیں اور انسانی زندگی کے ابتدائی دَور کا بے سِلا کپڑا پہن لیتے ہیں۔ یہ عہدِ ابراہیمی کے لباس کی تمثیل ہے جس کو ارکانِ حج ادا کرنے کیلئے اس وجہ سے پسند کیا گیا کہ اُس عہدِ میمنت کی کیفیت ہماری شکل و صورت سے بھی ظاہر ہو گویا یہ شہنشاہِ کون و مکاں کی بارگاہِ قدس میں حاضری کی وردی ہے جو تکلّف سے یکسر پاک اور اپنی سادگی و پاکی میں لاجواب ہے۔ احرام کی پابندی کے بعد حج کے تمام ارکان و مناسک اپنے اپنے مقام پر ادا کیے جاتے ہیں جن میں طوافِ زیارت اور وقوفِ عرفات کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور وقوفِ عرفات تو اس درجہ کا فرض ہے کہ اس کے بغیر حج ہو ہی نہیں سکتا۔

مناسکِ حج کا تمام تر تعلق اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت سے ہے، نفیس اور عمدہ لباس کو چھوڑ کر ایک کفن نما لباس پہننا اور صرف دو چادروں سے جسم چھپا لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، بالوں میں کنگھا نہ کرنا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، تجلّی گاہِ محبوب کعبۃ اللہ کے گرد دیوانہ وار چکّر لگانا، اس کے در و دیوار سے لپٹ کر آہ و زاری کرنا، یہ تمام انداز وہی ہیں جو شیفتگانِ محبّت سے بے تابانہ سرزد ہوتے ہیں اور حضرت ابراہیم خلیلؑ گویا اِس رسمِ عاشقی کے داعیِ اوّل ہیں۔ محبوبِ حقیقی کو اپنے عاشقِ صادق کی یہ والہانہ ادائیں ایسی پسند آئیں کہ انکو حج کے مناسک و ارکان کی حیثیت دیدی اور اس طرح حج اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن قرار دیدیا گیا۔

آخر میں اس عظیم الشان رُکنِ اسلام کی ایک اور خصوصیت بھی سُننے جائیے۔

"مساوات" اسلامی تعلیم کی رُوح اور نچوڑ ہے۔ اِس مساوات کو نماز بھی ایک خاص نوعیت سے قائم کرتی ہے اور اس کی برکت سے محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے

Marfat.com

ہو جاتے ہیں، لیکن اس کی مکمل جلوہ آرائی اپنی تمام دل آویزیوں اور وسعتوں کے ساتھ حج ہی میں ہوتی ہے۔ جب امیر و غریب، بادشاہ و رعایا، پیل تن نوجوان اور نحیف و نزار بوڑھے ایک ہی لباس، ایک ہی صورت، ایک ہی وضع قطع، اور ایک ہی میدان میں ایک ولولۂ بے تاب کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں اور ندامت کے آنسوؤں کی بارش میں لرزتی ہوئی زبان اور کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔

۱۴ دسمبر ۷۲ء

Marfat.com

ارکانِ حج اور اُن کی ادائگی کی ترتیب

حج چھ چیزوں کا نام ہے: حج کے ارکان اور مناسک میں انکی حیثیت جوہری اور بنیادی ہے۔ وہ چھ چیزیں یہ ہیں: احرام، طواف، سعی، وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ، منیٰ کا تین دن کا قیام اور ان دنوں کے خاص خاص کام، اِن چھ مناسک کے بغیر اسلام کا یہ پُرجلال وپُرجمال رکن مکمل نہیں ہوتا۔ احرام گویا حج کی تکبیر ہے، نماز کی پہلی تکبیر کی طرح اس کے باندھنے کے ساتھ حج کرنے والا اپنی روزمرّہ کی معمولی اور عام زندگی سے نکل کر ایک غیر معمولی اور خاص زندگی میں آجاتا ہے اور اس کیلئے وہ تمام چیزیں ممنوع ہو جاتی ہیں جو عیش وآرام اور زیب و زینت کا ذریعہ تھیں۔ احرام پہننے کے بعد امیر وغریب، شاہ وگدا، عالم وغیر عالم، جوان اور بوڑھے سب ایک ہی رنگ میں ہو جاتے ہیں اور اپنا قیمتی اور سِلا ہوا لباس اُتار دیتے ہیں، گویا یہ شہنشاہِ کون ومکان کے دربار میں حاضری کی خاص وردی ہے جو تکلّف وتصنّع سے پاک اور اپنی سادگی اور دل آویزی میں بے مثال ہے، احرام کی پابندیوں اور ذمہ داریوں کو ہمّت، خوشدلی بلکہ جوش وولولہ سے پورا کرنا چاہیئے۔ احرام کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد عمرہ یا حج کی نیت کر لی اور تلبیہ پڑھ لیا تو آپ مُحرِم ہو گئے اور آپ پر احرام کی ساری پابندیاں عائد ہو گئیں۔ احرام کی حالت میں آپ سِلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے، سر اور چہرہ نہیں ڈھک سکتے، ایسا جوتا بھی نہیں پہن سکتے جو پاؤں کی ابھری ہوئی ہڈی کو چھپانے والا ہو، خط نہیں بنوا سکتے، یہانتک کہ جسم کے کسی حصّہ کا ایک بال بھی نہیں توڑ سکتے، ناخن نہیں تراش سکتے، خوشبو نہیں لگا سکتے، جانور کا شکار نہیں کر سکتے، گویا احرام باندھنے والے کی زندگی

Marfat.com

کا نقشہ ہی کچھ اور ہو جاتا ہے اور عالمِ ناسوت ہی میں عالمِ لاہوت کی سیر ہونے لگتی ہے۔ احرام کی ذمہ داریوں کو جذبِ شوق اور کیفیتِ قرب و انابت کے ساتھ تلبیہ کے وِرد کی کثرت سے پورا کرنا چاہیئے۔ تلبیہ کے الفاظ آپ کو خوب یاد ہیں ہم یہاں صرف برکت حاصل کرنے کے لئے اِن ایمان افروز الفاظ کو دُہراتے ہیں:-

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَاشَرِيْكَ لَكَ، لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَاشَرِيْكَ لَكَ"

یعنی خداوندا تیرے دربار میں حاضر ہوں، تیرے حضور میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ساری تعریفیں اور ساری نعمتیں تیری ہی ہیں اور تیری ہی طرف سے ہیں، ملک، اقتدار اور شہنشاہی تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں —— تلبیہ، حج اور عمرے کا نہایت اہم اور خاص ذکر ہے، اس کو حج کرنے والے کا نغمہ و ترانہ کہنا چاہیئے، جو ایک خاص جذبے اور کیفیت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور لباسِ احرام میں لپٹے ہوئے حاجیوں کے دلوں کو گرماتا ہے، تلبیہ اصل میں حضرت ابراہیمؑ کی پکار کا جواب ہے، اللہ تعالیٰ کے خلیلؑ نے اپنے پروردگار کے حکم سے اللہ کے بندوں کو آواز دی تھی کہ آؤ دربارِ الٰہی میں حاضری دو۔ اللہ تعالےٰ کے جو بندے حج یا عمرے کی نیّت سے احرام باندھ کر اللہ کے گھر کی ..... حاضری کے ارادے سے جاتے ہیں وہ یہ تلبیہ پڑھتے ہوئے گویا حضرت ابراہیمؑ کی اس پکار کے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے اپنے برگزیدہ بندے ابراہیم سے آواز دلوا کر ہمیں بلوایا تھا، ہم حاضر ہیں، تیرے حضور میں دل و جان سے حاضر ہیں۔ تلبیہ پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر یقین کرتے ہوئے براہِ راست اسی سے خطاب ہونا چاہیئے اور خشیت و خوف اور ذوق و شوق کی دوگونہ کیفیات کے ساتھ اس کو بار بار پڑھنا چاہیئے ایک احرام بندھے ہوئے حاجی کیلئے یادِ الٰہی کا بہترین اور مؤثّر ترین ذریعہ یہی ہے جب کسی سے ملاقات ہو، جب کسی بلندی پر چڑھنا یا کسی نشیب سے اُترنا ہو تو اِن تمام

Marfat.com

موقعوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت کا تصوّر کر کے یہی کلمات کثرت سے پڑھنے چاہئیں۔ تلبیہ کے بعد ارکان اور مناسکِ حج میں پہلا مرحلہ کعبۃ اللہ کے طواف کا ہے۔ اِس طواف کا نام طوافِ قدوم ہے یعنی حاضری کا طواف۔ ایک طواف میں خانہ کعبہ کے سات چکّر لگائے جاتے ہیں۔ چکّر کی ابتدا حجرِ اسود سے ہوتی ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے یعنی حجرِ اسود ہی طواف کا نقطۂ ابتدا اور نقطۂ انتہا ہے۔ طواف کے وقت مختلف دُعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ ماثور اور منقول دعائیں سہولت سے یاد ہو سکیں تو یاد کر لی جائیں ورنہ اپنی مادری زبان ہی میں دُعا کی جائے۔ دعا کے لئے کسی خاص زبان اور الفاظ کی شرط نہیں ہے، دعا کی رُوح خشوع و خضوع اور اِنابت و حضور ہے اسلئے دعا کے الفاظ پر نہیں اُس کی روح اور حقیقت پر دھیان رکھنا چاہیئے۔ طواف کے بعد سعی کی جاتی ہے۔ سعی کے بھی سات چکّر ہیں۔ اس کی ابتدا صفا پہاڑی سے ہوتی ہے اور مروہ پہاڑی پر پہنچ کر یہ چکّر پورا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سات چکّر پورے کئے جائیں گے اور آخری چکّر مروہ پر ختم ہو گا۔ اِن چکّروں میں بھی دل لگا کر دُعا کرنی چاہیئے۔ اِن پہاڑیوں اور ان کے درمیان کے راستے میں عظمت و برکت کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے۔ یہی وہ بابرکت اور نورانی پہاڑیاں ہیں جن پر حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ ماجدہ اور حضرت ابراہیمؑ کی حرمِ محترم حضرت ہاجرہ شیر خوار اسمٰعیلؑ کے لئے پانی کی جستجو میں بے تابانہ چکّر لگا رہی تھیں، کبھی دوڑ کر صفا پر چڑھتیں اور کبھی مروہ پر۔ ”اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ“ بے شبہ صفا اور مروہ اللہ کی حکمت اور رحمت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سعی سے فارغ ہو کر بیت اللہ شریف کے قریب مطاف یعنی مقامِ طواف کے کسی حصہ میں دو رکعت نفل نماز پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کے بعد یہ نفل نماز پڑھی ہے۔ اگر آپ نے تمتّع کے خیال اور نیت سے عمرے کا احرام باندھا تھا تو اب سر کے بال منڈوا دیجئے یا کتروا دیجئے۔ حلق یا قصر کے بعد عمرہ پورا ہو گیا، احرام

Marfat.com

بھی کھل گیا اور احرام کی کوئی پابندی باقی نہیں رہی، اب وہ سب چیزیں جائز ہو گئیں جو احرام کی وجہ سے ناجائز ہو گئی تھیں۔ یہ سہولت صرف حج کی ایک قسم تمتع کیلئے ہے دوسری دو قسموں اِفراد اور قِران میں احرام نہیں کھلے گا بلکہ مِنیٰ میں دسویں ذی الحجہ کو حلق یا قصر کرانے کے بعد کھلے گا۔ طوافِ قدوم اور سعی کے بعد ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ سے مناسکِ حج کا سلسلہ پھر شروع ہوتا ہے۔ مُفرِد اور قارِن کے احرام تو پہلے ہی سے بندھے ہوئے ہیں۔ مُتمتّع کو اس تاریخ کی صبح کو احرام باندھنا ہوگا اور احرام کے تمام آداب اور پابندیوں کا اسی طرح لحاظ کیا جائے گا جس طرح پہلا احرام باندھنے کے وقت کیا تھا، تلبیہ کا ورد بھی اُسی طرح ہوگا، احرام کی دو رکعتوں اور تلبیہ کے بعد حضورِ قلب سے دُعائیں کرنی چاہئیں، خاص طور سے یہ دعا کی جائے تو موقع اور محل کے لحاظ سے زیادہ موزوں اور مؤثر ہے :-

"اے اللہ! میں تیرے حکم کی تعمیل میں تیری خوشنودی اور رضا کیلئے اپنا گھر بار چھوڑ کر تیرے در پر حاضر ہوا ہوں تو اپنی مدد اور توفیق سے میرا حج کرا دے اور اپنے کرمِ خاص سے اس کو قبول فرمالے اور برکاتِ حج سے سرفراز فرما میں تجھ سے تیری رضا اور جنّت کا سوال کرتا ہوں اور تیری ناراضگی اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔"

۸ ذی الحجہ کی صبح کو تمام حج کرنے والے خواہ ان کا احرام اب بندھا ہو یا پہلے سے بندھا ہوا ہو منیٰ کے لئے روانہ ہوں گے، اس تاریخ میں منیٰ میں کوئی خاص کام نہیں ہے، یہاں کا دن بھر اور شب کا قیام ہی ایک بابرکت عمل ہے، اس وقت کو نمازوں، تلاوتِ قرآن پاک اور ذکرِ الٰہی میں صرف کرنا چاہیئے اور موقع ملے تو یہاں کی مسجدِ خیف میں جماعت سے نماز پڑھنی چاہیئے۔ نویں ذی الحجہ کو صبح کو طلوعِ آفتاب کے بعد یہاں سے میدانِ عرفات کیلئے روانگی ہے۔ منیٰ اور عرفات کے راستہ میں تلبیہ کثرت سے پڑھیئے۔ آج کا دن

Marfat.com

حج کی جان ہے۔ قیامِ عرفات کے یہ چند گھنٹے پورے حج کا خلاصہ ہیں۔ فرائض اور ارکانِ حج میں وقوفِ عرفات اِتنا اہم اور پُرعظمت رُکن ہے کہ اگر یہ رہ جائے تو حج نہیں ہوگا اور اس کی تلافی کی بھی کوئی صورت نہیں ہے۔ وقوفِ عرفات کی ان ساعتوں کو غنیمت جانیئے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے آپ کو اس مقدس وادی اور میدان میں پہنچایا دو آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر تلبیہ کا وِرد کرتے ہوئے مزدلفہ روانہ ہو جایئے۔ آج مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں عشاء کی نماز کے ساتھ مزدلفہ پہنچکر پڑھی جائیگی، مزدلفہ کی یہ رات بڑی فضیلتوں اور برکتوں والی رات ہے۔ "فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفَاتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ" جب عرفات سے چل کر مزدلفہ آؤ تو مشعرِ حرام کے قریب یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ صبح کی نماز مزدلفہ میں پڑھ کر طلوعِ آفتاب سے قبل منیٰ کے لئے روانہ ہو جایئے، راستہ میں ایک نشیبی جگہ وادیِ محسّر آئیگی اس جگہ سے سر جھکائے تیزی کے ساتھ گزر جایئے۔ منیٰ میں اب آپ کو تین روز رہنا ہے اور رمیِ جمرات کی ذمّہ داری سے سبک دوش ہونا ہے۔ ان ہی تین دنوں میں کسی وقت مکہ شریف جا کر حج کا دوسرا اہم فرض طوافِ زیارت مع سعی ادا کرنا ہے۔

پہلے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرۂ عقبیٰ کی رمی ہے۔ اس رمی کے بعد تلبیہ کا وِرد ختم ہو جاتا ہے، رمی سے فارغ ہو کر قربانی اور قربانی کے بعد سر کے بال منڈوانے یا کٹوانے ہیں۔ اس کے بعد احرام کی پابندی ختم ہو جاتی ہے۔ اگلے دو دنوں میں تینوں جمروں پر کنکریاں ماری جائیں گی، منیٰ میں ان دنوں کے قیام کی سب سے اہم عبادت یہی ہے۔ رمیِ جمار اور طوافِ زیارت کے بعد حج کے تمام ارکان مکمل ہو گئے۔

۲۰ نومبر ۱۹۷۸ء

Marfat.com

حج کی دُعائیں

مناسک اور ارکان حج ادا کرنے کے وقت مختلف مقامات اور اوقات میں بہت سی دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ ارکانِ حج ادا کرنے والے اللہ کے نیک بندے اِن دنوں خدا کے مقدس شہر بلدِامین (مکہ معظمہ) میں کعبۃ اللہ کے نورانی سائے میں ایک خاص جذب وکیف کے عالم میں یکجا ہیں اور طوافِ کعبہ و نماز مسجد الحرام کی برکتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ حدیثِ پاک میں دُعا کو بندگی کی رُوح اور مغز کہا گیا ہے۔ جو عبادت دُعا کے کیف و خلوص سے خالی ہو شریعت کی زبان میں بے جان اور بے مغز ہے۔ دوسری خصوصیتوں کے علاوہ اسلام کی یہ خصوصیت بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس نے عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان سے تمام واسطوں اور حجابوں کو ہٹا دیا ہے۔ بندہ اپنے رب کو جب چاہے جس وقت چاہے بے تکلّف پُکار سکتا ہے اور بندوں کا پروردگار پیار و محبّت سے ان کی پکار سُنتا ہے۔ قرآن پاک نے آنحضرتؐ کے ذریعہ صاف اعلان کر دیا۔ "واذا سألك عبادى ...... اذا دعانِ ؕ"۔ اے پیغمبر! جب میرا کوئی بندہ میرے متعلق تم سے دریافت کرے کہ کیونکر مجھ تک پہنچ سکتا ہے تو تم اس کو بتا دو کہ میں تو اس کے پاس ہوں۔ وہ جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور اسے قبول کرتا ہوں ــــــ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کے متعلق ارشادِ نبوی ہے کہ "جس کو خانۂ کعبہ کی حاضری اس طرح میسّر ہو گئی کہ بدکلامی اور فسق و فجور سے بچا رہا تو وہ اپنے گھر ایسی حالت میں واپس ہو گا کہ گویا آج ہی دنیا میں آیا اور اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔" اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ حج کے دنوں کی

Marfat.com

دعائیں جو خاص خاص مقامات پر کی جاتی ہیں شرفِ قبولیت سے زیادہ قریب ہیں۔ اور طلب و سوال کیلئے اس سے زیادہ مناسب و موزوں کوئی دوسرا وقت نہیں ہو سکتا۔ لیجئے اب آپ خدا کے گھر کا طواف کر رہے ہیں اور اسکے گرد سات چکر پورے کرینگے۔ جب آپ طواف شروع کریں اور حجرِ اسود سے بیت اللہ کے دروازے کی جانب چلیں تو سب سے پہلے یہ دعا پڑھیں۔ "اللّٰھم ایمانا بک ..... محمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔ اے خدا میں تیرے گھر کا طواف کرتا ہوں تجھ پر ایمان لاتے ہوئے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، تیرے عہد و قرار کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے"۔ یہ دُعا ملتزم کے سامنے چند قدموں میں ختم ہو جائیگی اور آپ بیت اللہ کے دروازے پر پہنچ جائیں گے۔ حجرِ اسود اور خانہ کعبہ کے دروازے کے درمیان اڑھائی گز کے قریب بیت اللہ شریف کی دیوار کا جو حصہ ہے اس کا نام ملتزم ہے۔ اسکے معنی ہیں لپٹنے کی جگہ۔ یہ دعا کی مقبولیت کا خاص اور نہایت اہم مقام ہے۔ یہاں خوب جی لگا کر اور رو رو کر دعا کیجئے۔ جو دعا یاد ہو اور جس زبان میں ہو، جس دعا میں زیادہ جی لگے اور قلب میں خوف و خشیت کی کیفیت پیدا ہو وہی دعا مانگنی چاہیئے۔ یہ دعا یا اس کا ترجمہ یاد ہو تو اور بھی بہتر ہے۔ "اللّٰھم ان ھٰذا البیت ..... فاجرنی من النار"۔ اے اللہ! یہ گھر تیرا گھر ہے، یہ حرم تیرا حرم ہے اور یہ امن تیرا ہی دیا ہوا امن ہے اور یہ جگہ آتشِ دوزخ سے تیری پناہ پکڑنے والوں کی جگہ ہے۔ تو اپنے رحم و کرم سے مجھے بھی عذابِ جہنّم سے بچا دے"۔ میزابِ رحمت کے سامنے پہنچ کر یہ دعا مانگیے۔ "پروردگار! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جسے کبھی زوال نہ ہو اور ایسے یقین کا طلبگار ہوں جو کبھی ختم نہ ہو اور بہشت میں تیرے نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! قیامت کے دن کہ جس میں تیرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اور تیری ذاتِ پاک کے سوا کوئی باقی نہ ہوگا، مجھے اپنے

Marfat.com

عرش کا سایہ نصیب فرمائیے اور اپنے نبیِ برحق حضرت محمدؐ کے حوض کوثر سے مجھے ایسا جام پلائیے کہ اس کے بعد مجھے کبھی پیاس نہ لگے"۔ جب آپ بیت اللہ کے جنوبی مغربی گوشے (رکنِ یمانی) پر پہنچیں تو دل کی لگن سے یہ دعا مانگیں "اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ..... وَالْاٰخِرَۃ"۔ "پروردگار! میں دنیا اور آخرت میں تجھ سے معافی اور امن و عافیت کا طالب ہوں"۔ رکنِ یمانی سے حجرِ اسود کی طرف چلتے ہوئے یہ دعا پڑھئے "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً ...... عَذَابَ النَّار"۔ "پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا"۔ طواف کے بعد طواف کی دو۲ رکعتوں سے فارغ ہو کر جو مقامِ ابراہیم یا اس کے آس پاس پڑھی جاتی ہیں پھر ملتزم پر آئیے اور یہ خیال جما کر جس زبان میں چاہے دعا مانگیے کہ یہ ربِّ کریم کی چوکھٹ ہے اور وہ میری حالت کو دیکھ رہا ہے اور میری آہ و زاری سُن رہا ہے۔ عربی زبان کی یہ دعا سہولت سے یاد ہو جائے تو اسکو پڑھیئے۔ "اللھم رب ھذا البیت ...... بغیر حساب"۔ اس قدیم و متبرک گھر کے مالک! ہماری گردنوں کو دوزخ کے عذاب سے آزاد کر دے اور جنّت میں بغیر حساب و کتاب کے محض اپنے کرم اور اپنی بخشش سے داخل کر دے۔ ملتزم پر دعا کر کے زمزم شریف پر آئیے اور قبلہ رُو ہو کر بسم اللہ پڑھ کر آبِ زمزم پیجیے اور یہ دعا پڑھیئے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَآءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ"۔ "پروردگار! مجھے نفع بخش علم نصیب فرما اور وسعت و فراخی کے ساتھ روزی عطا فرما اور ہر بیماری سے شفا دے"۔ اسکے علاوہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کے وقت کی دعائیں، میدانِ عرفات میں وقوف کی دعائیں، مزدلفہ اور منیٰ میں قیام کے دنوں کی دعائیں ہیں۔ ان لمحات کو غنیمت جان کر حضورِ قلب اور خشوع و خضوع سے خوب خوب دعا کرنی چاہیئے۔ دعا کیلئے نہ کسی زبان کی شرط ہے نہ کسی خاص وقت کی۔ بے سمجھے رٹی ہوئی دعائیں پڑھنے سے بہرحال دل لگا کر اپنی زبان میں دعا کرنا بہتر ہے۔

۲۵ مارچ ۱۹۶۶ء

Marfat.com

صَفا، مروہ کے درمیان

ارکان اور مناسکِ حج میں چھ چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں: احرام، طواف، سعی، وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ، منیٰ کا سہ روزہ قیام اور ان دنوں کے خاص اعمال و افعال، ان چھ مناسک کے بغیر اسلام کا یہ عظیم الشان اور باعزت رکن جس میں انسان کی خداپرستی اور ذوقِ عبادت و ریاضت کو ایک عجیب ولولہ انگیز قالب میں سمویا گیا ہے پوری طرح ادا نہیں ہوسکتا۔ حج جس کے معنی قصد و ارادے کے ہیں، ان مقاماتِ مقدس میں حاضر ہوکر خاص طرح کے آداب و اعمال بجالانے کا نام ہے۔ احرام گویا حج کی تکبیر ہے جس کے باندھنے کے ساتھ انسان اپنی عام اور روزمرّہ کی زندگی سے نکل کر ایک غیر معمولی اور خاص حالت میں آجاتا ہے، اسلئے اُس پر وہ تمام چیزیں حرام ہوجاتی ہیں جو دنیوی عیش و راحت، زیب و زینت اور سیر و تفریح کا ذریعہ تھیں۔ احرام کی نیت کے بعد شاہ و گدا، امیر و غریب، حاکم و محکوم، عالم و جاہل، عیش پسند دولت مند اور محنت کش مزدور سب اپنے قیمتی کپڑوں کو اُتار دیتے ہیں اور انسانی زندگی کے ابتدائی دَور کا بے سِلا کپڑا پہن لیتے ہیں، یہ غالباً عہدِ ابراہیمی کے لباس کی تمثیل اور عکس ہے جو اس وقت کیلئے اس وجہ سے پسند کیا گیا کہ اُس عہدِ میمنت کی کیفیت ہماری شکل و صورت سے بھی ظاہر ہو گویا یہ شہنشاہِ کون و مکان کی بارگاہ میں حاضری کی وردی ہی جو تکلّف و تصنّع سے یکسر پاک اور اپنی سادگی میں لاجواب ہے۔ احرام کی پابندی کے بعد حج کے تمام مناسک اپنے اپنے مقام پر ادا کئے جاتے ہیں۔ اِن عباداتِ و مناسک میں صفا، مروہ کی سعی بھی ہے جس کو ایک خاص کیفیت اور جوش و ولولے کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

صفا، مروہ دو پہاڑیاں ہیں جو ٹھیک کعبۃ اللہ کے سامنے ہیں۔ اِن دونوں پہاڑیوں اوران کے درمیان کے راستہ میں برکت وعظمت کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے یہی وہ بابرکت اور مقدس پہاڑیاں ہیں جن پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حرمِ محترم حضرت ہاجرہ شیرخوار اسمٰعیل کے لئے پانی کی تلاش میں بیتاب اور پریشان حال چکر لگا رہی تھیں کبھی صفا پر جاتیں اور کبھی مروہ پر کہ کہیں پانی کا پتہ لگے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے اکلوتے بچّے اوران کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو ساتھ لیکر شام کے سرسبز و شاداب ملک سے حجاز کے لق ودق صحرا اور گرم ریگستان میں تشریف لائے اور دونوں کو یہیں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اب اس ویرانے اور بے آب وگیاہ میدان میں تنہا ایک خاتون اوران کا معصوم شیرخوار بچّہ رہ گئے، جن سے اُمّ القریٰ شہر مکہ کی آبادی اور پاسبانی کا کام لیا جانے والا تھا۔ حضرت ہاجرہؑ پانی کی جستجو میں تڑپ تڑپ کر نکلتی تھیں اور بچّہ پر نگاہیں جمائے رکھتی تھیں، جہاں بچہ نظروں سے اوجھل ہوتا.... بے تابانہ دوڑنے لگتیں، یہاں تک کہ زمزم کا چشمہ ان کو نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس صابر وشاکر خاتون کی یہ مضطربانہ بھاگ دوڑ ایسی پسند آئی کہ اسکو مناسکِ حج میں شامل کر کے مِلّی نشان بنا دیا۔ ”اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللہِ “ بے شبہ صفا، مروہ پہاڑیاں اللہ کی حکمت ورحمت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس طرح ان دونوں متبرک پہاڑیوں کے درمیان کی یہ سعی حج وعمرہ کا ایک جزو بن گئی۔ اس وادی میں اللہ کے کتنے ہی برگزیدہ پیغمبروں کے قدم پڑے ہیں اوران قدموں کے نقوش کی برکت کا آج بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

سعی کے سات چکر اور پھیرے ہوتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے طواف سے فارغ ہوکر مسجد الحرام کے دروازے ”باب الصفا“ سے باہر نکلتے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔ ”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ “۔ اور صفا پر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے اتباع اور پیروی میں یہ کلمات کہنے چاہئیں:-

"اَبۡدَءُ بِمَا بَدَ أَ اللهُ بِهٖ اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ الله" یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے صفا کا نام پہلے لیا ہے میں بھی اسی سے سعی کی ابتدا کرتا ہوں، یہ کہہ کر پہلا پھیرا شروع کردے اور خدا کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل زبان پر جاری رکھے۔ سعی کے دوران یہ دُعا خاص طور پر وردِ زبان ہونی چاہیئے "رَبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَتَجَاوَزۡ عَمَّا تَعۡلَمُ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعَزُّ الۡاَكۡرَمُ" پروردگار! بخشش اور رحم فرما اور ہماری جو لغزشیں تیرے علم میں ہیں اُن سے درگزر فرما، تو ہی غالب، طاقتور اور کریموں کا کریم ہے۔ صفا سے کچھ دُور چل کر دائیں بائیں دو سبز ستون ہیں، یہ اس کی نشانی ہے کہ یہاں سے تیز چلنا ہے، وادی کا یہی وہ حصّہ ہے جہاں حضرت ہاجرہؑ کی نظر سے اسمٰعیل پوشیدہ ہو گئے تھے اور انہوں نے بے چین ہو کر تیز قدم اُٹھائے تھے۔ اس کے بعد پھر ایسے ہی دوہرے ستون آئینگے، یہ اس کی علامت ہیں کہ یہاں پہنچ کر دوڑنا ختم ہو جاتا ہے اور پھر مروۃ تک وہی معمولی رفتار رہتی ہے۔ ان ستونوں کو "مِیۡلَیۡنِ اَخۡضَرَیۡنِ" کہا جاتا ہے، یعنی سبز نشانیاں، صفا سے مروہ تک یہ ایک چکّر ہوگا، اسی طرح سات چکر پورے کئے جائیں گے اور آخری چکّر مروہ پر ختم ہوگا، ہر پھیرے میں صفا مروہ پر پہنچکر قبلہ رُو مونڈھوں تک ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنی چاہیئے، دعا کیلئے کسی خاص زبان اور الفاظ کی شرط نہیں ہے، ماثور و منقول دعاؤں میں سے کوئی دُعا بے تکلف یاد ہو جائے تو بہت اچھا ہے ورنہ بے سمجھے رٹی ہوئی دعاؤں کے پڑھنے سے بہتر یہی ہے کہ سمجھ کر دل کی لگن کے ساتھ اپنی مادری زبان میں دعا کی جائے، سات چکروں کے بعد سعی مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس سلسلہ کا ایک اور کام ہے اور وہ ہے بیت اللہ شریف کے قریب مطاف یعنی مقامِ طواف کے کسی حصّہ میں نفل نماز کی دو رکعتیں پڑھنا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھی ہیں۔

۱۰ر فروری ۱۹۷۰ء

مکّہ سے مدینہ کی روانگی

لیجئے! اب آپ حج کی نعمت سے مشرف ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس دولت سے نواز دیا۔ مناسکِ حج کا یہ سلسلہ ۸ ذی الحجہ سے شروع ہوا تھا اور ۱۲ ذی الحجہ کو ختم ہوگیا۔ مقامِ شکر ہے کہ احرام، طواف، سعی، منیٰ کا قیام، وقوفِ عرفات و مزدلفہ اور رمیِ جمرات کی ذمہ داریاں بخیریت تمام پوری ہوگئیں۔ یہ ایک اہم اور مقدس فرض تھا جو ادا ہوگیا۔ اس فرض کے ساتھ ایک فریضۂ عشق و محبت بھی ہے اور وہ ہے مدینۂ پاک کی حاضری اور روضۂ اقدس کی زیارت۔ اس حج کرنیوالے کی خوش بختی کا کیا کہنا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرمالیں۔ سعادتِ حج سے سرفراز ہونے کے بعد مسافرِ حج کا دل جذباتِ جذب و شوق سے معمور ہوتا ہے اور وہ جلد سے جلد حضورؐ کے قدموں میں سر رکھنے کے لئے بیتاب رہتا ہے۔ مدینۂ طیّبہ کی یہ حاضری حج سے پہلے بھی ہوتی ہے اور حج کے بعد بھی۔ حج کرنیوالوں کی ایک تعداد حج سے قبل یہ سعادت حاصل کرتی ہے اور ایک تعداد کو فریضۂ حج سے فراغت کے بعد حاضری کا موقع ملتا ہے۔ دیارِ حبیب کی حاضری، مسجد نبوی میں نماز کی ادائیگی۔ روضۂ اقدس کی زیارت اگرچہ ارکانِ حج کی فہرست میں شامل نہیں ہیں لیکن دربارِ رسالت کی حاضری نہ دینے سے حج کرنیوالے کی زندگی میں ایسا خلا پیدا ہوجاتا ہے جسے کسی حالت میں پر نہیں کیا جاسکتا۔ حدیث شریف میں وارد ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا "جس نے میری قبر کی زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔" (بزرگوں کا قول ہے دنیا میں دو نعمتیں ایسی ہیں کہ لوگوں کو ان کا علم بھی ہے اور وہ ان کے پاس بھی ہیں لیکن وہ ان کی قدر نہیں کرتے، اور

Marfat.com

ان سے فیض یاب نہیں ہوتے: ایک تو قرآنِ کریم ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ براہِ راست ہم کلام ہوتا ہے اور لوگ ہیں کہ اس سے غافل ہیں، دوسری نعمت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ اقدس ہے جو روضۂ مبارک میں موجود ہے۔ بد نصیب ہے وہ شخص جو صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود اس نعمت سے محروم رہے)

روضۂ اطہر کی زیارت کو حضورؐ نے گویا اپنی زندگی میں اپنی زیارت قرار دیا۔ ارشادِ نبوی ہے: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت ضروری ہوگئی۔ (نیز ارشاد ہے: جو شخص میری زیارت کریگا قیامت کے دن وہ میرے پڑوس میں ہوگا۔)

مکہ، مدینہ کے راستہ کی تمام منزلیں برکتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ کسی زمانہ میں یہ سفر اونٹوں کی سواری پر ۱۳ روز میں پورا ہوا کرتا تھا، اب موٹروں اور ہوائی جہازوں کا زمانہ ہے۔ جدّہ سے ہوائی جہاز ایک گھنٹہ میں اور تیز رفتار موٹر پانچ چھ گھنٹے میں پہنچ جاتی ہے اسلئے اب مختلف منزلوں پر قیام کا اور ان سے برکتیں حاصل کرنے کا مسئلہ مضحکہ ہوگیا۔ مکہ معظمہ سے روانگی کی پہلی ہی منزل پر ایک کنواں ہے جس کو حُدیبیہ کہتے ہیں۔، گاؤں بھی اسی کنوئیں کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اب اس مقام کا نام شمسیہ ہے۔ تاریخِ اسلام کا مشہور و معروف انقلاب انگیز معاہدۂ صلح یہیں لکھا گیا تھا اور اسی مقام پر ایک ببول کے درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار ساتھیوں سے بیعت لی تھی جس کا نام "بیعت الرضوان" ہے، قرآنِ پاک نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا" خدا مسلمانوں سے راضی تھا جبکہ وہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، سو خدا نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا (یعنی صدق و خلوص) تو ان پر تسلّی نازل فرمائی اور انھیں جلد فتح عنایت کی۔" اس راستہ کی آخری منزل ذوالحلیفہ (بیر علی) ہے۔ اس جگہ سے

Marfat.com

مدینہ طیبہ پانچ چھ میل رہ جاتا ہے۔ ذوالحلیفہ سے موٹر روانہ ہونے کے بعد چند ہی منٹ میں مدینہ طیبہ کی آبادی نظر آنے لگتی ہے اور آنکھ کا نور اور دل کا سرور "گنبدِ خضرا" سبز نگینے کی طرح آبادی کے بالکل وسط میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ جیسے ہی گنبدِ خضرا پر نظر پڑے محبت کے سوز اور رقت کے جذبات میں غرق ہوکر یہ دعا کیجئے:-

"اے اللہ! یہ تیرے حبیب کا محبوب شہر ہے اور تیرے حبیب نے تیرے حکم سے اس کو حرم قرار دیا ہے اس میں میرے داخلہ اور میری حاضری کو ہر قسم کے عذاب سے امان کا ذریعہ بنا۔"

موقع ملے تو وادیٔ عقیق (بیر عُروہ) سے پیدل چلنے اور اللہ کے محبوب کے محبوب شہر میں نیاز و عشق کی مِلی جُلی کیفیت کے ساتھ داخل ہونے کی کوشش کیجئے۔ مدینہ طیّبہ کے جس دروازے سے آپ داخل ہونگے اس کا نام باب العنبریہ ہے، جیسے ہی اس میں داخل ہوں خشوع و خضوع کے ساتھ عرض کیجئے۔ "الا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ۔" اور چلتے چلتے یہ دعا کیجئے:-

"اے اللہ! اپنی جس رحمت و کرم سے تو نے مجھے یہ مبارک دن دکھایا ہے کہ میں تیرے حبیب کے محبوب شہر میں داخل ہو رہا ہوں اسی کرمِ خاص سے تو مجھے یہاں کی برکتیں عطا فرما اور ان تمام باتوں سے میری حفاظت فرما جو یہاں کی برکتوں سے محرومی کا سبب ہوتی ہیں۔"

شہر میں داخل ہونے کے بعد غسل یا وضو کرکے کپڑے بدل کر، خوشبو لگا کر سب سے پہلے مسجدِ نبوی کی طرف آئیے اور "بسم اللہ والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ" کہہ کر پورے ادب کے ساتھ پہلے داہنا پاؤں اندر رکھیے اور یہ دعا پڑھیے۔ "اللھم اغفرلی وافتح لی ابواب رحمتک۔" پہلے مسجد شریف کے اس حصہ میں جائیے جو روضۂ مطہرہ اور منبر شریف کے درمیان ہے اور جس کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے: یہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک

Marfat.com

کیاری ہے، یہاں پہنچ کر "تحیۃ المسجد" کی دو رکعتیں پڑھیئے، اس کے بعد ادب و احترام کے بھرپور جذبات کے ساتھ مواجہہ شریف میں آیئے یعنی حضورؐ کے روبرو حاضری دیجئے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں اور حضورؐ میری گزارش بہ نفسِ نفیس سُن رہے ہیں نرم اور ہلکی آواز سے سلام عرض کیجئے، جو سلام یاد ہو اور بے تکلف پڑھ سکتے ہوں پڑھیئے، کم سے کم یہ الفاظ تو ہونے ہی چاہئیں۔ السلام علیك یا رسول اللّٰہ، السلام علیك یا حبیب اللّٰہ، السلام علیك یا خیر خلق اللّٰہ، السلام علیك ایّھا النّبیّ ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ۔ پھر حضورؐ اقدس کے حضور میں سلام اور اپنی معروضات عرض کرنے کے بعد ایک ہاتھ داہنی جانب ہٹ کر حضورؐ کے سب سے بڑے جاں نثار حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔" السلام علیك یا خلیفۃ رسول اللّٰہ، السلام علیك یا صاحبَ رسولِ اللّٰہ فی الغار ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ"۔ اس کے بعد تقریباً ایک ہاتھ اور داہنی ہی جانب ہٹ کر حضرت فاروقِ اعظمؓ کے روبرو حاضر ہو کر سلام عرض کیجئے" ۔ السلام علیك یا امیر المؤمنین، السلام علیك یا عِزّ الاسلام والمسلمین ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ"۔ دن میں بھی جتنی مرتبہ جی چاہے روضۂ اقدس پر حاضری دیجئے اور سلام عرض کیجئے مگر ہر بار عظمت و ادب اور اشتیاق و محبت کے ساتھ، دل کی ایک حالت نہیں رہتی، وہ بھی سوتا اور جاگتا ہے، جاگے تو سمجھیئے کہ نصیب جاگ گئے، ایسے وقت میں حاضری کا خاص اہتمام کیجئے، دل کی حالت اور کیفیت بدلتی رہتی ہے، کبھی جی چاہتا ہے تنہائی میں دبے پاؤں حاضری ہو، کبھی جی چاہتا ہے دوسروں کے ساتھ مل کر چلیں، مجمع میں جب آنسوؤں کا مینہ برسے گا تو کیا بعید ہے کہ کوئی چھینٹا ہمیں بھی تر کر جائے، رحمت کی ہوا جب چلے گی تو شاید اس کا کوئی جھونکا ہمیں بھی لگ جائے، کبھی صرف آنسوؤں سے زبان کا کام لیجیے، کبھی ذوق و شوق کی زبان میں عرض کیجئے، اور جو درود شریف سہولت سے یاد ہو سکے اس کا کثرت سے وِرد کیجیے اور مدینہ منورہ

Marfat.com

کے قیام کی ایک ایک گھڑی کو غنیمت جانیے۔

مدینہ طیبہ میں مسجد شریف اور روضۂ اقدس کے بعد سب سے اہم مقام وہاں کا قدیم قبرستان "جنّت البقیع" ہے۔ اس پاک قطعۂ زمین میں اہلِ بیت کرام، ازواجِ مطہرات، خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذی النورین، بڑے بڑے اصحابِ رسولؓ اور ائمۂ عظام آرام فرما ہیں، جب بھی موقع ملے یہاں حاضری دیجیے اور اس خطۂ پاک کی برکتوں سے فیض حاصل کیجیے، مسجدِ قُبا بھی اس مقدس شہر کی متبرک ترین مسجد ہے جس کے متعلق قرآنِ کریم کا ارشاد ہے "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى" یعنی وہ مسجد جس کی بنیاد اخلاص و تقویٰ پر رکھی گئی۔ یہ وہ بقعۂ نور ہے جو حضورِ اکرم کے قدومِ میمنت لزوم سے سب سے پہلے مشرّف ہوا۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اس مسجد میں نماز کی دو رکعتوں کے پڑھنے کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے، یہاں ضرور حاضری دیجیے اور اس مقام کی برکتیں حاصل کیجیے، مدینہ شریف سے تین میل کے فاصلہ پر سیّدنا حمزہؓ اور غزوۂ اُحد میں شہید ہونیوالے ستّر صحابۂ کرامؓ کے مزارات ہیں، یہاں کی حاضری کی بھی بڑی اہمیّت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاص اہتمام سے اس گنجِ شہیداں پر تشریف لے جایا کرتے تھے آپ بھی یہاں کی حاضری کی سعادت حاصل کریں، یہ جاں نثاروں کی بستی ہے اور اسکی زمین شمعِ نبوّت کے پروانوں کی خاک ہے ـــــ اس کے علاوہ مدینہ منوّرہ میں اور بھی متعدّد تاریخی مسجدیں ہیں جن کی حسبِ فرصت زیارت کرنی چاہیئے جیسے مسجد قبلتَین، مسجد فتح، مسجد ابی بکر، مسجد عمر الخطاب، مسجد علی بن ابی طالب، مسجد ابی ذر وغیرہ۔

محوِ آرام ہیں جس خاک پہ اصحابِ اُحد ایک مہجور کا اس گنجِ شہیداں کو سلام
جس میں ہے خُلد در آغوش قبا کی مسجد اُس خیاباں کو سلام اُس چمنستاں کو سلام
جس میں ہر لحظہ مہکتی ہے نسیمِ رحمت اُس گلستاں کو سلام اہلِ گلستاں کو سلام

اُن کی رحمت سے بِبشر ہوں وہ دن کاش حمید
خود کریں عرض شہنشاہِ رسولاں کو سلام

۲۸ نومبر ۱۹۷۶ء

Marfat.com

حجرِ اسود

مقامِ ابراہیم، زمزم، صفا، مروہ اور غارِ حرا کی طرح حجرِ اسود کی بھی زبردست تاریخی اور شرعی حیثیت ہے بلکہ استیلام وغیرہ بعض غیر معمولی خصوصیات کے لحاظ سے یہ اپنی شان اور عظمت میں لاجواب ہے۔ مقامِ ابراہیم وہ مقدس پتّھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے کعبۂ محترم کی تعمیر کی تھی، اِس پتّھر پر پیغمبرِ برحق کے نشانِ قدم بھی بتائے جاتے ہیں۔

زمزم وہ چشمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے حضرت ابراہیمؑ کے لختِ جگر حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے ظاہر کیا تھا، یہ چشمہ ایک زمانہ کے بعد خشک ہو گیا تھا لیکن برکت کے خیال اور اللہ تعالیٰ کے انعام کی یادگار کے طور پر پھر اسی جگہ کنواں کھود لیا گیا یہ برکتوں والا کنواں حوادثِ زمانہ کی لپیٹ میں آکر کتنی ہی بار کھُلا اور بند ہوا، مگر اب صدیوں سے یہ نہایت پاکیزہ اور صاف وشفّاف کنواں کعبہ کے قریب بنا ہوا ہے، اس کا پانی شب و روز کھنچتا ہے لیکن ٹوٹتا نہیں۔ صفا حرم شریف کے متّصل جنوب مشرق میں ایک پہاڑی ہے جس کا نقشہ اب کچھ اور ہی ہو گیا ہے۔ مروہ اس کے بالمقابل حرم کے شمال مشرق کی جانب چھوٹی سی پہاڑی ہے، اب اس کا منظر بھی کچھ اور ہی ہے، ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان جس جگہ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں بے تابانہ دوڑ کر چلی تھیں اس جگہ پر دو سبز نشان بنا دیئے گئے ہیں، اُن کا نام "مِیلَینِ اَخضَرَین" ہے۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو عرب میں لائے اور ان کو یہیں آباد کیا، پھر چند سال کے بعد خود بھی مکہ آگئے۔ اب حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہو چکے

Marfat.com

تھے دونوں نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی۔ "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ" اور جبکہ ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ خانۂ خدا کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ گھر تیار ہو گیا تو وحیِ الٰہی نے ندا دی "وَطَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ" ہمارا گھر طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، رکوع کرنیوالوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کر۔" عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا۔ ایک پتھر لاؤ کہ اس کو ایسے مقام پر لگا دوں جہاں سے طواف کی ابتدا ہو۔ اسی مقدس پتھر کا نام "حجرِ اسود" ہے یعنی سیاہ پتھر، یہ گول پتھر کوئی ڈیڑھ دو فٹ کے دور میں ہے، اس کا رنگ سیاہ ہے، اس کو عقیقِ سیاہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ کعبہ کے مشرقی جنوبی گوشے میں باہر کی جانب کم و بیش چار فٹ کی بلندی سے چاندی کے حلقہ میں جڑا ہوا ہے، کسی صدمہ اور حادثہ میں اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے تھے جس کو ملا کر یکجا کر دیا گیا ہے، اس کو نہ کوئی پوجتا ہے نہ حاجت روا یا کچھ اور سمجھتا ہے، صرف اس لئے کہ یہ بانیِ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا لگایا ہوا ہے اور ایک روایت کے مطابق جنت سے حضرت آدمؑ کے ساتھ آیا تھا، اس کو بابرکت سمجھا جاتا ہے۔ اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان بزرگوں کی یادگار سمجھ کر بوسہ دیا تھا، (جیسا کہ جب ہم اپنے محبوب کی کسی چیز کو پاتے ہیں تو اس کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں اور یہ چومنا اور آنکھوں سے لگانا اس شخص سے محبت کا اظہار ہوتا ہے جس کی یہ نشانی ہے، علی الخصوص طوافِ کعبہ کے وقت جو دنیا سے بے تعلقی اور خدا اور اس کے برگزیدہ بندوں سے تعلق و محبت کا خاص وقت ہوتا ہے) اس لئے طواف کے وقت اس کو بوسہ دینے کا دستور ہو گیا اور ہجوم کی وجہ سے بوسہ نہ دے سکے تو اس کی طرف ادب و احترام کا اشارہ ہی کر دے، یہ ایک دلپسند طریقہ اور ولولہ انگیز سنت ہے، کیونکہ اس میں حضورؐ کی پیروی اور حضورؐ کے بزرگوں کے ساتھ محبت اور

Marfat.com

ان کے طریقے کو پسند کرنے کی شان جھلکتی ہے۔

فاروقِ اعظمؓ نے ایک دفعہ حجرِ اسود کو خطاب کر کے کہا تھا "میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں رسول اللہ صلعم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو کبھی تیرا بوسہ نہ لیتا"۔ کعبہ کی مختلف زمانوں میں تعمیر ہوتی رہی اور اس پر مختلف دَور آتے رہے لیکن حجرِ اسود اسی طرح محفوظ رہا۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل قریش نے اس کی تعمیرِ نَو کرائی، ان دنوں کعبہ کی عمارت صرف قدِ آدم بلند تھی اور دیواروں پر چھت بھی نہیں تھی، چونکہ عمارت نشیب میں تھی بارش کے زمانے میں شہر کا پانی حرم میں آجاتا تھا اس کی روک کیلئے بالائی حصّہ پر بند بنوا دیا گیا تھا لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا جس کی وجہ سے عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا، بالآخر یہ رائے ہوئی کہ موجودہ عمارت کو گرا کر از سرِ نو زیادہ مضبوط عمارت بنائی جائے، تمام قریش نے ملکر تعمیر شروع کی، مختلف قبیلوں نے عمارت کے مختلف حصّے آپس میں تقسیم کرلئے کہ کوئی قبیلہ اس شرف سے محروم نہ رہ جائے، لیکن جب حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر لگانے کا مرحلہ آیا تو جھگڑا ہونے لگا، ہر شخص کی خواہش تھی کہ یہ متبرک خدمت اس کے ہاتھ سے انجام پائے، رفتہ رفتہ نزاع نے خوفناک صورت اختیار کرلی یہاں تک کہ تلواریں کھنچ گئیں، چار روز تک یہ نزاع مسلسل جاری رہا، پانچویں دن قریش کے سب سے زیادہ عمر رسیدہ ایک شخص نے یہ رائے دی کہ کل صبح سب سے پہلے جو شخص حرم میں آئیگا وہی ثالث اور حکم بنا دیا جائیگا، تمام قبیلوں کے ذمّہ داروں نے یہ رائے مان لی۔ دوسرے روز مجمع موقع پر پہنچا تو کرشمۂ قدرت کا ظہور اس طرح پر ہوا کہ سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس شخص پر پڑیں وہ چہرۂ محمدی تھا، جیسے ہی حضورؐ پر نظر پڑی لوگ بے اختیار پکار اُٹھے "ھٰذا الامین رضیناہ"، امین آگیا ہم اسکے فیصلے پر رضامند ہیں۔ حضورؐ نے اپنی زیرکی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر فرمائی کہ سب خوش ہوگئے۔ آپؐ نے ایک چادر بچھائی اس پر سنگِ اسود

Marfat.com

اپنے دستِ مبارک سے رکھ دیا پھر ہر قبیلہ کے سردار سے فرمایا کہ چادر کے کونے تھام لیں اور اس کو اوپر اُٹھائیں، چادر موقع کے برابر آگئی تو آپ نے پتھر اُٹھاکر طواف کے سرے پر لگادیا۔ اس طرح آپ کے حسنِ تدبر سے ایک خوں ریز جنگ جس کیلئے یہ جنگجو قبیلے بہانے تلاش کیا کرتے تھے رُک گئی۔ اب حجرِ اسود کے متعلق کچھ اور روایتیں بھی سُنیئے۔ ایک حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے: حجرِ اسود جنّت سے آیا ہے اور یہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا' اس کو انسانوں کے گناہوں نے سیاہ کردیا۔ اربابِ تحقیق اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ حجرِ اسود اپنے شرف اور عظمت کے اعتبار سے اس درجے کا ہے کہ گویا جنّت ہی سے اُترا ہے' اور یہ کہ بنی آدم کے گناہ دلوں ہی پر نہیں جمادات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں، گویا حدیثِ پاک کا منشا ایک اثر انگیز پیرایہ میں حجرِ اسود کی عظمتِ خاص اور معاصی کی قباحت و شناعت کا بیان ہے' یہ مطلب نہیں کہ یہ پتّھر حقیقتاً جنّت سے دودھ کی طرح سفید آیا تھا' انسانوں کے گناہوں نے اس کو کالا کردیا۔ ایک اور روایت میں حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیمؑ کو جنّت کے دو یاقوتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک اور عجیب وغریب اور دل چسپ روایت میں یہ ہے کہ ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کو پانچ پہاڑوں کے پتّھروں سے تعمیر کیا تھا۔ سینا، زیتا، لبنان، جودی، اور حرا۔ تعمیر جب حجرِ اسود کی جگہ پہنچی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیل سے فرمایا: یہاں کوئی خوبصورت سا پتّھر لگانا چاہیئے جس کو ایک نشان اور علامت بنادیا جائے۔ اسمٰعیلؑ ایک خوبصورت پتھر لائے۔ ابراہیمؑ نے فرمایا: اس سے بھی عمدہ پتھر لاؤ۔ اسمٰعیلؑ دوبارہ تشریف لیگئے تو مکہ کے پہاڑ ابو قبیس سے آواز آئی: آپ کی امانت میرے پاس موجود ہے اسے لے لیجیے۔ اسمٰعیلؑ نے حجرِ اسود وہاں سے لے لیا اور اس جگہ نصب کردیا۔ اس مقدس پتّھر کو ابتک اربوں انسان چوم چکے ہیں اور قیامت تک چومتے رہیں گے۔ یہاں بوسے کے لئے کشمکش اور ہجوم کا منظر ایسا ہوتا ہے جیسے شہد کے چھتّے پر مکھّیوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔

۱۴ر جنوری ۱۹۷۵ء

۷

غارِ حرا غارِ ثور اور جبلِ ابوقُبَیس

آج ہم بعض ان مقدس اور بابرکت مقامات کا ذکر کر رہے ہیں جو اگرچہ عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور صفا مروہ وغیرہ کی طرح اصطلاحی طور پر مقامات حج میں شامل نہیں ہیں لیکن تاریخی اور روحانی حیثیت سے ان کی غیر معمولی اہمیت ہے، ان کی برکت او تقدس کے نور سے ہر کلمہ گو کا دل معمور رہتا ہے۔ ان خاص مقامات میں غارِ حرا، غارِ ثور اور جبلِ ابوقبیس خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہیں۔

کوہِ حرا جس کو جبلِ نور بھی کہتے ہیں شہر مکہ سے تین میل یعنی پانچ کلومیٹر کی مسافت پر ایک پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ پر ایک گنبد نما چوٹی ہے جو نہایت بلند ہے اور دور سے صاف نظر آتی ہے۔ جبلِ نور کی وادی (میدان) میں کھڑے ہو کر چوٹی کی طرف نظر کی جائے تو پہاڑ کے دو حصے جدا جدا نظر آتے ہیں۔ ایک نیچے کا حصہ جسکی حیثیت بنیاد کی ہے، دوسرا اوپر کی چوٹی جو اپنی مخروطی وضع کی وجہ سے آس پاس کے پہاڑوں سے بلند اور خاص شکل کے باعث ممتاز ہے۔ عام طور پر دامانِ کوہ تک لوگ مختلف سواریوں پر جاتے ہیں پھر پاپیادہ چڑھائی شروع ہوتی ہے، پہاڑ کی چوٹی پر چار گز لمبا اور پونے دو گز چوڑا برکتوں سے بھرا ہوا وہ غار ہے جس کو غارِ حرا کہتے ہیں، یہ جگہ ظاہری اعتبار سے بھی پر فضا ہے۔ ہر چہار جانب میلوں تک آئینے کی طرح صاف و شفاف منظر ہے، غار کیا ہے کہنا چاہیئے پتھروں کی چھوٹی سی قدرتی کوٹھری ہے جو روشن بھی ہے ہوادار بھی۔ کوہِ حرا کا یہی وہ مقدس ٹکڑا ہے جہاں سے دنیا کے آخری پیغمبر ﷺ نے ہدایت و رحمت کا پیغامِ کامل بارگاہِ ربّ العزت سے سُنا اور دنیا

کو پہنچایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے یہاں مہینوں قیام فرماتے اور مراقبے کرتے، کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے اور جب وہ ختم ہو جاتا تو گھر پر تشریف لاتے اور پھر واپس جا کر مراقبے میں مصروف ہو جاتے اور عبادت کرتے۔ اس عبادت میں تقدیس و تحمیدِ الٰہی کا ذکر بھی شامل تھا اور غور و فکر و عبرت پذیری بھی۔ یہ وہی عبادت تھی جو آپ کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی

ایک روز معمول کے مطابق آپ اسی غار میں مراقب تھے کہ فرشتۂ غیب نظر آیا جو آپ سے کہہ رہا تھا:۔

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ"۔ **یعنی اے محمدؐ! اس خدا کا نام لے کر** پڑھیے جس نے کائنات کو پیدا کیا، جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے! آپ کا خدا کریم ہے، وہی ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں"

آپؐ گھر تشریف لائے تو رنگ ہی کچھ اور تھا، جلالِ الٰہی سے لبریز تھے، زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے تمام واقعہ بیان کیا، وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو توحیدِ الٰہی کی جستجو میں عیسائی ہو گئے تھے اور توریت و انجیل کے ماہر تھے۔ انھوں نے حضورؐ سے واقعہ کی کیفیت سُنی تو کہا: یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اُترا تھا' اس غار کی چٹانیں گواہ ہیں کہ خدا کا برگزیدہ فرشتہ روح الامین پروانۂ نبوّت لے کر یہیں آیا تھا اور اس نے کہا تھا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشارت قبول فرمایئے! آپ اللہ کے رسولِ برحق ہیں اور میں جبرئیل ہوں"

اِس غار کے ایک ایک پتھر پر آج بھی رحمتیں برستی ہیں اور وحیِ الٰہی کا نُور چمکتا ہے۔

غار ثور جبلِ ثور کا وہ تاریخی غار ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

اور آپ کے جاں نثار رفیق صدیق اکبرؓ نے مدینہ منورہ کی ہجرت کے وقت تین راتیں بسر کی تھیں۔ ہجرتِ مدینہ سے دو تین روز قبل حضورؐ دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پر تشریف لائے۔ قاعدے کے مطابق دروازے پر دستک دی، اجازت کے بعد اندر تشریف لیگئے اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا ضروری مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو، صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یہاں آپ کی حرم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے (اس وقت حضرت عائشہؓ کی شادی ہو چکی تھی) آپ نے فرمایا مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔ صدیقِ اکبرؓ نے بیتابانہ لہجہ میں کہا "میرا باپ آپ پر فدا ہو کیا مجھ کو بھی ہمرکابی کا شرف حاصل ہو گا؟" ارشاد ہوا، ہاں! حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماء نے سفر کا انتظام کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر سے باندھتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منھ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک اس مایۂ ناز خاتون کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِدھر دشمنوں نے جب آپ کے مکان کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے انکو بے خبر کر دیا حضورؐ انکو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبہ پر نظر ڈالی اور فرمایا "اے مکہ! اے جانِ وطن! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے"۔

صدیق اکبرؓ سے پہلے ہی قرار داد ہو چکی تھی، دونوں نے جبلِ ثور کے اس غار میں پناہ لی، یہ پہاڑ مکہ مکرمہ سے ساڑھے تین میل داہنی جانب ہے، پہاڑ کی چوٹی ایک میل سے زیادہ اونچی ہے، یہاں سے سمندر صاف طور پر دکھائی دیتا ہے ثور کی اس بلند چوٹی پر چڑھنا آسان نہیں ہے، اس کیلئے جسمانی اور ایمانی دونوں طاقتوں کی ضرورت ہے، پھر بھی زائرین ایک ولولۂ بیتاب کے ساتھ اس کی زیارت کرتے ہیں اور اس کی مٹی کو آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے شب کو غار میں ساتھ سوتے، صبح کو سویرے شہر چلے جاتے اور قریش کے مشوروں کا پتہ لگاتے، جو کچھ خبریں ملتیں شام کو آ کر حضورؐ سے عرض کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا خادم رات گئے بکریاں چرا کر لاتا اور حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے۔

Marfat.com

ادھر صبح کو قریش نے دیکھا تو حضورؐ کی چارپائی پر آپ کے بجائے حضرت علیؓ تھے، ظالموں نے آپ کو پکڑا اور تھوڑی دیر قید میں رکھ کر چھوڑ دیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے تلاش کرتے کرتے غار کے منھ تک پہنچ گئے، انکی آہٹ پاکر صدیق اکبرؓ پریشان و مغموم ہوئے اور حضورؐ سے عرض کیا کہ اب دشمن اسقدر قریب آگئے ہیں کہ اگر اپنے قدموں پر انکی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے، آپ نے پرسکون لہجہ میں فرمایا "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا، گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے"

جبل ابو قبیس مکہ شریف کا مشہور تاریخی پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ پر مسجد بلال اور مسجد شق القمر خاص یادگار عمارتیں ہیں۔ آنحضرتؐ اسی پہاڑ پر رونق افروز تھے جب مخالفوں نے آپ سے معجزے کا مطالبہ کیا تھا اس پر معجزہ شق القمر ظاہر ہوا، صفا مروہ کی مقدس پہاڑیاں اسی پہاڑ کا ایک حصہ ہیں۔ حضورؐ کی پہلی کھلی ہوئی عام تبلیغی تقریر یہیں ہوئی، حضورؐ نے بعثت کے بعد تین سال تک خاموشی اور رازداری سے فریضۂ تبلیغ ادا کیا، لیکن اب حکم ہوا۔ "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" "آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اسکو آشکارا کر دیجئے اور "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" "اپنے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو"

اس حکم کے بعد حضورؐ نے صفا کے کنارے پر چڑھ کر برملا پکارا۔ "یا معشر قریش" اے قریش! حضورؐ کی للکار پر لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا، لوگو! اگر میں تم کو یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم یقین کرو گے؟ سب نے کہا کیوں نہیں ضرور یقین کرینگے اسلئے کہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے، آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر خدا کا سخت عذاب آئیگا۔ یہ سُن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے بلکہ ابولہب نے تو گستاخانہ الفاظ استعمال کئے۔

ابو قبیس کے پہاڑ اور صفا کی پہاڑی کا تصوّر کر کے ابتدائے اسلام کا سماں آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔ ان غاروں اور پہاڑوں کے علاوہ مکہ میں اور بھی کتنے ہی خاص مقامات ہیں

Marfat.com

جن کے خیال سے جوشِ ایمانی پیدا ہوتا ہے۔ جیسے دارِ ارقم۔ یہی وہ تاریخی باعظمت مکان ہے جہاں مسلمان حضورؐ کی خدمت میں ایک عرصہ تک خاموش زندگی بسر کرتے رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی مکان کے دروازے کو کھٹکھٹایا تھا اور ایمان کی دولت سے مشرّف ہوئے تھے۔

مارچ ۱۹۷۶ء

Marfat.com

روضۂ مُبارک

خانۂ کعبہ کی زیارت اور حج وعمرہ فریضۂ شریعت ہے کیونکہ کعبہ خدا کا گھر ہے، لیکن مدینۂ طیبہ کی زیارت اور روضۂ مبارک پر حاضری ایک فریضۂ عشق و محبّت ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مسلمان کا تعلق صرف یہی نہیں ہے کہ آپ اُن کے پیغمبر ہیں اور اس لئے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہر مسلمان کا فرض ہے بلکہ ایک بڑا تعلق یہ بھی ہے کہ آپ ہر مسلمان کیلئے محبوبوں سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ آپ کے ساتھ محبّت و عشق ہر مسلمان کا دینی و مذہبی فریضہ ہے اور اس محبّت کے بغیر اُس اسلام اور ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی جس کا مطالبہ قرآن میں کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں خود حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اُسوقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک میں اُس کے نزدیک زیادہ محبوب نہ ہوں بہ نسبت اُس کے والدین کے اور اس کی اولاد کے یہاں تک کہ خود اس کی اپنی جان کے۔ یہ روضۂ مبارک درحقیقت وہ حجرہ تھا جس میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ساتھ رہتے تھے۔ آپؐ کی وفات کے بعد جب یہ سوال اُٹھا کہ حضورؐ کے جسدِ مبارک کے لئے اب زمین کے کس ٹکڑے کو مرقد بنایا جائے تو لوگوں کو اچانک حضورؐ کا یہ ارشاد یاد آیا کہ پیغمبر جس جگہ دنیا سے رُخصت ہوتا ہے اُسی مقام پر اُسے محوِ استراحت (سپردِ خاک) کیا جاتا ہے۔

یہ معلوم ہونے کے بعد فیصلہ ہو گیا اور اُسی جگہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ صدیق کا جو حضورؐ کے جانشین اور

خلیفۂ اوّل تھے، وصال ہوا تو چونکہ حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے عمر بھر کے رفیق اور شریک اور صاحب غارِ ثور بھی تھے اِس بنا پر ان کو بھی حضورؐ کے پہلو میں ہی دفن کیا گیا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے اور دس برس خلافت کے بعد جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی تمنّا اور آرزو کے مطابق ان کو بھی حضورؐ کے پہلو میں دفن کیا گیا اس طرح جس کو ہم روضۂ مبارک کہتے ہیں وہ درحقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں جان نثار و فدا کار ساتھیوں، یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی آرام گاہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مسلمان جب روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر السلام علیک یا رسول اللہ کہتا ہے تو حضورؐ کی طرف سے اس کو جواب ملتا ہے۔ یہ جواب اگرچہ ظاہری اور جسمانی کانوں سے نہیں سُنا جاسکتا لیکن اربابِ معرفت اس کو گوشِ باطن سے سُنتے ہیں اور وجد و شوق میں سر دُھنتے ہیں۔

مسلمان روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر صرف حضورؐ پر ہی سلام نہیں بھیجتا بلکہ وہ کہتا ہے "السلام علیک یا خلیفۂ رسول اللہ، السلام علیک یا وزیر رسول اللہ، السلام علیک یا صاحب رسول اللہ فی الغار" یہ صدیق اکبرؓ پر سلام ہوا۔ اس کے بعد تقریباً ایک ہاتھ اور داہنی جانب ہٹ کر فاروقِ اعظم کے روبرو حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہے اور کہتا ہے "السلام علیک یا امیر المومنین، السلام علیک یا عزّ الاسلام والمسلمین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ حضورؐ اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام پیش کرتے وقت ایک ایک مسلمان کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور اس کے تصوّرات اُسے کس دنیا میں پہنچا دیتے ہیں اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عشق و محبّت کی وادی کے راہ پیما ہیں۔ یہ حقیقت روضۂ اطہر پر حاضری کے وقت عام طور پر محسوس ہوتی ہے کہ کعبۃ اللہ چونکہ خدا کا گھر ہے اِس بنا پر وہاں جاہ و جلال، عظمت و سطوت اور دبدبہ و شوکت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

رحمۃ للعالمین تھے اور اپنی امّت کیلئے بے حد شفیق، مہربان اور مونس وغمخوار تھے، اس بنا پر ایک مسلمان جب روضۂ اطہر پر حاضر ہوتا ہے تو بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ایک بچّہ دودھ کے لئے بلک اور تڑپ رہا تھا وہ اچانک ماں کی آغوش میں پہنچ گیا ہے۔ یہاں اس کو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اپنے گناہوں پر اور عمر بھر کی خطا کاریوں پر نادم اور پشیمان اور آخرت کے خوف سے مضطرب اور پریشان ہے، لیکن رحمتِ عالم ہیں کہ اسے تسلّی وتشفّی دے رہے ہیں اور اپنی شفاعت کا یقین دلاکر اس کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔

یہی وہ سب سے بڑی نعمت ہے جو اس سرزمینِ قدس پر ایک مسلمان کو حاصل ہوتی ہے۔ یہیں اسے اپنی تمنّاؤں اور آرزوؤں کا چمن سرسبز وشاداب اور اپنے ولولوں اور اُمیدوں کی مُرجھائی ہوئی کھیتیاں لہلہاتی نظر آتی ہیں۔ آنے والے اپنا دامانِ طلب دراز کئے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور اُسے بھر کر واپس ہوتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو، یہاں وہ ذاتِ والاصفات آرام فرما ہے جو سرورِ کونین ہونے کے ساتھ ساتھ رحمۃ للعالمین بھی ہے۔ یہی روحانی اور باطنی عشق ومحبّت کا تعلق ہے جس کو ہمارے شاعروں نے مختلف اندازِ بیان سے ظاہر کیا ہے۔ شہیدی نے کہا ہے ؎

تمنّا ہے درختوں پر ترے رَوضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقیّد کا

ایک اور شاعر فارسی میں کہتا ہے ؎

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر ست
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر ست

مدینۂ طیبہ میں حاضری اور روضۂ مبارک کی زیارت بے شبہ ایک مسلمان کی انتہائی خوش نصیبی اور سعادت ہے جس کو آپ یاد فرمالیں وہ اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ اس بنا پر ایک مسلمان کا دل سوز وگداز اور جذب وشوق کے جذبات

Marfat.com

سے لبریز ہوتا ہے اور جب تک وہ یہاں رہتا ہے ہمہ جذب وشوق بنا رہتا ہے لیکن جب واپس ہوتا ہے تو اُتنا ہی اس پر رنج والم کا ہجوم ہوتا ہے۔ وہ جب یہاں سے واپس ہوتا ہے تو گویا اس کے جسم کا رواں رواں پکار کر کہتا ہے ع

زچشمم آستیں بردار و گریہ راتماشا کن

ایک غلامانِ غلام بارگاہِ رسالت کے لئے اس سے بڑھ کر کیا شرف ہو سکتا ہے کہ غلام اپنے آقا کے دربار میں حاضر ہے، اِدھر نگاہِ نیاز ہے، اُدھر نگاہِ الطاف ہے، اِدھر سے تحفۂ صلاۃ وسلام ہے، اُدھر سے اجابت وقبولیت ہے۔

حدیثِ صحیح میں ارشادِ مبارک ہے "جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی تو ایسا ہی ہے کہ میری زندگی میں مجھے دیکھا ہو۔"

Marfat.com

مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کا آفتاب مکہ میں طلوع ہوا، لیکن اس کی تابناک کرنیں مدینہ کے افق پر پڑیں۔ مکہ میں ۱۳ سال تک دعوتِ تبلیغِ حق کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس وقت سے یثرب مدینۃ النبی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر کہلاتا ہے۔ یہیں آپ کا روضۂ مبارک اور یہیں آپ کی بنائی ہوئی مسجد ہے۔ مدینہ، مکہ مکرمہ کے شمال میں تقریباً پونے تین سو میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ مکہ معظمہ کے برعکس ایک سرسبز و شاداب زراعتی شہر ہے۔ اس کی آب وہوا مکہ کی آب وہوا سے قدرے مختلف ہے۔ مکہ پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اور مدینہ کھجوروں، اناروں اور انگوروں کے باغات سے۔ مسجدِ نبوی مدینہ منورہ کی سب سے متبرک اور مقدس تاریخی یادگار ہے اور اسلام میں مسجد الحرام اور مسجد خانہ کعبہ کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ حضورؐ نے اس مسجد میں ایک نماز کی فضیلت ایک ہزار نمازوں کے برابر بتائی ہے۔ مسجدِ نبوی شہر کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے جنوب مشرق میں ایک شاندار گنبد ہے جس پر نہایت خوبصورت سنہرے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ اس کی دیواریں آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور اللہ اور اس کے برگزیدہ رسول کے ناموں سے مزین ہیں۔ مسجد کا صحن کافی وسیع ہے اور اس کے وسیع و عریض دالان بیش قیمت قالینوں سے آراستہ ہیں۔ ہجرت کے پہلے سال حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مل کر اس مسجد کی تعمیر کی اور اس کے لئے وہی جگہ متعین فرمائی جہاں ہجرت کے موقع پر آپؐ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ ہجرت کے ساتویں سال حضورؐ نے مسجد میں کچھ اضافہ فرما کر اس کو مربع شکل میں کر دیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۷ھ

Marfat.com

میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی مرمت کرائی اور ضروری اضافہ بھی فرمایا مسجد کے ستون اس وقت کھجور کے تنوں کے بنے ہوئے تھے اور چھت کھجور کے پتّوں کی تھی۔ ۲۹ھ میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے نئے سرے سے تعمیرِ مسجد کا کام شروع کیا۔ مسجد کی دیواریں اور اُس کے ستون چونے اور پتّھر کے بنوائے اور چھت ساگوان کی لکڑی کی۔ اسی کے ساتھ مسجد کی مزید توسیع کرائی، یہ اضافہ قبلہ کی جانب، دائیں جانب اور نمازیوں کی پشت کی طرف تھا۔ بائیں جانب حجرہ شریف ہے جس میں قبرِ مطہر ہے، اسی وجہ سے اس جانب میں اضافہ نہیں کیا گیا۔ حضرت عثمان رضؓ اور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے کئے ہوئے اضافے اور توسیع میں امہات المومنین کے متعدد مکانات مسجدِ نبوی میں شامل ہو گئے۔ ولید کے عہد میں مسجد کی جو جدید توسیع ہوئی اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ جس میں قبر مطہر ہے مسجد کے اندر آ گیا ولید کے بعد مسجد میں غیر معمولی توسیع ۱۲۶۵ھ میں ترکی خلیفہ سلطان عبدالمجید ثانی کے زمانے میں ہوئی پھر اس تعمیر کی تجدید اور توسیع ۱۳۵۲ھ میں شاہ ابن سعود کے حکم سے کی گئی۔ مسجد کو چاروں طرف سے گھیر دیا گیا اور مکانات سے علیحدہ کر دیا گیا۔ مسجد نبوی اور مسجد میں واقع روضۂ نبوی کی حاضری کے لئے حجاج کرام حج سے پہلے یا حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کی زیارت کی خاص ترغیب دی ہے۔ قدرت و وسعت کے باوجود زیارت نہ کرنے والوں کو بے مُروّت اور ظالم فرمایا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کو اس دولت سے نوازا جائے اور بد قسمت ہے وہ جو اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہ جائے۔ ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص بالقصد براہِ راست میری زیارت کرے گا قیامت کے دن وہ میرے پڑوس میں ہوگا۔ ایک حدیث شریف میں ہے "جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی میں میری زیارت کر لی"۔ ایک دوسری حدیث میں ہے "جس نے میری قبر کی

Marfat.com

زیارت کی اسکی شفاعت مجھ پر ضروری ہوگئی۔" نیز فرمایا "جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔" سچ تو یہ ہے کہ حضور صلعم کے دربارِ پاک کی حاضری بہت بڑی سعادت ہے اور اس کا شمار افضل قربات و مستحبات میں ہے۔ حجرۂ شریف میں حضورؐ کے علاوہ آپ کے دو برگزیدہ ساتھیوں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی ہیں۔ حجرۂ نبوی کی لمبائی ½ ۵۳ فٹ اور چوڑائی ۵۰ فٹ ہے، اس کے اوپر چار گنبد ہیں جن کے اوپر ایک گنبد سبز بنا ہوا ہے جو پوری مسجد میں سب سے نمایاں اور ممتاز ہے۔ اس کی عظمت، دلکشی اور دلربائی لائقِ دید ہے۔ حجرۂ شریف اصل میں اُم المومنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مکان تھا۔ اسی مکان میں آپ کا وصال ہوا۔ اس حجرے کو آپ کی آرام گاہ کے طور پر اس لئے اختیار کیا گیا کہ آپؐ نے فرمایا تھا۔" اللہ کے پیغمبر جس جگہ وفات پاتے ہیں وہیں ان کی تدفین ہوتی ہے۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل وصیت کی کہ ان کو حضور صلعم کے جوار میں جگہ دی جائے۔ یہ حجرہ چونکہ ان کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کا تھا ان کی وصیت حضرت عائشہؓ نے بخوشی پوری کی۔ اُن کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل اپنے صاحبزادے کو حضرت عائشہؓ کے پاس تدفین کی اجازت کیلئے بھیجا حضرت عائشہؓ نے ان کے صاحبزادے سے فرمایا۔ میں نے یہ جگہ اپنے لئے رکھی تھی مگر اب میں حضرت عمرؓ کو ترجیح دوں گی۔ چنانچہ حجرے کا یہ حصّہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی آرام گاہ بنا اور حضرت عائشہؓ دیگر امّہات المومنین کے ساتھ جنّت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ مدینۂ پاک میں مسجدِ نبوی کے علاوہ اور بھی بہت سے متبرک مقامات اور مساجد ہیں۔ مدینۂ طیبہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ایک آبادی ہے جو اپنی شادابی اور زرخیزی کیلئے مشہور ہے۔ اسی آبادی میں اسلام کی سب سے پہلی مسجد مسجدِ قُبا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں بڑے ہی ولولہ انگیز انداز سے کیا گیا ہے۔" لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ

Marfat.com

عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ۔ مسجد قبلتین، مسجد ابی بکرؓ، مسجد عمرؓ، مسجد علی بن ابی طالبؓ، مسجد ابی ذرؓ، مسجد فتح، مسجد جمعہ وغیرہ کا شمار بھی خاص مسجدوں میں ہوتا ہے۔ مسجد قبلتین میں نماز پڑھتے ہوئے تحویلِ قبلہ کا سماں سامنے آجاتا ہے۔ مسجد فتح، غزوۂ احزاب میں فتح ونصرت کی یادگار ہے، اس مقام پر حضورؐ نے مسلسل تین روز تک دعا فرمائی تھی۔

مدینۂ شریف سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر اُحد پہاڑ ہے۔ اس پہاڑی کا رقبہ کم وبیش تین میل ہے۔ اسی جگہ اُحد کا معرکہ پیش آیا تھا۔ یہیں اس تاریخی معرکے میں شہید ہونیوالوں کا ایک چھوٹا سا قبرستان ہے۔ جس میں سیّد الشہداء حضرت حمزہؓ کی قبر اور ستر اصحابؓ کرام کی قبریں ہیں۔ اس مقام کی حاضری بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاص اہتمام سے اس گنجِ شہیداں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہ جاں نثاروں کی بستی ہے اور اس کی زمین شمعِ نبوّت کے پروانوں کی خاک ہے۔

مدینۃ النبی کا قدیم قبرستان "جنت البقیع" بھی لائقِ زیارت ہے۔ اِس پاک خطۂ زمین میں اہلِ بیتِ کرام، ازواجِ مطہرات، خلیفۂ ثالث عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم اکابر صحابہ اور ائمۂ عظام محوِ خواب ہیں۔ ہزاروں صحابۂ کرام اسی زمین پر آرام کر رہے ہیں

محوِ آرام ہیں جس خاک پہ اصحابِ اُحد　　ایک مہجور کا اس گنجِ شہیداں کو سلام
جس میں ہے خُلد در آغوش قُبا کی مسجد　　اس خیاباں کو سلام اس چمنستاں کو سلام

حضور صلعم کو اپنے شہر سے جو والہانہ محبّت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضورؐ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ کی گلیوں اور اس کے مکانوں کی دیواروں پر آپ کی نظریں پڑتیں تو بیتابانہ سواری کی رفتار تیز کر دیتے کہ جلد سے جلد اپنی محبوب بستی میں پہنچ جائیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قدم من سفرٍ فنظر الی جدران المدینۃ اوضع راحلتہٗ وان کان علی دابتہ حرکھا من حُبّھا۔

جس میں ہر لحظہ مہکتی ہے نسیمِ رحمت　　اس گلستاں کو سلام اہلِ گلستاں کو سلام

۲۸ ستمبر ۱۹۷۹ء

عیدِ قرباں

Marfat.com

①	عیدِ قرباں	۱۱۳
②	عیدُالاضحیٰ	۱۱۸
③	عید قرباں : پہچان اور معرفت کا دن	۱۲۳
④	عیدُالاضحیٰ کی فضیلت	۱۲۹
⑤	پیغامِ ابراہیمؑ	۱۳۶
⑥	عیدُالاضحیٰ کی اہمیّت	۱۴۲
⑦	عید قرباں اور فلسفۂ قربانی	۱۴۶
⑧	ایثار اور نیک عملی کی روح	۱۴۶
⑨	عیدِ قرباں	۱۵۲

Marfat.com

عیدِ قرباں

عیدِ قرباں تاریخِ عالم کی دو مقدس ترین شخصیتوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے پاکباز اور نامور صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک ایسے اُسوۂ حسنہ اور کردار کی یاد تازہ کرتی ہے جس کی مثال ایثار و قربانی اور وفا کیشی و اطاعت شعاری کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ کردار ہمارے اعتقاد کی کائنات میں کچھ اس طرح رچ بس گیا ہے کہ جب بھی اس کا ذکر آتا ہے زمان و مکان کے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں اور یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ بیابانِ حجاز کی نورانی وادی "منیٰ"، کا یہ منظر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کے سخت سے سخت امتحانوں و آزمائشوں سے گزرنے اور ان میں کامیاب ہونے کے بعد توحیدِ الٰہی کے والہ و شیدا حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب سے التجا کی "پروردگار! مجھے سعادت مند اور نیک عمل اولاد عطا فرما"۔ دعا قبول ہوئی اور ربِ ابراہیمؑ نے ابراہیمؑ کو ایک ایسا فرزند عطا فرمایا جس کی پیشانی پر صلاح و تقویٰ کے آثار اور صبر و حلم کے نقوش چمک رہے تھے اور جو اسّی سال کے بوڑھے باپ کی ضعیفی کا سہارا ہی نہیں تھا بلکہ ان کے پیغامِ حق و عزیمت کو باقی رکھنے کا بھی واحد ذریعہ تھا۔ ابراہیمؑ دل و جان سے اپنی اس متاعِ گراں مایہ کی پرداخت میں لگ گئے اور بچّہ ارمانوں اور تمنّاؤں کے سائے میں پروان چڑھنے لگا لیکن جب انھوں نے اپنے پروردگار کا یہ اشارہ پایا کہ آنکھوں کے اِس نور ـــ کو اس کے نام پر قرباں کر دیا جائے تو اُمیدوں کی

Marfat.com

دنیا خوشی خوشی لُٹا دینے کے لئے تیار ہو گئے۔

پیغمبرِ برحق نے پہلی دفعہ آٹھویں ذی الحجہ کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے۔"ابراہیم! بیٹے کی قربانی دو" صبح ہوئی تو ابراہیم خلیلؑ تعجب و حیرت کے عالم میں شام تک صورتِ حال کی نوعیت پر غور کرتے رہے۔ آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ ترویہ کے معنی تردد و تفکر اور غور و تامل کے ہیں۔ نویں تاریخ کی رات کو پھر یہی کچھ دیکھا اور سمجھ گئے کہ خواب کے پیرایہ میں یہ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے۔ نویں تاریخ کا نام یومِ عرفہ اِسی لئے ہے یعنی عرفان و معرفت کا دن۔ یہاں تک کہ جب دسویں تاریخ کی شب میں بھی یہی دکھایا گیا اور موحدِ اعظم کے قلبِ بیدار نے محسوس کرلیا کہ یہ لازماً حکمِ ربّانی ہے تو تعمیلِ حکم کے لئے بے چین ہو گئے اور لختِ دل و جگر کو ذبح کردینے کا فیصلہ کرلیا۔ دسویں ذی الحجہ کو یوم النحر اسی لئے کہتے ہیں یعنی ذبح کرنے کا دن — اس کے بعد ایک ہی مرحلہ رہ گیا تھا اور وہ تھا اس راہ میں بیٹے کی ثابت قدمی کا مرحلہ۔ چنانچہ باپ نے جیسے ہی بیٹے سے مشورہ کیا بیٹے نے قلب و روح کے مکمل یقین و اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ والدِ بزرگوار! حکمِ خداوندی کی تعمیل شوق سے کیجیے انشاءاللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔ قرآنِ کریم نے بندگی و سپردگی کے اس ایمان افروز اور ولولہ انگیز منظر کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا ہے:

"فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ○ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ○ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ○ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ○ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ○"

Marfat.com

یعنی جب اسمٰعیل اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہوئے تو ابراہیمؑ نے کہا:
"پیارے بیٹے! میرے گھر کے چراغ! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے گلے پر چھُری پھیر رہا ہوں۔ سوچو، اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے کہا: ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کیجئے۔ خدا نے چاہا آپ مجھے برداشت کرنے والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے ہمارے سامنے اطاعت کی گردن جھکا دی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لِٹا دیا تو ہم نے پُکارا۔ ابراہیم! بس ٹھہرو تم اپنی بات کے پورے نکلے اور تم نے اپنا خواب سچّا کر دکھایا۔ ہم کہا ماننے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شبہ یہ ایک کھُلی ہوئی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا۔ اور بعد کے آنے والوں میں ابراہیمؑ کا ذکرِ خیر چھوڑ دیا۔ ابراہیمؑ پر سلام و رحمت ہو، وہ ہمارے فرمانبردار بندوں میں سے تھے۔"

باپ بیٹے کا یہ اندازِ انقیاد اور ولولۂ اطاعت کچھ ایسا پسند ہوا کہ اسکو ہمیشہ کے لئے ایک مِلّی نشان قرار دے دیا گیا اور قربانی ایک اہم اور مستقل سنّت بن گئی لیکن یہ صِرف گوشت اور خون کی قربانی نہیں، رُوح اور دل کی قربانی، اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کی قربانی، جذبات پر قابو پانے کی قربانی، یہاں تک کہ معبودِ حقیقی کی خوشنودی کے لئے اپنی ہر قیمتی متاع کو نذر کر دینے کی قربانی۔ جانوروں کی قربانی اس آفتابِ حقیقت کی صرف ایک پرچھائیں ہے اور اس نقشِ باطن کا ایک ظاہری عکس۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو روحانیت کے صاف ستھرے اور نرم و نازک قالب میں اس طرح پیش کیا ہے ——— "اللہ تعالیٰ کو گوشت پوست اور ہڈیوں اور خون سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ گل سڑ جانے والی چیزیں اس کی بارگاہ میں نہیں پہنچتیں۔ جو چیز اس کے دربار میں شرفِ تقرب حاصل کرتی ہے وہ دل کا ادب اور روح کی پاکی ہے" جس کے معنی یہ ہیں کہ صرف گوشت کھانے اور خون گرانے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

اسکی خوشنودی چاہتے ہو تو اپنے اندر ضبط و تحمّل، حزم و احتیاط، قوتِ برداشت اور پرہیزگاری و نیک عملی کی رُوح پیدا کرو اور غور کرو کہ جس ذوق و شوق سے تم نے اس کے نام پر ایک قیمتی جانور قربان کیا اسی ولولے اور جوش کے ساتھ زندگی کے دوسرے گوشوں میں بھی ایثار و قربانی کا ثبوت دینے کے لئے تیار ہو؟

اسلام کا مقدس و متبرّک رکن حج جو ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو عرفات کے پُرنور میدان میں عشق و محبّت اور شیفتگی و فدویت کے ایک جذبۂ بیتاب کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے اور جس کے لئے دنیا کے گوشے گوشے سے لاکھوں انسان سمندروں اور پہاڑوں کو عبور کر کے پروانوں کی طرح ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور اپنے گناہوں اور لغزشوں کی معافی چاہتے ہیں، کعبۃ اللہ کے انہی معماروں کی نہایت پرکیف اور وجد آفریں یادگار ہے۔ مناسکِ حج ادا کرتے وقت ہر قدم پر جو "لبیک" کہا جاتا ہے یہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے لفظوں کی صدائے بازگشت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ پروردگار! میں آپ کا ہر حکم ماننے کے لئے آمادہ و مستعد ہوں میرا سر نیاز ہر لمحہ آپ کے دربار میں جُھکا ہوا ہے۔ تمام ستائشوں اور تعریف کی مستحق آپ ہی کی ذات ہے اور بادشاہی و حکمرانی کا حق بھی آپ ہی کو پہنچتا ہے۔ نویں تاریخ کی نمازِ صبح سے تیرھویں تاریخ کی نمازِ عصر تک جو خاص تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اور جو ان دنوں کی اہم اور مخصوص عبادت ہے یہ بھی ان الفاظ کی روح کا مجموعہ ہے جو اطاعت شعاری اور ثابت قدمی کے اس بے مثال منظر کے وقت فرشتۂ وحی جبریل امینؑ اور خلیلؑ و ذبیحؑ کی زبانِ صدق و صفا سے نکلے تھے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد"۔ یعنی اللہ کی عظمت و بزرگی ہر چیز سے بلند ہے۔ اللہ کا وجود سب پر مقدم ہے۔ بندگی اور عبادت کے لائق صرف اسی کی ہستی ہے۔ اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں جس کو کائنات کا ذرہ ذرہ سجدہ

Marfat.com

کرتا ہے ـــ صفا مروہ پہاڑیوں کے درمیان چکر لگانا، منیٰ میں چار روز کا قیام اور کنکریاں مارنا، وقوفِ مزدلفہ اور طوافِ کعبہ۔ ان مقامات کی خاص خاص عبادتیں اور ریاضتیں انہی بزرگوں کی یاد تازہ کرتی اور افسردہ و پژمردہ دلوں میں حرارتِ ایمانی کی لہر دوڑا دیتی ہیں۔

پس آیئے چند لمحوں کے لئے امتوں کے اِن رہبروں کے اسوۂ حسنہ کی یاد منائیں، اپنے اخلاق و اعمال میں اس کا عکس نمایاں کرنے کی سعی کریں۔ ان کے کردار کی روحانی طاقت کو سمجھیں۔ اپنے اندر ایثار کی روح بیدار کریں، حکمت اور دانائی سے ناگواریوں اور تلخیوں کے مقابلہ کی ہمت پیدا کریں، حق و صداقت کی حفاظت کیلئے مصیبتوں اور تکلیفوں کا سہنا سیکھیں، مایوسیوں اور مشکلات کی تاریکیوں میں بھی اُمید کا دامن تھامے رہیں۔ حق کی حمایت اور باطل کے مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہو جائیں۔ زندگی کے یہ تمام عنوانات ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کے نقشِ قدم کی خاک میں چھپے ہوئے ہیں۔

قوموں کی زندگی میں اس طرح کے اجتماعات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ قومی تقریبوں اور سماجی کردار میں نہایت گہرا تعلق ہے۔ کسی قوم کا تہوار اس کی زندگی کا آئینہ ہوتا ہے اور اس آئینے میں اس کی زندگی کی خصوصیتیں اُبھر کر سامنے آجاتی ہیں ضروری ہے کہ ان موقعوں سے فائدہ اُٹھا کر اپنی روایاتِ اخلاص و ایثار کی تجدید کی جائے اور اخوت و اتحاد کے رشتوں کو مضبوط کیا جائے۔ یہی ہے وہ طریقہ جس سے ہم اپنی زندگی کو ایک مثالی زندگی بنا سکتے ہیں، ایسی زندگی جو دوسروں کیلئے چراغِ راہ کا کام دے سکے۔

۱۹ر جولائی ۱۹۵۶ء

Marfat.com

عیدُالاضحیٰ

عیدُالاضحیٰ اپنی غیر معمولی خصوصیتوں کے لحاظ سے ایک نہایت ہی پر عظمت تقریب ہے۔ یہ تقریب اس تاریخی واقعہ کی یاد میں منائی جاتی ہے جو اب سے ہزاروں سال پہلے ریگ زارِ عرب کے قدیم مقدس شہر مکہ میں پیش آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے دو خاص بندوں حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی وہ ادائے دل نواز کچھ ایسی پسند آئی کہ اس کو رہتی دنیا تک یادگار بنا دیا اور اس وقت سے آج تک نہ صرف وادیٔ مکّہ کے چمکتے ہوئے ذرّوں میں جہاں یہ واقعۂ صبر واطاعت اور تسلیم ورضا پیش آیا تھا، بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں اس کی یاد ایک خاص شان سے تازہ کی جاتی ہے اور اللہ کے بندے قربانی کے ذریعہ اُسوۂ ابراہیمی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یعنی اپنے عمل سے اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ وہ محض کسی ظاہری رسم کے لئے جانوروں کی جان نہیں لے رہے بلکہ یہ رسم جس کردار کی یادگار ہے اس کی روح بھی اُن کے دلوں میں تازہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری نماز اور ہمارا حج اور قربانی یہاں تک کہ ہمارا مرنا اور جینا ہر چیز اللہ ہی کے لئے ہے اور ہمارے وجود کا مقصد ہی یہ ہے کہ اپنی زندگی اپنے پروردگار کی رضا کے مطابق بسر کریں۔ آیئے اس تقریبِ سعید کے موقع پر حضرت ابراہیم خلیلؑ اور اُن کے نامور صاحبزادے حضرت اسمٰعیل ذبیحؑ کی کتاب زندگی کا ایک چھوٹا سا ورق پڑھتے چلیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اگرچہ ایک اندھے ماحول میں آنکھ کھولی تھی اور بابل و نینوا کے متمدن باشندے روحانی پستی کے دلدل میں بُری طرح پھنسے ہوئے تھے، لیکن ابراہیمؑ کی فطرتِ سادہ میں سلامتی اور حقیقت بینی و حق شناسی کا ایسا جوہر

Marfat.com

گراں مایہ موجود تھا جس سے ان کی قوم کے بڑے بڑے پڑھے لکھے بھی محروم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیمؑ اور قوم کے نظریوں میں ٹکراؤ شروع ہو گیا اور اس سلیم الفطرت نوجوان نے جس کے آئینۂ قلب پر خدا پرستی کی صداقت کھُل گئی تھی، اپنی قوم کے اطوار قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

یہاں تک کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے دل میں توحیدِ الٰہی کی شمع اپنی پوری درخشانیوں اور تابانیوں کے ساتھ روشن ہو گئی تو انھوں نے تبلیغِ حق کی جانب قدم بڑھائے اور بھٹکی ہوئی قوم کو صحیح راہ دکھانے کا تہیّہ کر لیا، چنانچہ وہ اُٹھے اور اصولِ دعوت و تبلیغ کے مطابق سب سے پہلے میٹھے، نرم اور سبک لہجے میں اپنے باپ کو خطاب کیا:

"پیارے باپ! میرے پاس علم و حکمت کی روشنی آئی ہے۔ یہ روشنی آپ کے پاس نہیں، آپ کو میری بات ماننی چاہیئے۔ اور میری پیروی کرنی چاہیئے۔ میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔"

اس کے بعد اپنی قوم اور اہلِ وطن کو نصیحت کی "لوگو! اللہ کی بندگی کرو اور اُسی سے ڈرو، تم میں کچھ بھی سمجھ ہے تو جان لوگے کہ تمہارے لئے یہی بات بہتر ہے۔" قوم کے کانوں میں اس سے پہلے اس نامانوس آواز کی بھنک بھی کبھی نہیں پڑی تھی، ایک خدا کا تصوّر اُن کی توہم پرستیوں کے ظرفِ عقل میں سما ہی نہیں سکتا تھا اسلئے ابراہیمؑ کی زبان سے اتنی بڑی بات سُن کر پوری قوم کے تیور بدل گئے اور کج بحثیوں پر اُتر آئی، نور و ظلمت اور علم و جہل کی یہ سرد جنگ جاری ہی تھی کہ توحیدِ الٰہی کے پرستار کی اس صدائے حق نے عراق کے سرکش حکمراں نمرود کے کانوں پر بھی دستک دی۔ عراق کا یہ بادشاہ اپنے ملک کا حکمراں ہی نہیں تھا بلکہ خدائی کا بھی دعویٰ کرتا تھا اور اس نے بابل کے مرکزی حصّے میں ایک بہت بڑا گنبد بنوا کر اس میں اپنا ایک طلائی مجسمہ نصب کرا رکھا تھا۔ اس مجسمے کو عام لوگ حاجت روا جانتے تھے، اسلئے اُس نے جب اصلی خدا

Marfat.com

کے پیغامبر اور نقیب کا ذکر سُنا تو یہ آپے سے باہر ہو گیا، اُس کے سرِ غرور و نخوت میں غیظ و غضب کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس بے خوف نقیب کے جذبہ حق اور سوزِ یقین کا امتحان لینے کے لئے تیار ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک خاص موقع پر بے سر و سامانِ حق کی ٹکر وقت کے اقتدارِ اعلیٰ سے ہو ہی گئی۔ نمرود نے دریافت کیا: ابراہیم! بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟ ابراہیمؑ نے جواب دیا: میرا رب وہ ہے جو مارتا، جلاتا ہے۔ کہنے لگا یہ تو میں بھی کرتا ہوں۔ جس کو چاہتا ہوں قتل کر دیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے مخاطب کے فہمِ نارسا کا اندازہ لگا کر پھر برملا کہا: میرے پروردگار کا یہی کام نہیں ہے، وہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تم آج اس کو مغرب سے نکال کر دکھا دو۔ اس صاف اور روشن دلیل کا نمرود بن کوش کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور موحّدِ اعظم کی یہ للکار سُن کر وہ اور اس کا سارا دربار مبہوت ہو کر رہ گیا۔ لیکن مصنوعی خدا اپنی یہ بے بسی اور اہانت کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ اُس نے اپنی خدائی کے جھوٹے طلسم کا بھرم قائم رکھنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ جراَتِ حق کی اس آواز کو جو اس کے دل و جگر میں کانٹا بنکر پیوست ہو چکی تھی ہمیشہ کیلئے خاموش کر دے۔ چنانچہ شیدائے حق کو دہکتی ہوئی آگ میں جو اسی غرض سے کئی روز تک دہکائی گئی تھی پھینک دیا گیا۔ فضائے کائنات اس منظر کو دیکھ کر کانپ اُٹھی اور آگ میں جلانے کی تاثیر پیدا کرنیوالے نے اپنی پیدا کی ہوئی آگ کو حکم دیا کہ وہ نور کے قالب میں تبدیل ہو جائے، ہمارے نام پر مر مٹنے والے ابراہیمؑ پر اپنا اثر نہ دکھائے اور سلامتی کے ساتھ سرد ہو جائے۔ بس پھر کیا تھا وہی پہاڑوں سے باتیں کرنیوالے شعلے ابراہیمؑ کے جسمِ نورانی کے حق میں بَرد و سلام بنگئے اور جو عشق آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑا تھا اس کی آن باقی رہ گئی، وقت گذرتا گیا، ابراہیمؑ قوم کے شیوۂ عصیان و تمرد سے مایوس ہو گئے، یہانتک کہ ان کو وطن کے اس آتش کدے سے نکل کر غربتِ وطن کے ایک دوسرے آتش کدے میں قدم رکھنا پڑا۔ انھوں نے

Marfat.com

حق وصداقت کی راہ میں قوم ووطن کے تعلقات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اعلان کردیا:۔

"میں تم کو چھوڑتا ہوں اور ان کو بھی جن کو تم حق تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو۔"

اللہ کے بندوں کا یہ مختصر سا بے سروسامان قافلہ جو بمشکل تین افراد پر مشتمل تھا سالہا سال دشتِ غربت کی خاک چھانتا اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا، لیکن اللہ کے خلیل کی آزمائشوں کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا، پے بہ پے آزمائشوں اور امتحانوں کے بعد بھی ابھی سب سے بڑی آزمائش باقی تھی، ایسی آزمائش جس کی مثال چشمِ فلک نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی —— حضرت ابراہیمؑ بڑھاپے کی آخری منزلوں سے گزر رہے تھے، ان کی عمر اسی سال سے بھی زیادہ ہوچکی تھی مگر ابتک بے اولاد تھے، چاہتے تھے کہ انکے پیغامِ حق کا کوئی امین پیدا ہو اور جس ملتِ حنیفی کی بنیاد انھوں نے رکھی ہے وہ اسکو باقی رکھ سکے۔ بڑی تمناؤں آرزوؤں اور دعاؤں کے بعد ایک پیارا بیٹا عطا ہوا جو حُسنِ صورت اور حُسنِ سیرت دونوں میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ ماں باپ کی آنکھوں کا یہ نورِ امیدوں اور ارمانوں کی آغوش میں پرورش پاتا رہا یہانتک کہ جب اُمیدوں کے پورا ہونے کا وقت آیا اور اسمٰعیلؑ باپ کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہوئے تو غیب سے آواز آئی اور باپ کو خواب میں دکھایا گیا کہ بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں، ابراہیمؑ تین راتوں تک برابر یہی خواب دیکھتے رہے، ان کو جب یہ یقین ہوگیا کہ یہ حکمِ ربّانی ہے اور اولاد کی قربانی کا مطالبہ کیا گیا ہے تو خوشی خوشی اس کیلئے تیار ہوگئے اور باپ کے ساتھ بیٹے نے بھی سرِ تسلیم ونیاز جھکا دیا —— نظامِ کائنات کی آنکھیں اس منظر کو دیکھنے کیلئے بیتاب ہوگئیں اور خالقِ کائنات نے اپنے بنائے ہوئے انسان میں صبر ورضا کا یہ جذبۂ بے پناہ دیکھ کر فخر آمیز مسرّت کے ساتھ اعلان کردیا:۔

"آخر جب دونوں نے مرضیِ مولیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے پکارا ابراہیم! بس ٹھہرو، تم نے اپنی بات

پوری کردی اور اپنا خواب سچّا کر دکھایا ہم نیک عملوں کو یونہی بدلہ دیتے ہیں، لاریب یہ (تمہاری) کھلی ہوئی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو اُنکا فدیہ دیا"
حضرت ابراہیمؑ نے آنکھ کھولی تو دیکھا چھُری کے نیچے بیٹے کی جگہ ایک دُنبہ تڑپ رہا ہے، قربانی قبول ہوئی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی جان بچالی گئی کیونکہ ان سے خدمت کعبۂ معظمہ کا کام لینا تھا، چنانچہ باپ بیٹے نے مل کر خدائے واحد کے پہلے گھر کی تعمیر کی جہاں آج تک لاکھوں انسان حج کے لئے جاتے ہیں اور کعبۃ اللہ کے ان معماروں کے اسوۂ حسنہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

اب آیئے قربانی کے اصل مقصد کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ قربانی درحقیقت ایثارِ نفس کے اظہار کا ایک محسوس طریقہ ہے اور بس! اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ قربانی کا گوشت اور خون خدا تک نہیں پہنچتا، ان گل سڑنے والی چیزوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں، جو چیز اس کی بارگاہ میں شرفِ تقرّب حاصل کرتی ہے وہ دل کی پاکی اور ضمیر کا ادب ہی، وہ خالص نیتوں اور پاک وصاف ارادوں کو دیکھتا ہے اور انہی کو اجر و ثواب کا پیمانہ بناتا ہے۔

قومی تقریبیں سماجی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ کسی قوم کا تہوار اُسکی زندگی کے رجحانات کا آئینہ ہوتا ہے اور اس آئینے میں اسکی قومی خصوصیات نکھر کر سامنے آجاتی ہیں، گویا یہ تقریبات ایک مقیاس الحیات کا کام دیتی ہیں جس سے قوموں کی بیداری وغفلت، بلندی وپستی، حرکت وجمود اور زندگی وموت کے درجوں کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ عیدُالاضحیٰ کی اس مبارک تقریب پر اپنے بزرگوں کی روایاتِ کہن تازہ کی جائیں اور انسانی اخوت کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو مضبوط ومستحکم کرنے کی جدوجہد عام کر دیجائے۔ انسانی قدروں کے انہی خطوط پر چل کر ہم اپنی زندگی کا قالب ہموار کر سکتے ہیں۔

۱۹ر جولائی ۱۹۵۶ء

Marfat.com

عیدِ قرباں - پہچان اور معرفت کا دن

اسلام میں بڑے مذہبی تہوار دو ہی ہیں۔ عید الفطر اور عیدِ قرباں، ان دونوں تقریبوں سے مذہبِ اسلام کی شاندار روایات وابستہ ہیں۔

عید الفطر روزوں کا شکرانہ اور قرآن مجید کے نزول کی یادگار ہے جس کے نتیجہ میں پردۂ عالم پر ملّتِ محمدی کا ظہور ہوا۔ عیدِ قرباں اس بے مثال تاریخی واقعہ کی یاد تازہ کرتی ہے جو آج سے کم و بیش چار ہزار سال پہلے وادیٔ مکّہ میں پیش آیا تھا۔ یعنی اُمتوں کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ اپنے نورِ نظر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں۔

اللہ کے پیغمبروں پر جو وحی آتی ہے اس کی مختلف قسمیں ہیں، جن میں ایک خواب بھی ہے۔ یہ خواب دو طرح کے ہوتے ہیں؛ تمثیلی اور حقیقی، حقیقی اور عینی خواب میں اصل حقیقت صاف اور بے پردہ دکھائی جاتی ہے اور وہی مقصود ہوتی ہے۔ تمثیلی خواب میں حقیقت کو کسی اور پیرایہ میں دکھایا جاتا ہے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ خواب کہ گیارہ ستارے اور آفتاب و ماہتاب ان کو سجدہ کر رہے ہیں اور یا جیسے ان کو قحط اور خشک سالی کی حالت سوکھی بالوں اور دُبلی پتلی گایوں کی صورت میں دکھائی گئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیئے کہ بعض خواب مثالی صورت میں دکھائے جاتے ہیں اور تعبیر و بیان کے محتاج ہوتے ہیں، بعض ٹھیک ٹھیک مشاہدہ بن کر سامنے آتے ہیں، اُن کو سمجھنے کے لئے کسی تفصیل و تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہر حال خلیل اللہؑ نے پہلی دفعہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو خواب میں دیکھا

Marfat.com

کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: ابراہیم! اللہ تعالیٰ نے تمھیں بیٹے کو قربان کر دینے کا حکم دیا ہے۔ صبح ہوئی تو ابراہیمؑ حیرت میں تھے، شام تک اِس بے انتہا نازک معاملہ پر احتیاط سے غور کرتے رہے۔ آٹھویں تاریخ کو "یوم الترویہ" اسی لئے کہا جاتا ہے۔ ترویہ کے معنیٰ غور و فکر اور تردّد کے ہیں۔

نویں تاریخ کی رات آئی تو پھر یہی آواز سنی اور اب یقین ہو گیا کہ یہ حکم حق تعالےٰ ہی کی طرف سے ہے۔ نویں ذی الحجہ کا نام "یومِ عرفہ" اسی لئے ہے یعنی پہچان اور معرفت کا دن۔

یہاں تک کہ جب دسویں تاریخ کی شب میں بھی یہی کچھ دیکھا تو حکمِ الٰہی بجا لانے کے لئے بے تامّل اکلوتے بیٹے کو قربان کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ دسویں تاریخ کو "یوم النحر" کہنے کی یہی وجہ ہے۔ نحر کے معنی ذبح کر دینے اور قربان کر دینے کے ہیں۔ یعنی ذبح کرنے کا دن۔

تین رات مسلسل یہی خواب دیکھنے اور یقینِ کامل حاصل کر لینے کے بعد باپ نے بیٹے کو صورتِ حال کی نزاکت سے باخبر کیا اور اس کے متعلق مشورہ کرنا چاہا، اگرچہ ایسے کھلے ہوئے معاملے میں اب مشورے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ پھر بھی اللہ کے رسول نے مشورے کی سنّت پر عمل کرنا اس لئے اور بھی مناسب جانا کہ اس طریقے سے بیٹے کی عزیمت اور ثابت قدمی کا امتحان ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی نوجوان بیٹے نے بوڑھے باپ کی زبان سے یہ بات سنی ایک لمحہ کے پس و پیش کے بغیر پکار اُٹھا، پیارے باپ! اب آپ سوچتے کیا ہیں، مالک کا جو حکم ہو اس کی فوراً تعمیل کیجئے، دیر کیوں اور کس لئے، ایسے اچھے کام میں مشورے کی کیا ضرورت ہے، میرے متعلق آپ اطمینان رکھیں، دیکھئے کس شوق سے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ ہزار ہزار سلام ایسے باپ اور ایسے بیٹے پر جنھوں نے بعد میں آنے والوں کو ایسے عزم و ہمّت

Marfat.com

اور ایثار و قربانی کا سبق دیا۔

قرآنِ کریم نے تسلیم و رضا کے اس زندۂ جاوید کارنامے کو اپنے خاص معجزانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

"جب اسمٰعیل اپنے باپ کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچے اور اس لائق ہوئے کہ باپ کی ضرورتوں میں اُن کا ہاتھ بٹا سکیں تو ابراہیمؑ نے کہا: جانِ پدر! میں خواب دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تو سوچو اس میں تمہاری کیا رائے ہے"

بیٹے نے جواب میں کہا: ابّا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کو کر گزریئے، خدا نے چاہا مجھے برداشت کرنے والوں اور سہارنے والوں میں پائیں گے، پھر جب دونوں نے ہمارا حکم مان لیا اور تسلیم و انقیاد کی گردن جھکا دی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لِٹا دیا تو ہم نے پکارا: اے ابراہیمؑ! بس کرو تم نے اپنا خواب سچّا کر دکھایا، ہم نیک عملوں کو یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بے شبہ یہ تمہاری کھُلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو اُن کا فدیہ دیا (یعنی بیٹے کی قربانی کے بدلے ایک بڑی قربانی قائم کی) اور بعد کے آنے والوں پر بھی اس کو باقی رکھ چھوڑا۔

ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کا یہ اندازِ تسلیم و رضا اور جوشِ فداکاری کچھ ایسا مقبول ہوا کہ اسکو ہمیشہ کیلئے مِلّی اور مذہبی نشان بنا دیا گیا اور قربانی ایک مستقل سُنّت قرار پاگئی۔

اسلام کا بہت بڑا اور اہم رکن حج جو ذی الحجہ کی نویں تاریخ (عرفہ) کو میدانِ عرفات میں ادا کیا جاتا ہے اور جس کیلئے دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں انسان اس بابرکت اور نورانی وادی میں بیک وقت جمع ہوتے ہیں اور ایک جذبۂ بیتاب اور ولولۂ بے پناہ کے ساتھ اپنے پروردگار کو یاد کرتے اور اپنی لغزشوں اور ذلتوں کی معافی چاہتے ہیں۔ خدا کے انہی طاعت گزار بندوں کی نہایت متبرک یادگار ہے۔

Marfat.com

حج کے دنوں میں ہر قدم پر جو لبیک کہا جاتا ہے، یہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانِ حق سے نکلے ہوئے لفظوں کا ترجمہ ہے یعنی پروردگار! میں آپ کے حکم کی بجاآوری کے لئے حاضر ہوں۔ اے وحدہٗ لاشریک میرا سر ہر وقت آپ کی خوشنودی کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

نویں تاریخ کی صبح سے تیرھویں کی عصر تک جو تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اور جو ان دنوں کی نہایت اہم اور خاص عبادت خیال کی جاتی ہے اس کی اصل یوں بیان کی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے جبریلؑ امین فدیہ کا مینڈھا لے کر حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ابراہیم خلیلؑ حکمِ خداوندی کی تعمیل (لختِ جگر کی قربانی) بعجلت تمام کرنا چاہتے ہیں، خدا کا مقدس فرشتہ اس منظر کو دیکھ کر کہہ اُٹھا: اللہ اکبر! اللہ اکبر! خلیل اللہؑ نے جواب میں فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ جبریل و خلیل کی زبان سے صبر و ایثار کے پیکر اسمٰعیلؑ نے جب یہ الفاظ سُنے تو اسی حالت میں فرمایا: اللہ اکبر و للہ الحمد۔ اس تفصیل کے مطابق یہ تکبیر تینوں بزرگوں کی زبان سے نکلے ہوئے متبرک الفاظ کا مجموعہ ہے جو ایک خاص حالت و کیفیت میں کہے گئے تھے۔

صفا، مروہ پہاڑوں کے درمیان چکر لگانا، منیٰ میں چار روز کا قیام اور اس مقام کی خاص خاص عبادتیں بھی کعبۂ محترم کے انہی بانیوں اور تعمیر کرنے والوں کی یاد تازہ کرتی اور پژمُردہ دلوں کو حرارتِ ایمانی سے گرماتی ہیں۔ آیئے تھوڑی دیر کے لئے ہر خیال سے یکسو ہو کر تاریخ عالم کی اس لاثانی شخصیت کے اُسوۂ حسنہ کی یاد منائیں جس نے حق کی آن قائم رکھنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، اپنی قوم کو چھوڑا، عزیزوں قریبوں سے ترکِ تعلق کیا اور حق و صداقت کی پاسبانی کیلئے ہر چیز سے بے نیاز ہو کر کتنی ہی آبادیوں اور کتنے ہی ویرانوں میں برسوں تک بے سہارے پھرتا رہا، جس نے آگ میں

پڑنا گوارا کیا لیکن اپنے عقیدے پر جس کو وہ حق جانتا تھا پتھر کی چٹان کی طرح جما رہا یہاں تک کہ سالہا سال کی گردش اور مختلف آزمائشوں میں کامیاب ہونے کے بعد آخر عمر میں جب اس کی تمنّا اس طرح پوری ہوئی کہ قدرت نے اس کو ایک بُردبار اور ہونہار بیٹا دیا جو فی الحقیقت بڑھاپے کا سہارا اور خزاں رسیدہ چمن کا ایک تر و تازہ پھول تھا تو اس کو بھی خدا کی راہ میں قربان کر دینے کا حکم ہوا اور مالک کا یہ وفا شعار بندہ خوشی خوشی اس کیلئے آمادہ ہو گیا، یہاں تک کہ جگر پارے کے گلے پر بے تکلف چھُری رکھ دی۔ یہ ایک زبردست اور آخری آزمائش تھی جو معبودِ حقیقی نے اپنے سچّے بندے کی کی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا یہ بندہ جس نے میرے لئے دنیا کی ہر چیز تج دی ہے محبّتِ پدری کو بھی قربان کر سکتا ہے یا نہیں۔

"سچ تو یہ ہے کہ ابراہیم بڑا ہی بُردبار، بڑا ہی نرم دل اور ہر حالت میں اللہ کی طرف رجوع ہو کر رہنے والا ہے۔" (قرآنِ حکیم، سورۂ ہود)

یہ ہے حج اور قربانی کی تاریخ کا ایک مجمل سا خاکہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتابِ زندگی کا ایک سبق آموز ورق۔ اب آیئے قربانی کے اصل مقصد اور اس کے فلسفہ پر بھی غور کرتے چلیں۔ رسم قربانی سے مقصد کسی وقت اور کسی حالت میں بھی دوسروں کی دل آزاری نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دوسروں کا دل دکھانے کیلئے قربانی کرتا ہے تو وہ بے شبہ اپنے اس بہترین عمل کو برباد کرتا ہے، قرآن مجید نے قربانی کی اصل حقیقت کا روحانیت میں ڈوبے ہوئے ان لفظوں کے ساتھ برملا اعلان کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو گوشت، پوست اور ہڈیوں اور خون سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ گل سڑنے والی چیزیں اسکے دربار میں نہیں پہنچتیں۔ جو چیز اس کی بارگاہ میں پہنچتی اور شرفِ تقرب حاصل کرتی ہے وہ صرف دل کا ادب اور ضمیر کی پاکی ہے۔"

یعنی جانور ذبح کر کے اس کا گوشت کھانے کھلانے یا اُس کا خون گرانے سے تم

Marfat.com

کبھی بھی اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکتے، اس کی رضا چاہتے ہو تو اپنے اندر صبر، تحمّل، نیک عملی اور پرہیزگاری کی روح بیدار کرو اور سوچو کہ جس جوش اور ولولے کے ساتھ تم نے ایک قیمتی جانور اس کی اجازت سے اس کے نام پر قربان کیا اسی جوش و خروش کے ساتھ زندگی کے باقی گوشوں میں بھی ایثار و قربانی کا ثبوت دینے کیلئے آمادہ ہو؟

انسانیت کا احترام، بھائی چارے کا قیام، جذبۂ انتقام سے نفرت، انسانی اخوّت و مساوات، پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت، دعوتِ امن اور قیامِ عدل، کردار کی بلندی اور پاکی، دشمنوں اور بُرا چاہنے والوں سے بھی حُسنِ سلوک، حکمت اور دانائی سے ناگواریوں اور تلخیوں کا مقابلہ، مایوسیوں اور نا اُمیدیوں کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں بھی اُمید کی چٹان پر مضبوطی سے جمے رہنا، حق کی حمایت اور باطل کے مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہو جانا، بے سہاروں اور ناداروں کی ضرورتوں کا احساس، زندگی کے یہ تمام عنوانات تمہارے جواب کا انتظار کر رہے ہیں، ایسا جواب جو پیشوائے اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات اور تعلیمات کے قالب میں ڈھلا ہوا ہو ــــــ قوموں کی زندگی میں اس طرح کے قدرتی اجتماعات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ مواقع قوم کے افراد پر زبردست نفسیاتی اثر ڈالتے ہیں۔ وہ دیواریں جو روزمرہ کی زندگی میں اُنکو ایک دوسرے سے جُدا رکھتی ہیں ایسے موقعوں پر خود بخود ٹوٹ جاتی ہیں اور یہ احساس عام ہو جاتا ہے کہ ہم سب ایک مضبوط رشتہ سے بندھے ہوئے ہیں اور وہ ہے انسانیت! اور اسکے قدرتی تقاضوں کا رشتہ جس کو کوئی اندھا تعصب کچھ دیر کیلئے مضمحل تو کر سکتا ہے توڑ نہیں سکتا۔ پس آؤ، آج ابراہیم خلیلؑ کی نرم مزاجی اور شیریں کلامی، اسماعیلؑ ذبیح کے ولولۂ ایثار اور جذبۂ استقامت اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہؐ کی شانِ عفو و رحمت کے نام پر عیدِ قرباں کے اس مبارک اور روحانی اجتماع سے عزم و ہمت، ایثار و فداکاری، قوتِ صبر و برداشت اور سوسائٹی کے بے وسیلہ اور کمزور افراد کی خدمت کا سبق سیکھیں۔

یکم ستمبر ۱۹۵۲ء

Marfat.com

عیدِ اضحیٰ کی فضیلت

تاریخ کے ہر دور میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی روشنی کا مینار ثابت ہوئی ہے۔ حق پرستوں نے سچائی اور حق پرستی کے ہر قدم پر اُن کے طریقِ زندگی کو اپنے لئے اُسوہ بنایا ہے۔ ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود کعبۃ اللہ کے اس معمار کی فداکارانہ زندگی کے نقوش آج بھی اُسی شانِ ایثار اور آنِ اخلاص کے ساتھ اُبھرے ہوئے ہیں۔ آپ نے تسلیم و رضا، صبر و استقامت، وفاداری و اطاعت کیشی، شیفتگی و فدویت حِلم و بُردباری، سوز و گداز، جوشِ توحید اور ولولۂ حق کا جو بے مثال نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اس کے سورج کی کرنیں آج بھی اُسی طرح چمک رہی ہیں اور رہتی دنیا تک چمکتی رہینگی۔

عیدِ اضحیٰ کی تقریبِ سعید قوموں اور مِلّتوں کے انہی پیشوا اور انکے صاحبزادے سیّدنا حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی یاد تازہ کرتی اور تمام دنیا کے انسانوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی دعوت دیتی ہے۔

- کم و بیش پانچ ہزار سال پہلے کی بات ہے کہ نبیوں اور پیغمبروں کے امام، اللہ کے خلیل سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مسلسل اور سخت سے سخت آزمائشوں اور امتحانوں میں کامیاب ہونے اور پورا اُترنے کے بعد بڑھاپے اور ضعیفی میں اپنے پروردگار سے التجا کی تھی:

"پروردگار! مجھے نیکوکار اور سعادت مند اولاد عطا فرما۔" (الصفٰت آیت ۱۰۰)

دعا قبول ہوئی اور جواب مِلا:

"ہم نے ابراہیمؑ کو بُردبار اور نرم دل لڑکے کی بشارت دی۔" (الصفٰت آیت ۱۰۱)

Marfat.com

بوڑھے باپ کا دل یہ خوشخبری سُن کر کنول کے پھُول کی طرح کھِل گیا کیونکہ وعدہ صرف اتنا ہی نہیں کیا گیا تھا کہ بڑھاپے میں ایک لڑکا مرحمت ہوگا بلکہ کہا گیا تھا کہ وہ فرزندِ دلبند ہوگا۔ تندرست و توانا، نیک عمل اور بُردبار جو مادّی اور روحانی ہر حیثیت سے باپ کی ضعیفی کا سہارا اور اپنے بزرگوں کا سچّا جانشین ہوگا۔ اولاد کی نعمت یونہی کیا کم ہوتی ہے، یہ جب بھی ملتی ہے غنچۂ دل کھِل جاتا ہے اور بڑھاپے کی اولاد اور سعید و نیک بخت اور دانشمند اولاد کی خوشی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ چنانچہ بوڑھے ماں باپ ارمانوں اور تمنّاؤں کے ہجوم میں غرق وعدۂ خداوندی کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ وہ ساعتِ دلنواز آگئی اور سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حرمِ محترم حضرت ہاجرہؑ کی آرزوؤں کا پھول کھِل گیا، بچہ سطحِ وجود پر نمودار ہوا اور والدین کی اُمیدوں اور ارمانوں کے سائے میں پروان چڑھنے لگا۔ قدرت کی تمام خاموش طاقتیں اس کی نگہداشت و تربیت میں لگ گئیں یہاں تک کہ جب وہ ضعیف والدین کی ضرورتوں میں مدد دینے کے لائق ہوگیا اور باپ کی دینی ذمّہ داریوں کو ہلکا کرنے میں بھی برابر کا شریک ہونے لگا تو دفعتہً ایک شب میں جبکہ توحیدِ الٰہی کے اس سچّے پرستار کی آنکھیں سو رہی تھیں اور دل جاگ رہا تھا یہ دکھایا گیا:

"جانِ پدر! مجھے دکھایا گیا ہے کہ میں تمہارے حلقوم پر چھُری پھیر رہا ہوں، کہو کیا کہتے ہو اور سوچ کر بتاؤ اس میں تمہارا کیا خیال ہے؟" (الصّفت آیت ۱۰۲)

یہ اللہ کے برگزیدہ ترین پیغمبر اور کرۂ ارض کے سب سے بڑے موحّد کا خواب تھا جس میں کسی واہمہ کی کرشمہ سازی یا ژولیدہ دماغی کا دخل نہیں ہوسکتا تھا اور سچّوں کے اس پیشوا کے آئینۂ قلب کا کوئی نقش دھندلا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے جو کچھ دل کی آنکھوں سے دیکھا تھا سرتاسر حق تھا۔ اب غور کیجئے! دنیا میں آج تک کسی باپ نے کسی بیٹے سے اس کے گلے پر چھُری چلانے کی صلاح لی ہے، پھر بیٹے نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا وہ

Marfat.com

بھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی بیٹے نے کہا ہے۔ بیٹے نے جواب دیا:

"ابّا جان! آپ کو جو حکم مِلا ہے بے تامّل اس کی تعمیل کیجیے، خدا چاہے گا تو آپ مجھے صبر کرنیوالا اور برداشت کرنے والا پائیں گے۔" (الصفت آیت ۱۰۲)

قربان جایئے جواب کے اندازِ سپردگی پر، بیٹے کے لئے معذرت کی کچھ کم گنجائش نہیں تھی، باپ کے خواب کی وہ بے تکلّف مختلف توجیہیں کرسکتا تھا، لیکن سیّدنا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مرتبۂ نبوّت کے پورے اداشناس تھے، وہ جانتے تھے کہ سچّے قلب پر سچ کے سِوا کسی چیز کا القا نہیں ہوسکتا خواہ یہ القا اس وقت ہو جب ظاہر کی آنکھیں کھُلی ہوئی ہوتی ہیں، خواہ اس وقت ہو جب یہ آنکھیں دیکھنے میں بند ہوتی ہیں اور دل کی بصیرت اسی طرح بیدار رہتی ہے۔ چنانچہ باپ کا منشاء معلوم کرتے ہی بیٹے نے جس کے سینہ میں جوانی کی اُمنگیں کروٹیں لے رہی تھیں خوشی خوشی اپنی جان قربان کردینے کے لئے پیش کردی۔

یوں تو سیّدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ہمیشہ ایک راست گو فرماں بردار کی حیثیت سے پیش کیا تھا اور تمام عمر ان فرمانوں کی تعمیل کرتے رہے تھے لیکن آج کی آزمائش کا انداز کچھ اور ہی تھا، یہ پچھلی تمام آزمائشوں سے کڑی تھی اور آج کا امتحان پچھلے تمام امتحانوں سے نرالا امتحان تھا بلکہ کہنا چاہیئے کہ کائناتِ انسانی کی پوری رُوئیدادِ حیات ایسی آزمائش کی مثال نہیں پیش کرسکتی۔

ایک پیرِ دیرینہ سال جس کی تمام اُمیدوں کا یہ ایک ہی چراغ ہے اور جس کے خزاں رسیدہ چمن کا یہ ایک ہی سرسبز و شاداب پھول ہے اس کے متعلق حکم ہوتا ہے کہ اس کو ذبح کر ڈالو یعنی جو ہاتھ اب تک رافت و رحمت کے لئے تھے اُنھیں سے اس معصوم کی گردن پر چھُری پھیر دو۔ بے شک سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام دہکتی ہوئی آگ میں کود چکے تھے اور اپنی جان کا نذرانہ دے چکے تھے لیکن آج مطالبہ راحتِ جان

کے نذر کر دینے کا تھا۔

لیکن اپنے رب کا یہ اطاعت گزار بندہ اس امتحان میں بھی پورا اُترا اور اب وہی ہاتھ جنھیں اُٹھا اُٹھا کر کبھی آنکھوں کے اس نور اور دل کے اس سرور کے وجود میں آنے کی دعائیں کی گئی تھیں آج اس کو پیشانی کے بل زمین پر گرا کر اس کے گلے پر چھُری پھیرنے کو آمادہ ہو گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ ایک مُشتِ خاک نے عشق و وارفتگی کا جو دعویٰ کیا تھا اس کا دعویٰ کتنا سچّا نکلا۔ تسلیم و سپردگی کے امتحان میں باپ اور بیٹے کا پورا اُترنا تھا کہ عالمِ بالا حرکت میں آگیا۔ نورِ پاک کے جھروکے سے آواز آئی "اے ابراہیمؑ! تم نے اپنا خواب سچّا کر دکھایا، تم نے وہ قربانی پیش کر دی جس سے بڑھ کر نہ تم سے پہلے کسی نے پیش کی تھی نہ تمہارے بعد کوئی پیش کرے گا" یہ کھوٹے کو کھرے سے جُدا کر دینے والی آزمائش تھی، جان لینی مقصود نہیں تھی، صرف تمہارے ولولۂ فدا کاری کو آزما کر اس کا انعام دینا مقصود تھا اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہم کہا ماننے والوں کو کس طرح اپنے انعام و اکرام سے نوازتے ہیں...." (مفہوم)

سچ تو یہ ہے کہ عشق و محبّت کے یہ راز و نیاز پیمانۂ عقل و خرد میں سما ہی نہیں سکتے۔ قربانی کا مطالبہ ہوا تو اس کی جو اس لائق تھا کہ دنیا اس پر قربان کر دی جائے اور جب وفورِ شوق میں جان پیش کر دی گئی تو حکم ہوتا ہے واپس لے جاؤ۔

وحیِ الٰہی نے اعلان کر دیا:۔

"اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا اور بعد کے آنے والوں میں ابراہیمؑ کا ذکرِ خیر باقی چھوڑ دیا۔ ابراہیم پر سلام و رحمت ہو"

(الصّٰفّٰت آیت ۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹)

یہ ہے اس تقریب کی مختصر سی سرگزشت اور سیدنا حضرت ابراہیم اور سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے کردار و عمل کی عظمت کا ایک نصیحت آموز مرقّع۔

Marfat.com

اسی کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پروردگار نے اپنے خلیل کی ایک ایک ادا کو کس طرح غیر فانی بنایا، بیٹے کے فدیہ میں جانور ذبح کیا تو یہ منظر ایسا پسند آیا کہ آنے والی نسلوں پر قربانی واجب کر دی اور حکم دے دیا کہ جس کو ہماری خوشنودی کی جستجو ہے وہ "ذبحِ عظیم" کی اس تاریخ کو قربانی کا فدیہ دے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو قربان کر کے ہمارے ان فرماں بردار بندوں کی یاد منائے۔ انتہا یہ ہے کہ سیدنا حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی والدۂ ماجدہ نے پیاس کی شدت سے بیتاب و مضطرب ہو کر صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان پانی کی تلاش میں بیتابانہ دوڑنا شروع کیا تو ان کی اس حالت کو بھی ایک مذہبی شعار بنا دیا گیا اور اس کو حج کے ایک اہم جزو کی حیثیت دیدی گئی۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر جو سلامتی اُتاری گئی تھی چشمِ کائنات آج بھی اس کا ظہور اُسی شان سے دیکھ رہی ہے۔ نمرود، اس کی شاہانہ سطوت اور حاکمانہ رعونت کا کہیں نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ کلدانیہ اور اُس کے چمکتے ہوئے تمدن اور دمکتی ہوئی تہذیب پر کوئی فاتحہ پڑھنے والا بھی مشکل ہی سے ملے گا لیکن سیدنا حضرت ابراہیم و سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے نام سے دنیا کا کونہ کونہ روشن ہے اور اُن کی دی ہوئی ہدایتوں کے نُور سے خدا کی وسیع سرزمین پر اُجالا پھیل رہا ہے۔

پھر جس طرح سیدنا حضرت ابراہیم اور سیدنا حضرت اسمٰعیل علیہما السلام والصلوٰۃ کی زندگی کا یہ واقعہ تاریخ میں اپنا جواب نہیں رکھتا اس واقعہ کی یاد منانے کے یہ دن بھی بہت سی غیر معمولی خصوصیتیں اور فضیلتیں اپنے اندر رکھتے ہیں۔ عرفہ جس میں عرفات کی پُر نور وادی اور مقدس میدان میں حج کا سب سے اہم رُکن ادا کیا جاتا ہے اور جہاں اس تاریخ کو صبح سے شام تک قیام کرنا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام

Marfat.com

کی خاص یادگار ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے سال کے تمام دنوں میں سے خاص طور پر چُنا اور اس کی ساعتوں میں کچھ ایسی برکتیں رکھ دیں جو سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں کسی میں نہیں رکھیں۔ اس کے روزے کو ایک گزرے ہوئے سال اور ایک آنے والے سال کی لغزشوں کا کفّارہ بنایا بلکہ اس دن کی برکت سے اس مہینہ کے پورے عشرہ کو نیک کاموں کیلئے زیادہ سے زیادہ پسند فرمایا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا "حق تعالیٰ کی جناب میں اچھے کاموں کیلئے یہ دن تمام دنوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں، اِن دنوں کے عمل دوسرے دنوں کی نسبت سے اسکی بارگاہ میں زیادہ مرغوب اور زیادہ پسندیدہ ہیں" (بخاری شریف) قرآن مجید میں ان کی عظمت کے بیان کے لئے یہ انداز اختیار کیا گیا:

"صبح اور دس راتوں کی قسم" (الفجر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں عرفات کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر جو بے مثال خطبہ دیا تھا اور جس میں دین کے تمام اہم اصول نہایت ہی جامع اور اثر انگیز طریقہ پر بیان کئے گئے ہیں وہ بھی اس دن کی ایک مہتم بالشان یادگار ہے، اسی تاریخی خطبہ میں آپ نے وہ انقلاب آفریں اعلان بھی فرمایا تھا جس کے بعد اونچ نیچ کے زخموں سے چُور انسانیت کی جُھکی ہوئی کمر سیدھی ہو گئی اور خود ساختہ مراتب کا وہ امتیاز ہمیشہ کیلئے مِٹ گیا جس کے بوجھ سے اس وقت دُنیا کی تمام قومیں مختلف شکلوں میں دَبی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"لوگو! اچھی طرح سمجھ لو کسی عرب کے رہنے والے کو کسی عجم کے رہنے والے پر اور کسی عجم کے رہنے والے کو عرب کے رہنے والے پر (نسلی اعتبار سے) کوئی برتری اور امتیاز نہیں، تم سب ایک آدم کی اولاد ہو اور آدم کا پُتلا خاک سے بنا تھا"

اب آیئے اِن تقریبوں کے قریبی مقصد کو بھی سمجھتے چلیں۔ اِس طرح کی تقریبات کا قوم کی اجتماعی زندگی پر زبردست اثر پڑ سکتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے زندگیوں کے نقشے تبدیل ہو جاتے ہیں، ٹوٹے ہوئے دل جُڑ جاتے ہیں، مُرجھائے ہوئے چہرے کِھل جاتے

Marfat.com

ہیں، بیگانگی اور اجنبیت کے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور کتنی ہی غلط فہمیاں جو عام حالات میں بڑی بڑی کوششوں کے باوجود قائم رہتی ہیں اِن تقریبات و اجتماعات کی برکت سے چند لمحوں میں دُور ہو جاتی ہیں، ضرورت صرف احساس کو بیدار کرنے اور مقصد پر نظر رکھنے کی ہے۔ پس آیئے عید قرباں کے اس مبارک اجتماع کی تقریب پر عزم و ہمّت، صبر و استقامت، جذبۂ ایثار و قوتِ برداشت، حق پرستی اور جاں سپاری اور حوصلہ مندی و رواداری کا عہد و پیمان کریں۔ ایسا عہد و پیمان جس سے اسلام اور اس کی سچّی تعلیمات کا نام روشن ہو جائے۔

۱۷ اگست ۱۹۵۳ء

Marfat.com

پیغامِ ابراہیمؑ

عیدِ قرباں جس کی تقریب آج دنیا کے گوشے گوشے میں منائی جارہی ہے حضرت ابراہیمؑ کی دعوت اور ان کے پیغامِ حق کی بنیاد کو سمجھنے اور اس کی یاد تازہ کرنے کا بہترین موقع فراہم کرتی ہے۔ یہ تقریب اللہ تعالیٰ کے ۲ دو برگزیدہ پیغمبروں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ایک بے مثال اسوۂ حسنہ کی یادگار ہے جو خدا تعالیٰ کے اِن خاص بندوں نے نوعِ انسانی کے سامنے پیش کیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے بڑھاپے کی آخری منزلوں میں ایک ایسا فرزند عطا فرمایا تھا جو بُردبار بھی تھا اور نرم خُو بھی، نیکوکار بھی تھا اور سعادت آثار بھی اور جو بوڑھے باپ کی ضعیفی کا سہارا ہی نہیں تھا بلکہ ان کے پیغامِ حق و صداقت کو باقی رکھنے کا بھی واحد ذریعہ تھا۔ چنانچہ ابراہیمؑ اپنی اِس متاعِ محبوب و گراں مایہ پر سو جان سے قربان ہوتے تھے اور انھوں نے اس نونہال کی تربیت و نگہداشت پر اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کردی تھیں لیکن پیغمبرِ برحق نے جب اپنے پروردگار کا یہ منشا پایا کہ اسمٰعیلؑ کو اس کے نام پر قربان کردیا جائے تو وہ چُھری لے کر اس کے حلقوم پر پھیرنے کیلئے بے تامّل تیار ہوگئے۔ اس وقت نہ تو ان کے دل میں تردّد و تذبذب کی کوئی خلش پیدا ہوئی اور نہ اس نوخیز و نوجوان ہی نے کسی طرح کا خوف و ہراس محسوس کیا بلکہ باپ بیٹے دونوں قلب و روح کی تمام اطمینان بخشیوں کے ساتھ رضائے الٰہی کے سامنے جھک گئے۔ حق تعالیٰ کو ان وفاکیش بندوں کی یہ ادائے دل نواز کچھ ایسی پسند آئی کہ اس کو رہتی دنیا تک یادگار بنا دیا گیا۔ آج اس واقعۂ تسلیم و رضا پر چار ہزار برس سے زیادہ گذر چکے ہیں، مگر اس روز سے آج تک

نہ صرف وادیِ مکّہ میں بلکہ رُوئے زمین کے کونے کونے میں اسوۂ ابراہیمی کی یاد ایک خاص شان سے منائی جاتی ہے اور اللہ کے نیک بندے اپنے عمل سے اس کا عہد کرتے ہیں کہ ہماری بندگی اور قربانی، ہماری موت اور زندگی سب اللہ کے لئے ہے۔ اور ہمارے وجود کا مقصد ہی یہ ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کا کہا مانیں اور زندگی کے لمحے اس کی خوشنودی و رضا کے مطابق بسر کریں۔ قرآن مجید نے صبر و رضا اور بندگی و سپردگی کے اس ایمان افروز منظر کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

"جب اسماعیل اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہوئے تو ابراہیمؑ نے کہا جانِ پدر! مجھے دکھایا گیا ہے کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ سوچو، اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا " ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے سہارنے والوں میں پائیں گے۔" پھر جب دونوں ہمارے حکم کے سامنے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے کہا۔ ابراہیمؑ! بس ٹھہرو، تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، ہم نیک عملوں کو یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ لاریب یہ تمہاری کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا اور آنے والوں پر بھی اسکو باقی رکھ چھوڑا۔"

اسلام کا مقدس رُکن حج، جس کی خاص عبادتیں ۸ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک عشق و محبّت کے ایک جذبۂ بیتاب کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں، کعبۃ اللہ کے انہی معماروں کی نہایت پُر کیف اور ولولہ انگیز یادگار رہے۔ اِن دنوں میں ہر موقع پر جو "لبیک" کہا جاتا ہے، یہ وہی حضرت ابراہیم خلیلؑ کی زبانِ حق سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں یعنی پروردگار! میں آپ کا ہر حکم ماننے کے لئے حاضر ہوں۔ اے وہ جس کا کوئی سہیم و شریک نہیں، میری گردن ہر وقت آپ کی بارگاہ میں جھکی ہوئی ہے۔ سب تعریفیں اور نعمتیں آپ ہی کی ہیں اور بادشاہی و حکمرانی کا حق بھی آپ ہی کو پہنچتا ہے۔"

نویں ۹ تاریخ کی صبح سے تیرھویں کی عصر تک جو تکبیریں ہر نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں

Marfat.com

اور جوان دلوں کی نہایت اہم عبادت ہے وہ بھی ان بزرگوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا پاکیزہ مجموعہ ہے جس سے افسردہ دلوں میں ایمان کی گرمی پیدا ہوتی ہے۔

پس آئیے! چند لمحوں کے لئے ہر خیال سے بے تعلق ہو کر تاریخِ عالم کی اس لازوال شخصیت کے اُسوۂ حسنہ کی یاد منا کر ایمان تازہ کریں۔ جس نے حق کی عظمت قائم رکھنے کے لئے اپنی قوم کو چھوڑا، عزیزوں قریبوں سے ترکِ تعلق کیا اور حق و صداقت کی حفاظت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ جس نے آگ میں کودنا گوارا کیا لیکن اپنے عقیدے پر، جس کو وہ حق سمجھتا تھا، چٹان کی طرح جما رہا۔ یہی وہ موقف ہے جہاں سے ہم حضرت ابراہیمؑ کے پیغام اور اُن کی دعوت کی روح کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنی زندگی کے معمولات کو اس مضبوط و مستحکم اور صاف و شفاف قالب میں ڈھالنے کی جدوجہد کر سکتے ہیں۔ اس کی تفصیل کے لئے ہمیں حضرت ابراہیمؑ کی کتابِ زندگی کے ایک دوسرے ورق کا بھی تھوڑا سا حصّہ پڑھنا چاہیئے۔

ملّتِ حنیفی کے اس بانی نے جس زمین میں ہوش سنبھالا تھا اس میں تہذیب و تمدّن کی کمی نہیں تھی۔ بابل و نینوا کی طاقتور... قوموں پر علم و حکمت اور صنعت و حرفت کا آفتاب اپنی تیز شعاعیں ڈال رہا تھا۔ لیکن مادّی زندگی کی اس ترقی کے باوجود ان کی روحانی پستی کی یہ حالت تھی کہ ہر چیز، جو کچھ طاقت رکھتی تھی، اور جس سے ان کے خیال میں کوئی نفع نقصان پہنچ سکتا تھا، اُن کی معبود تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایسے بھیانک اور اندھے ماحول میں آنکھ کھولی تھی، مگر ان کی فطرت میں سلامتی کا ایسا جوہر رچا ہوا تھا جس سے اس وقت کے بڑے بڑے مہذّب اور متمدن بھی محروم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے نظریوں میں ٹکراؤ شروع ہو گیا۔ انھوں نے قوم کے جاہلانہ اطوار و عادات قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بھٹکی ہوئی قوم کو ہدایت کا راستہ دکھانے کی ٹھان لی۔ انسانیت کے ایک بہی خواہ کی حیثیت سے

Marfat.com

اُن سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ قوم کو ہلاکت کی طرف جاتا ہوا دیکھیں اور خاموش رہیں حالانکہ جانتے تھے کہ اس جرأتِ حق کا نتیجہ کیا ہوگا۔ مصیبتوں اور تکلیفوں کا پہاڑ اُن پر ٹوٹ پڑنے والا تھا لیکن عشقِ ابراہیمی تمام خطروں سے بے پروا ہو کر آتش نمرود میں کود پڑا اور ابراہیمؑ نے قوم کو اس کی گمراہی پر بے جھجک ٹوکنا شروع کر دیا۔ میٹھے اور سبک لہجے میں سب سے پہلے اپنے باپ سے کہا :

"پیارے باپ ! میرے پاس علم و حکمت کی ایسی روشنی آئی ہے جو آپ کے پاس نہیں آئی۔ پس آپ کو میرا کہا ماننا چاہیئے"

پھر دوسروں کو نصیحت کی :-

"لوگو! اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اگر تم کچھ بھی سمجھ رکھتے ہو"

حضرت ابراہیمؑ کے قلب میں توحیدِ الٰہی کی شمع روشن ہو چکی تھی اور وہ جو کچھ کہہ رہے تھے اس کی روشنی میں کہہ رہے تھے لیکن قوم کے لئے یہ ایک نامانوس اور اجنبی آواز تھی جو اس سے پہلے اس کے کانوں میں نہیں پڑی تھی۔ ایک خدا کا تصوّر ان کی توہم پرستیوں کے ظرفِ عقل میں سما نہیں سکتا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر اُن کو ابراہیمؑ کی زبان سے یہ بات سُن کر تعجب ہوا اور حیرت میں غرق ہو کر انکار پر اُتر آئے۔ ابراہیمؑ کی جرأتِ بیباک کی خبر شدہ شدہ بابل کے حکمراں تک بھی پہنچی جو رعایا کا حکمراں ہی نہیں تھا بلکہ اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔ جب اس نے ایک دوسرے اصلی خدا کے نقیب کا ذکر سُنا جو تمام کائنات پر ایک ہستی کی کار فرمائی کا اعلان کر رہا تھا تو بلبلا اُٹھا اور بالآخر ایک موقع پر براہِ راست دونوں کی ٹکّر ہو گئی۔ ایک مظلوم بے سر و سامان اور بے وسیلہ و کمزور کی ٹکّر وقت کے سب سے بڑے اقتدار اور جبر و قہر سے۔ اس نے پوچھا۔ ابراہیمؑ! تمہارا رب کون ہے؟۔ ابراہیمؑ نے جواب میں کہا "جو مارتا جلاتا ہے"

Marfat.com

اس نے کہا یہ تو میں بھی کرتا ہوں۔ جس کو چاہتا ہوں قتل کر دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے دوبارہ برملا کہا "میرے رب کا اتنا ہی کام نہیں بلکہ وہ سورج کو بھی مشرق سے نکالتا ہے تم آج اُس کو مغرب سے نکال کر دکھاؤ"۔ علم و بصیرت کی اس دلیل کا نمرود کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور وہ اور اس کا سجا یا ہوا دربار مبہوت ہو کر رہ گیا۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ توحیدِ الٰہی کے اس داعی نے سب سے پہلے اپنے باپ کو پیغامِ حق سُنایا پھر جمہور کے سامنے اس پیغام کو رکھا اور انجام کار وقت کے اقتدارِ اعلیٰ کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا کہ حق کے مقابلے کے لئے باطل کی تمام طاقتیں متفق ہو کر سامنے آگئیں اور فیصلہ کیا گیا کہ ابراہیمؑ کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے۔ رُوحانیت کے مقابلے میں مادّی سطوت و جبروت کا یہ ایسا مظاہرہ تھا جس کی مثال چشمِ فلک نے نہیں دیکھی تھی اور سرفروشی کا یہ انداز ابراہیمؑ جیسا اطاعت شعار بندہ ہی اختیار کر سکتا تھا۔ سلام و رحمت ابراہیمؑ اور اُن کے نقشِ قدم کی خاک پر جس نے بعد میں آنے والوں کے لئے حق پر قربان ہونے کی ایسی مثال پیش کی۔ ہزاروں سال کی گردش کے باوجود کعبۂ محترم کے اس معمار کی فداکارانہ اور جاں سپارانہ زندگی کے نقوش آج بھی اسی شان کے ساتھ اُبھرے ہوئے ہیں۔ آپ نے صبر و استقامت، تسلیم و رضا، سوز و ساز اور ولولۂ تبلیغِ حق کا جو نمونہ دنیا کو دکھایا اس کی چمک دمک آج بھی اسی طرح موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ نمرود اور اس کی شاہانہ سطوت و رعونت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ آج کلدانیہ اور اس کے تمدّن پر کوئی فاتحہ پڑھنے والا بھی مشکل ہی سے ملے گا لیکن ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے کردار و عمل کے نور سے خدا کی وسیع سرزمین پر اب تک اُجالا پھیل رہا ہے۔ کیا ہم اُسوۂ ابراہیمی کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی اور اس کے نظامِ عمل کی نوک پلک دُرست کرنے کے لئے تیار ہیں؟ انسانیت

Marfat.com

کا احترام، اخوت و مساوات کا احساس، جذبۂ انتقام سے بیزاری، پڑوسیوں اور ہموطنوں کے حقوق کی نگہداشت، دانائی اور حکمت سے ناگواریوں کا مقابلہ، اخلاق و کردار کی پاکی، مشکلوں اور نااُمیدیوں کی اندھیریوں میں بھی اُمید کا دامن تھامے رہنا، باطل کے مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہو جانا، بے سہاروں کو سہارا دے کر کھڑا کرنا، اُسوۂ ابراہیمی میں زندگی کے یہ تمام عنوانات پوشیدہ ہیں۔ ہم چاہیں تو ان سے بہت کچھ سبق لے سکتے ہیں اور زندگی کو اسی قالب میں ڈھال سکتے ہیں۔

۳۱ر جولائی ۱۹۵۵ء

Marfat.com

عیدِ اضحیٰ کی اہمیّت

عیدِ اضحیٰ کی تقریبِ سعید اس لاثانی تاریخی واقعہ کی یاد تازہ کرنے کے لئے منائی جاتی ہے جو اب سے ہزاروں سال پہلے مکہ معظمہ کی نورانی وادی میں پیش آیا تھا، اس واقعہ کا تعلق تاریخِ عالم کی دو عظیم الشان اور مقدس ترین شخصیتوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے فرزندِ دلبند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک خاص کردار سے ہے۔ ایسا کردار جو زمین کے سینہ پر اس سے پہلے کبھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔ یہ واقعہ ہمارے اعتقاد کی دنیا میں کچھ اس طرح بس گیا ہے کہ جب بھی اسکی داستان چھڑتی اور اس کا ذکر آتا ہے، زمان و مکان کی دُوری کے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں اور کچھ ایسا سماں بندھ جاتا ہے کہ ماضی، حال اور مستقبل کا امتیاز یکسر مِٹ جاتا ہے اور یہ سب کڑیاں مِلی جُلی نظر آنے لگتی ہیں۔ کوئی چار، ساڑھے چار ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو جو اس سے پہلے بھی صبر و استقامت، تسلیم و رضا اور بندگی و سپردگی کی کتنی ہی آزمائشوں میں کامیاب ہو چکے تھے، خواب میں دکھایا گیا کہ اپنی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں۔ اللہ کا سچا پیغمبرؑ آٹھویں، نویں اور دسویں ذی الحجہ کی تینوں تاریخوں میں برابر یہی خواب دیکھتا رہا اور ہاتفِ غیب کی طرف سے یہی آواز آتی رہی "ابراہیمؑ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے لختِ جگر کو قربان کر دینے کا حکم دیا ہے"۔ چنانچہ جب آفتابِ حقیقت پوری طرح روشن ہو گیا اور اللہ کے خلیل نے حقیقت کے راز کو سمجھ لیا تو بیٹے کو اس کی خبر کی اور مشورہ لینا چاہا، نوجوان بیٹے نے جیسے ہی باپ کی زبان سے یہ بات سُنی بے جھجک پُکار اُٹھا۔

Marfat.com

پیارے باپ! مالک کا جو حکم ہوا اُس کو بجا لائیے، میرے متعلق اطمینان رکھیے، میں دل و جان سے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ وحیِ الٰہی نے رضا و تسلیم کے اس لازوال کردار کو اپنے ولولہ انگیز روحانی انداز میں یوں بیان کیا ہے:

"جب اسمٰعیلؑ کام کاج میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہوئے تو ابراہیمؑ نے کہا: پیارے بیٹے، میرے کلیجے کی ٹھنڈک! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے گلے پر چھُری پھیر رہا ہوں تو سوچو اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ بیٹے نے کہا، ابّا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر و شکر کرنے والوں اور برداشت کرنے والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے ہماری بات مان لی اور ہمارے سامنے بندگی کا سر جھکا دیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لِٹا دیا تو ہم نے پُکارا، ابراہیمؑ! تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، (بس ٹھیرو، رہنے دو) ہم کہا ماننے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بے شبہ یہ ایک کھُلی ہوئی آزمائش تھی، اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو اُن کا فدیہ دیا اور بعد کے آنے والوں میں ابراہیمؑ کا ذکرِ خیر چھوڑ دیا۔ ابراہیمؑ پر سلام و رحمت ہو، وہ ہمارے فرمانبردار بندوں میں سے تھے۔"

اس مرحلہ پر وہ روایت بھی سننے کے لائق ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل ذبیح علیہ السلام کو ذبح کرنے کی بہت کوشش کی، چھُری بار بار تیز کرتے تھے مگر اس نے کچھ کام نہ دیا۔ بالآخر ایک دفعہ ایسی آواز آئی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی چیز کٹ گئی ہے۔ تب پیغمبر برحق نے اپنی آنکھوں سے پٹّی کھول دی جو ذبح کرتے وقت اس لئے باندھ لی تھی کہ کہیں محبتِ پدری کا جوش حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں رُکاوٹ نہ بن جائے۔ حضرت ابراہیمؑ اب جو دیکھتے ہیں تو ایک دُنبہ ذبح ہوا پڑا ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام صحیح سالم پاس کھڑے ہیں! باپ بیٹے کا یہ ولولۂ فداکاری کچھ ایسا پسند کیا گیا کہ اس کو ہمیشہ کے لئے ایک مِلّی نشان بنا دیا گیا

Marfat.com

اور قربانی ایک مستقل سنّت بن گئی۔ لیکن یہ صرف گوشت اور خون کی قربانی نہیں، روح اور دل کی قربانی، خدا کے راستے میں ماسویٰ اللہ کی محبّت کی قربانی، اپنی سب سے زیادہ قیمتی متاع کو پروردگار کی بارگاہ میں پیش کر دینے کی نذر، معبودِ حقیقی کی خوشنودی کے لئے اپنی تمام خواہشوں، آرزوؤں اور تمناؤں کو قربان کر دینا، جانور کی قربانی اس نقشِ باطن کا محض ظاہری عکس اور اُس خورشیدِ حقیقت کی صرف ایک پرچھائیں ہے۔ حج جو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی جگہوں میں حاضری کا نام ہے۔ اس میں ہر قدم پر جو "لبیک" کہا جاتا ہے یہ وہی حضرت ابراہیمؑ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جس کے معنی یہ ہیں، معبودِ برحق! میں آپ کی بندگی اور اطاعت کے لئے حاضر ہوں، میری گردن ہر وقت آپ کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ تکبیراتِ تشریق جو نویں تاریخ کی صبح سے تیرھویں کی عصر تک پڑھی جاتی ہیں، یہ بھی اُنہی لفظوں کا مجموعہ ہے جو ثابت قدمی اور اطاعت شعاری کے اُس بے مثال منظر کے وقت جبریل امینؑ اور ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی زبان سے نکلے تھے۔ صفا و مروہ پہاڑیوں کا چکر، عرفات و منیٰ کا قیام اور وہاں کی خاص خاص عبادتیں، کعبۃ اللہ کے انہی معماروں کے مقدس کردار کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

غرض کہ ان پاکباز ہستیوں کی یاد میں دو تقریبیں عیدِ قرباں اور حج ہر سال نہایت اہتمام سے منائی جاتی ہیں۔ عیدِ قرباں کے لئے کسی خاص جگہ کی خصوصیت نہیں مسلمان جہاں بھی بستے ہیں اور نماز با جماعت کی شرطیں پائی جاتی ہیں دوگانۂ عیدالضحیٰ پڑھتے ہیں اور اپنے گناہوں اور لغزشوں کی معافی چاہتے ہیں۔ حج کے لئے مقام کی پابندی ہے مکّہ معظمہ کے میدانِ عرفات میں حاضری کے بغیر یہ فرض ادا نہیں ہوتا ——— ——— لیکن یہ فرض بھی انہی پر ہوتا ہے جن کے پاس روزانہ کی ضرورتوں سے فارغ زادِ راہ (سفر خرچ) موجود ہو۔ اسی کے ساتھ اس واقعہ کی یادگار کے ان دنوں میں بھی بہت سی

Marfat.com

خصوصیتیں اور فضیلتیں ہیں جو دوسرے دنوں میں نہیں پائی جاتیں۔ عرفہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو جس میں وادئ عرفات میں فریضۂ حج ادا کیا جاتا ہے، سال کے تمام دنوں میں سے خاص طور پر منتخب کیا گیا اور اس کی ساعتوں میں برکتوں کا نور کچھ اس طرح پھیلا دیا گیا کہ اس کا روزہ رکھنے سے ایک آنے والے سال اور ایک گزرے ہوئے سال کی لغزشوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ پس آیئے چند لمحوں کے لئے اُمّتوں کے ان پیشواؤں کے اُسوۂ حسنہ کی یاد منائیں اور ان کے پیغام کی روحانی طاقت کو سمجھیں۔ یعنی حق و صداقت کے لئے مصیبتوں اور اذیتوں کا سہنا سیکھیں۔ اپنے اندر ایثار، صبر و برداشت اور ثابت قدمی کی روح بیدار کریں، حکمت اور دانائی سے تلخیوں کے مقابلے کی ہمّت پیدا کریں، افسردگیوں اور مایوسیوں کی تاریکیوں میں بھی اُمید کی چٹان پر جمے رہیں، بے سہاروں کیلئے سہارا بنیں، باطل کے مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہو جائیں اور اپنے دلوں میں اس ایمان و ایقان کی جھلک پیدا کرنے کی کوشش کریں جس سے دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں پر بھی چمنستان کے مہکتے ہوئے پھولوں کا گمان ہونے لگتا ہے ؎

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

آخر میں ایک اور واقعہ سنتے جایئے۔ یہ واقعہ شیخ سعدیؒ نے بوستاں میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مشہور بزرگ بایزید بسطامیؒ عید کی صبح کو گرمی سے گھر سے باہر تشریف لائے۔ کسی بے احتیاط نے خاک کا ٹوکرا آپ پر اُلٹ دیا۔ ژولیدہ دستار صوفئ صافی بجائے اس کے کہ اس گستاخ سے بِھڑتے تشکرانے کا ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرنے لگے اور اپنے نفس سے ہم سخن ہو کر فرمایا ؎

کہ اے نفس من در خورِ آتشم ز خاکسترے روئے درہم کشم؟

یعنی دیکھا جائے تو میں خاک کا نہیں آگ کا مستحق ہوں تو پھر کیا مجھے مٹی کے اس ڈھیر سے ترشرُو اور چیں بجبیں ہونا چاہیئے؟ —— اِسی طرح کے سبق ہیں جو ہم حضرت ابراہیمؑ کے حلم، بُردباری اور قوتِ صبر و ضبط، حضرت اسمٰعیلؑ کے جذبۂ ایثار و استقامت اور حضرت محمد رسول اللہؐ کی زندگی سے لے سکتے ہیں۔

۱۰؍ اگست ۱۹۵۴ء

Marfat.com

عیدِ قرباں اور فلسفۂ قربانی

ایثار اور نیک عملی کی رُوح

اسلام میں بڑے تہوار دو ہی ہیں عید الفطر اور عیدِ قرباں۔ ان دونوں تقریبوں سے مذہبِ اسلام کی شاندار روایات وابستہ ہیں۔ عید الفطر روزوں کا شکرانہ اور قرآن مجید کے نزول کی یادگار ہے جس کے نتیجہ میں پردۂ عالم پر ملّتِ محمدیؐ کا ظہور ہوا۔ عیدِ قرباں اس بے مثال تاریخی واقعہ کی یاد تازہ کرتی ہے جو اب سے کم وبیش چار ہزار سال پہلے وادیٔ مکہ میں پیش آیا تھا۔ یعنی اُمتوں کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ اپنے نورِ نظر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں۔

اللہ کے پیغمبروں پر جو وحی آتی ہے اس کی مختلف قسمیں ہیں جن میں ایک خواب بھی ہے۔ یہ خواب دو طرح کے ہوتے ہیں: تمثیلی اور حقیقی۔ حقیقی اور عینی خواب میں اصل حقیقت صاف اور بے پردہ دکھائی جاتی ہے اور وہی مقصود ہوتی ہے۔ تمثیلی خواب میں حقیقت کو کسی اور پیرایہ میں دکھایا جاتا ہے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ خواب کہ گیارہ ستارے اور آفتاب و ماہتاب ان کو سجدہ کر رہے ہیں اور یا جیسے ان کو قحط اور خشک سالی کی حالت سوکھی بالوں اور دُبلی پتلی گایوں کی صورت میں دکھائی گئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ بعض خواب مثالی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور تعبیر و بیان کے محتاج ہوتے ہیں۔ بعض ٹھیک ٹھیک مشاہدہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ اُن کے سمجھنے کے لئے کسی تفصیل و تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بہرحال خلیل اللہ نے پہلی دفعہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو خواب میں دیکھا کہ کوئی

Marfat.com

کہنے والا کہہ رہا ہے۔ ابراہیمؑ! اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے بیٹے کو قربان کردینے کا حکم دیا ہے۔ صبح ہوئی تو ابراہیمؑ حیرت میں تھے۔ شام تک اس بے انتہا نازک معاملے پر احتیاط سے غور کرتے رہے۔ آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ ترویہ کے معنی غوروفکر اور تردّد کے ہیں۔

نویں تاریخ کی رات آئی تو پھر یہی آواز سُنی اور اب یقین ہو گیا کہ یہ حکم حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ نویں ذی الحجہ کا نام یوم عرفہ اسی لئے ہے یعنی پہچان اور معرفت کا دن۔ یہاں تک کہ جب دسویں تاریخ کی شب میں بھی یہی کچھ دیکھا تو حکمِ الٰہی بجالانے کے لئے بے تامّل اکلوتے بیٹے کو قربان کردینے کا ارادہ کرلیا۔ دسویں تاریخ کو یوم النحر کہنے کی یہی وجہ ہے۔ نحر کے معنی ذبح کردینے اور قربان کردینے کے ہیں یعنی ذبح کرنے کا دن۔

تین رات مسلسل یہی خواب دیکھنے اور یقینِ کامل حاصل کرلینے کے بعد باپ نے بیٹے کو صورتِ حال کی نزاکت سے باخبر کیا اور اس کے متعلق مشورہ کرنا چاہا اگرچہ ایسے کُھلے ہوئے معاملے میں اب مشورے کی ضرورت نہیں رہی تھی پھر بھی اللہ کے رسول نے مشورے کی سنّت پر عمل کرنا اس لئے اور بھی مناسب جانا کہ اس طریقے سے بیٹے کی عزیمت اور ثابت قدمی کا امتحان ہوسکتا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی نوجوان بیٹے نے بوڑھے باپ کی زبان سے یہ بات سُنی ایک لمحہ کے پس وپیش کئے بغیر پکار اُٹھا۔ پیارے باپ اب آپ سوچتے کیا ہیں مالک کا جو حکم ہو اُس کی فوراً تعمیل کیجئے، دیر کیوں اور کس لئے، میرے متعلق آپ اطمینان رکھیں، دیکھئے کس شوق سے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

ہزار ہزار سلام ایسے باپ اور بیٹے پر جنھوں نے بعد میں آنے والوں کو ایسے عزم وہمّت اور ایثار وقربانی کا سبق دیا۔ قرآنِ کریم نے تسلیم ورضا کے اِس زندۂ جاوید کارنامے کو اپنے خاص معجزانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

Marfat.com

"جب اسمٰعیل اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچے اور اس لائق ہوئے کہ باپ کی ضرورتوں میں ان کا ہاتھ بٹا سکیں تو ابراہیمؑ نے کہا، جانِ پدر! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تو سوچو اس میں تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے جواب میں کہا ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کو کر گزریئے۔ خدا نے چاہا، مجھے برداشت کرنے والوں اور سہارنے والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے ہمارا حکم مان لیا اور تسلیم و انقیاد کی گردن جھکا دی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیمؑ! بس ٹھہرو، تم نے اپنا خواب سچّا کر دکھایا، ہم نیک عملوں کو یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شبہ یہ تمہاری کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا (یعنی بیٹے کی قربانی کے بدلے ایک بڑی قربانی قائم کی) اور بعد کے آنے والوں پر بھی اسکو باقی رکھ چھوڑا۔"

(الصّٰفّٰت۔ رکوع ۳)

ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کا یہ اندازِ تسلیم و رضا اور جوشِ فداکاری کچھ ایسا مقبول ہوا کہ اس کو ہمیشہ کے لئے ملّی اور مذہبی نشان بنا دیا گیا اور قربانی ایک مستقل سنت بن گئی۔

اسلام کا بہت بڑا اور اہم رکن حج جو ذی الحجہ کی نویں تاریخ (عرفہ) کو میدانِ عرفات میں ادا کیا جاتا ہے اور جس کے لئے دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں انسان اس بابرکت اور نورانی وادی میں بہ یک وقت جمع ہوتے ہیں اور ایک جذبۂ بیتاب اور ولولۂ بے پناہ کے ساتھ اپنے پروردگار کو یاد کرتے اور اپنی لغزشوں اور زلّتوں کی معافی چاہتے ہیں، خدا کے انہی طاعت گذار بندوں کی نہایت متبرک یادگار ہے۔

حج کے دنوں میں ہر قدم پر جو لبیک کہا جاتا ہے یہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانِ حق سے نکلے ہوئے لفظوں کا ترجمہ ہے یعنی پروردگار! میں آپ کے حکم کی... بجا آوری کے لئے حاضر ہوں، اے وحدہٗ لاشریک میرا سر ہر وقت آپ کی خوشنودی کے

Marfat.com

سامنے جھکا ہوا ہے۔ نویں تاریخ کی صبح سے تیرھویں کی عصر تک جو تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اور جو ان دنوں کی نہایت اہم اور خاص عبادت خیال کی جاتی ہے، ان کی اصل یوں بیان کی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے "جبریلِ امین" فدیہ کا مینڈھا لے کر حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ابراہیم خلیلؑ حکمِ خداوندی کی تعمیل (لختِ جگر کی قربانی) بعجلت تمام کرنا چاہتے ہیں، خدا کا مقدس فرشتہ اس منظر کو دیکھ کر کہہ اٹھا: اللہ اکبر اللہ اکبر! خلیل اللہؑ نے جواب میں فرمایا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، جبریلؑ وخلیلؑ کی زبان سے صبر وایثار کے پیکر اسمٰعیلؑ نے جب یہ الفاظ سُنے تو اسی حالت میں فرمایا: اللہ اکبر وللہ الحمد۔ اس تفصیل کے مطابق یہ تکبیر تینوں بزرگوں کی زبان سے نکلے ہوئے پاکیزہ الفاظ کا مجموعہ ہے جو ایک خاص حالت وکیفیت میں کہے گئے تھے۔ (شریعت الاسلام)

صفا، مروہ پہاڑیوں کے درمیان چکر لگانا، منیٰ میں چار روز کا قیام اور اس مقام کی خاص خاص عبادتیں بھی کعبۂ محترم کے انہی بانیوں اور تعمیر کرنے والوں کی یاد تازہ کرتی اور پژمُردہ دلوں کو حرارتِ ایمانی سے گرماتی ہیں۔

آیئے تھوڑی دیر کے لئے ہر خیال سے یکسو ہو کر تاریخ عالم کی اس لاثانی شخصیت کے اسوہ حسنہ کی یاد منائیں جس نے حق کی آن قائم رکھنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، اپنی قوم کو چھوڑا، عزیزوں، قریبوں سے ترکِ تعلق کیا اور حق وصداقت کی پاسبانی کے لئے ہر چیز سے بے نیاز ہو کر کتنی ہی آبادیوں اور کتنے ہی ویرانوں میں برسوں تک بے سہارے پھرتا رہا، جس نے آگ میں کود پڑنا گوارا کیا لیکن اپنے عقیدے پر جس کو وہ حق جانتا تھا پتھر کی چٹان کی طرح جما رہا یہاں تک کہ سالہا سال کی گردش اور مختلف آزمائشوں میں کامیاب ہونے کے بعد آخر عمر میں جب اس کی تمنا اس طرح پوری ہوئی کہ قدرت نے اس کو ایک بردبار ہونہار بیٹا دیا جو فی الحقیقت بڑھاپے کا سہارا اور خزاں رسیدہ چمن کا ایک تر وتازہ پھول تھا تو اس کو بھی خدا کی راہ میں قربان کر دینے کا حکم ہوا اور مالک کا

یہ وفا شعار بندہ خوشی خوشی اس کے لئے آمادہ ہوگیا یہاں تک کہ جگر پارے کے گلے پر بے تکلّف چھُری رکھ دی۔

یہ ایک زبردست اور آخری آزمائش تھی جو معبودِ حقیقی نے اپنے سچے بندے کی لی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا یہ بندہ جس نے میرے لئے دنیا کی ہر چیز تج دی ہے محبّتِ پدری کو بھی قربان کرسکتا ہے یا نہیں؟

سچ تو یہ ہے، ابراہیمؑ بڑا ہی بُردبار، بڑا ہی نرم دل اور ہر حالت میں اللہ کی طرف رجوع ہوکر رہنے والا ہے۔ (ھود- آیت ۷۵)

یہ ہے حج اور قربانی کی تاریخ کا ایک مجمل سا خاکہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتابِ زندگی کا ایک سبق آموز ورق۔

اب آیئے قربانی کے اصل مقصد اور اس کے فلسفہ پر بھی غور کرتے چلیں:۔

رسمِ قربانی سے مقصد کسی وقت اور کسی حالت میں بھی دوسروں کی دل آزاری نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دوسروں کا دل دُکھانے کیلئے قربانی کرتا ہے تو وہ بے شبہ اپنے اس بہترین عمل کو برباد کرتا ہے۔ قرآن مجید نے قربانی کی اصل حقیقت کا روحانیت میں ڈوبے ہوئے ان لفظوں کے ساتھ برملا اعلان کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو گوشت، پوست اور ہڈّیوں اور خون سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ گل سڑنے والی چیزیں اس کے دربار میں نہیں پہنچتیں، جو چیز اسکی بارگاہ میں پہنچتی اور شرفِ تقرّب حاصل کرتی ہے وہ صرف دل کا ادب اور ضمیر کی پاکی ہے۔"

(الحج-آیت ۳۷)

یعنی جانور ذبح کرکے اس کا گوشت کھانے کھِلانے یا اس کا خون گرانے سے تم کبھی بھی اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل نہیں کرسکتے۔ اس کی رضا چاہتے ہو تو اپنے اندر صبر، تحمل، نیک عملی اور پرہیزگاری کی روح بیدار کرو اور سوچو کہ جس جوش اور ولولے کے ساتھ تم نے ایک قیمتی جانور اسکے نام پر قربان کیا اسی جوش و خروش کے ساتھ زندگی کے باقی گوشوں

میں بھی ایثار و قربانی کا ثبوت دینے کے لئے آمادہ ہو؟

انسانیت کا احترام، بھائی چارے کا قیام، جذبۂ انتقام سے نفرت، انسانی اخوت و مساوات، پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت، دعوتِ امن اور قیامِ عدل، کردار کی بلندی اور پاکی، دشمنوں اور بُرا چاہنے والوں سے بھی حُسنِ سلوک، حکمت اور دانائی سے ناگواریوں اور تلخیوں کا مقابلہ، مایوسیوں اور نااُمیدیوں کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں بھی اُمید کی کی چٹان پر مضبوطی سے جمے رہنا۔ حق کی حمایت اور باطل کے مقابلے پر سینہ تان کر کھڑے ہو جانا، بے سہاروں اور ناداروں کی ضرورتوں کا احساس، زندگی کے یہ تمام عنوانات تمہارے جواب کا انتظار کر رہے ہیں، ایسا جواب جو پیشوائے اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات اور تعلیمات کے قالب میں ڈھلا ہوا ہو۔

قوموں کی زندگی میں اس طرح کے قدرتی اجتماعات بڑی اہمیت رکھتے ہیں، یہ مواقع قوم کے افراد پر زبردست نفسیاتی اثر ڈالتے ہیں۔ وہ دیواریں جو روزمرّہ کی زندگی میں ان کو ایک دوسرے سے جدا رکھتی ہیں ایسے موقعوں پر خود بخود ٹوٹ جاتی ہیں اور یہ احساس عام ہو جاتا ہے کہ ہم سب ایک مضبوط رشتے سے بندھے ہوئے ہیں اور وہ ہے انسانیت اور اس کے قدرتی تقاضوں کا رشتہ جس کو کوئی اندھا تعصب کچھ دیر کے لئے مضمحل تو کر سکتا ہے توڑ نہیں سکتا۔

پس آؤ، آج ابراہیم خلیلؑ کی نرم مزاجی اور شیریں کلامی، اسمٰعیل ذبیحؑ کے ولولۂ ایثار اور جذبۂ استقامت اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عفو و رحمت کے نام پر عید قرباں کے اس مبارک اور روحانی اجتماع سے عزم و ہمت، ایثار و فداکاری، قوتِ صبر و برداشت اور سوسائٹی کے بے وسیلا اور کمزور افراد کی خدمت کا سبق سیکھیں۔

Marfat.com

Marfat.com

عیدِ قرباں

عیدِ قرباں تاریخِ عالم کی دو برگزیدہ ترین شخصیتوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے پاکباز صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک ایسے کردار کی یاد تازہ کرتی ہے جس نے بنی نوعِ انسان کی زندگی کی آزمائشوں میں ایک ایسے باب کا اضافہ کر دیا جس کی مثال "وفا شعاری واطاعت کیشی، جذبۂ فداکاری، جوشِ ایثار اور ولولۂ صبر واستقامت کی پوری تاریخ میں" نہیں ملتی۔ یہ کردار ہمارے اعتقاد کی دنیا میں کچھ اس طرح پیوست ہو گیا ہے کہ جب بھی اس کا ذکر آتا ہے زمان ومکان کے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ حجازِ مقدس کی نورانی وادی کا یہ منظر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے پیرانہ سالی میں ایک ایسا فرزند مرحمت فرمایا تھا جو حسنِ صورت اور حُسنِ سیرت دونوں میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا خندہ جبیں، نرم خو، حلیم الطبع، بوڑھے ماں باپ کی ضعیفی کا سہارا اور اس کے پیغامِ حق وصداقت کا امین۔ اسمٰعیلؑ کی پرورش اور نگہداشت میں باپ نے اپنی خداداد اعلیٰ ترین صلاحیتیں صرف کر دی تھیں، والدین کی آنکھوں کا یہ تارا ارمانوں کی آغوش میں پروان چڑھ رہا تھا اور ابراہیمؑ اس متاعِ گراں مایہ پر سو جان سے قربان ہوتے تھے، یہاں تک کہ جب اُمیدوں اور تمناؤں کے پھول کھلنے کا وقت آیا اور جوان بیٹا بوڑھے باپ کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہوا تو اس کو خدا کی راہ میں قربان کر دینے کا حکم دے دیا گیا اور اپنے مالک کا یہ وفا شعار بندہ خوشی خوشی اس کے لئے تیار ہو گیا، حکمِ الٰہی کی اس تعمیل کے لئے نہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب میں تردّد کی کوئی خلش پیدا ہوئی، نہ نوجوان اسمٰعیلؑ نے کوئی جھجک محسوس کی، بلکہ باپ بیٹے

دونوں قلب و روح کے سکونِ کامل کے ساتھ منشاءِ الٰہی کے سامنے جھک گئے۔ خالقِ کائنات کو باپ بیٹے کا یہ اندازِ تسلیم و رضا اور جذبۂ فداکاری ایسا پسند آیا کہ اس کو ہمیشہ کیلئے یادگار بنا دیا گیا۔ اس واقعہ پر کم و بیش پانچ ہزار سال گزر چکے ہیں مگر آج تک نہ صرف عرب و حجاز میں بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں اسوۂ ابراہیمی کی یاد جذباتِ عقیدت کے ساتھ منائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کا عہد کرتے ہیں کہ ہماری عبادت اور قربانی ہماری زندگی اور موت سب اپنے پروردگار کی رضا و خوشنودی کے لئے ہے۔ قرآنِ پاک نے تسلیم و انقیاد کے اس ولولہ انگیز منظر کا اعلان اس پیرایہ میں کیا ہے:۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ فَٱنظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَٰٓأَبَتِ ٱفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝ فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُۥ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَٰدَيْنَٰهُ أَن يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ ٱلرُّءْيَآ ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي ٱلْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ ٱلْبَلَٰٓؤُا۟ ٱلْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي ٱلْءَاخِرِينَ ۝ سَلَٰمٌ عَلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ ۝ كَذَٰلِكَ نَجْزِي ٱلْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُۥ مِنْ عِبَادِنَا ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝

یعنی جب اسمٰعیلؑ اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہوئے تو ابراہیمؑ نے کہا پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمھیں ذبح کر رہا ہوں، سوچو تمہارا کیا خیال ہے۔ بیٹے نے کہا: ابّا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کیجئے، خدا نے چاہا آپ مجھے صبر کرنے والوں اور برداشت کرنے والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے حکم مان لیا اور سرِ اطاعت جھکا دیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے اُن کو پکارا، ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچّا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں اور کہا ماننے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بے شبہ یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا اور بعد کے آنے والوں میں ابراہیمؑ کا ذکرِ خیر باقی چھوڑ دیا۔ ابراہیمؑ پر سلام و رحمت ہو، ہم نیک عملوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ابراہیمؑ ہمارے فرماں بردار بندوں میں تھے

Marfat.com

اس موقع پر یہ روایت بھی سننے کے لائق ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل ذبیح علیہ السلام کو حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ذبح کرنے کی بہت کوشش کی، چھری بار بار تیز کرتے تھے مگر اس نے کام نہ دیا۔ بالآخر ایک دفعہ ایسی آواز آئی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی چیز کٹ گئی ہے۔ اس وقت پیغمبر برحق نے اپنی آنکھوں سے پٹّی کھولی جو ذبح کرتے وقت اس لئے باندھ لی تھی کہ کہیں شفقتِ پدری کا جوش ارشادِ خداوندی کی بجاآوری میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ حضرت ابراہیمؑ اب جو دیکھتے ہیں تو ایک دُنبہ ذبح ہوا پڑا ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ صحیح سالم پاس کھڑے ہیں۔ اس طرح اسوۂ ابراہیمی ایک ملّی نشان قرار دے دیا گیا اور قربانی مستقل سنّت بن گئی۔ اِس متبرک سنّت کی ادائیگی کے وقت یہ جذبہ کارفرما ہونا چاہیئے کہ ہم صرف گوشت اور خون کی قربانی نہیں کر رہے ہیں، خدا کے راستے میں ماسوی اللہ کی محبّت کی قربانی کر رہے ہیں، اپنی سب سے زیادہ قیمتی متاع کو پیش کرنے کی نذر کر رہے ہیں، معبودِ حقیقی کی خوشنودی کے لئے اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کو قربان کر رہے ہیں، دل کی گہرائی میں یہ یقین جذب ہونا چاہیئے کہ جانور کی قربانی اِس نقشِ باطن کا صرف ظاہری عکس ہے۔ اسلام کا عظیم الشان اجتماعی رکن حج جو ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو میدانِ عرفات میں جذباتِ ایمانی کی ولولہ انگیزیوں کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے اور جس کی چند لمحات کی حاضری کے لئے دنیا کے دُور دراز گوشوں سے لاکھوں بندگانِ خدا اِس نورانی میدان میں جمع ہو کر اپنے پروردگار کو یاد کرتے اور اپنی معصیتوں کی معافی چاہتے ہیں کعبۃ اللہ کے انہی معماروں کی یادگار ہے۔ صفا، مروہ پہاڑیوں کے درمیان چکّر لگانا خاص حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدۂ ماجدہ کے والہانہ جذبات کی نشانی ہے۔ اس تاریخی واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے صاحبزادے اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لے کر شام کے سرسبز و شاداب ملک سے حجاز کے خشک

Marfat.com

صحرا اور ریگستان میں تشریف لائے اور دونوں کو یہیں چھوڑ کر واپس ہو گئے۔ اب اس بے آب و گیاہ میدان میں تنہا ایک خاتون اور ان کا شیر خوار بچّہ رہ گئے، جن سے اُمّ القریٰ مکّہ کی پاسبانی کا کام لیا جانے والا تھا۔ حضرت ہاجرہؑ پانی کی تلاش میں بیتاب ہو کر نکلتی تھیں اور بچّہ پر نگاہیں جمائے رکھتی تھیں جہاں بچّہ نظروں سے اوجھل ہوتا تو بے تابانہ دوڑنے لگتیں، یہاں تک کہ چشمۂ زمزم ان کو نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس خاتون کی یہ مضطربانہ بھاگ دوڑ ایسی پسند آئی کہ اس کو مناسکِ حج میں شامل کر کے ملّی نشان بنا دیا۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللہِ۔ لاریب صفا، مروہ پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں ہیں۔ صفا سے کچھ دُور چل کر دائیں بائیں دو سبز ستون ہیں۔ یہ اس کی نشانی ہے، کہ یہاں سے تیز چلنا ہے۔ یہی وہ حصّہ ہے جہاں حضرت ہاجرہؑ کی نگاہ سے اسمٰعیلؑ پوشیدہ ہو گئے تھے اور انھوں نے بے چین ہو کر تیز قدم اُٹھائے تھے۔ اس کے بعد پھر ایسے ہی دوہرے ستون آتے ہیں یہ اس کی علامت ہیں کہ یہاں پہنچ کر رفتار کی تیزی ختم ہو جاتی ہے اور مروہ تک وہی معمولی رفتار رہتی ہے۔ ان ستونوں کا نام "میلین اخضرین" ہے یعنی سبز نشانیاں۔ صفا سے مروہ تک یہ ایک پھیرا ہو گا۔ اسی طرح سات پھیرے پورے کئے جاتے ہیں اور آخری پھیرا مروہ پر ختم ہوتا ہے۔ اسی کا نام سعی ہے جس کی مناسک حج میں غیر معمولی اہمیت ہے۔ بیت اللہ کا طواف اور منیٰ و مزدلفہ کا قیام بھی اللہ تعالےٰ کے ان اطاعت شعار بندوں کی یاد تازہ کرتے ہیں اور دلوں کو حرارتِ ایمانی سے گرماتی ہیں۔ احرام کے لباس میں فرائضِ حج ادا کرنے والے جو تلبیہ پڑھتے ہیں یہ وہی حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات ہیں نویں تاریخ کی نمازِ فجر سے تیرھویں تاریخ کی نمازِ عصر تک جو خاص تکبیر پڑھی جاتی ہے اور جو ایامِ تشریق کی مخصوص عبادت ہے یہ بھی اُن الفاظ کا عطر ہے جو جاں سپاری، سر فروشی اور ثبات و استقامت کے اس منظر کے وقت فرشتۂ وحی جبرئیلؑ امین اور خلیلؑ و

ذبیحؑ کی زبانِ صدق سے نکلے تھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ اِلّا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ کی عظمت ہر چیز سے بلند ہے۔ بندگی کے لائق صرف اسی کی ہستی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔

عیدِ قرباں ہر سال ہمارے لئے قربانی اور جاں نثاری کا یہی پیغامِ دلنواز لے کر آتی ہے کہ ہم اُسوۂ ابراہیمی کے آئینے میں اپنے کردار اور ایمان وعمل کا جائزہ لیں اور اپنے دلوں کو ٹٹولیں کہ کیا ہمارے اندر کسی درجے میں بھی یہ جذبہ پایا جاتا ہے؟ قربانی محض ایک رسم اور روایت کا نام نہیں بلکہ یہ تجدیدِ عہد اور تجدیدِ ایمان وعمل کا بہترین موقع فراہم کرتی ہے۔

آیئے تھوڑی دیر کے لئے ہر خیال سے یکسو ہو کر ان رہبرانِ کامل کے اُسوۂ مبارک کی یاد تازہ کریں اور اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں اس کا عکس روشن کرنے کی سعی کریں۔

Marfat.com

عید الفطر

Marfat.com

① عید الفطر ۱۵۹

② روزوں کی عید ۱۶۳

③ عید کی تہذیبی اہمیت ۱۶۷

④ عید اور اخوتِ انسانی ۱۷۲

Marfat.com

عیدُ الفِطر

عیدالفطر کے معنی ہیں روزوں کی عید۔ یہ اسلام کا سب سے بڑا تہوار ہے، جو روزوں کے شُکرانے اور قرآن مجید کے نزول کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کا مطلب ہے اس اندھیری دنیا میں نورِ ہدایت کے جلوؤں کا پھیل جانا۔ اِس لئے قدرتی طور پر اس کی یاد بھی اسی شان سے منائی جاتی ہے۔ اس تقریب سے اسلام اور مسلمانوں کی شاندار روایات وابستہ ہیں۔ آنحضرتؐ جب مدینۂ طیّبہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ مدینہ کے رہنے والے دو تہوار، نوروز اور مہرجان بڑی دھوم سے مناتے ہیں۔ آپ نے ان تہواروں کی حقیقت اور اصلیت دریافت فرمائی اور اعلان فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تم کو ان تہواروں سے بہتر دو تہوار مرحمت فرمائے ہیں۔ "عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ"۔ ایک دفعہ فرمایا۔ "ہر قوم کی عید ہوتی ہے، یہ ہماری عید ہے"۔

مذہبی روایتوں اور قوموں کی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی اُمتیں بھی کسی نہ کسی شکل میں عید کی تقریب منایا کرتی تھیں۔ حضرت آدمؑ کے بعد اُن کی اولاد اس دن عید مناتی تھی جس دن اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کی دُعا قبول فرمائی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم میں اس روز عید ہوتی تھی جس روز ابراہیمؑ خلیل کو نمرود کی آگ سے نجات ملی تھی، حضرت موسیٰؑ کی قوم کے یہاں فرعون اور اس کے لشکر پر فتح کا دن عید کا دن تھا۔ حضرت یونسؑ کی قوم میں وہ دن عید کا دن تھا جس میں یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے پیرو اس روز عید مناتے تھے جس روز ان پر آسمان سے مائدہ (بے محنت ومشقت روزی کا خوان اُترا تھا) آنحضرتؐ

Marfat.com

کی تشریف آوری سے پہلے عربوں میں بھی بہت سے تہوار منائے جاتے تھے۔ اِن میلوں میں قمار بازی اور شراب نوشی کی محفلیں آراستہ کی جاتی تھیں۔ اسلام آیا تو اس نے اِن تقریبوں کا سانچہ ہی بدل دیا یعنی مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ روزوں کی عبادت کی تکمیل پر مالکِ حقیقی کا شکریہ ادا کریں اور تسبیح و تہلیل کا وِرد کرتے ہوئے آبادی سے دور ایک جگہ جمع ہوں اور سرِ عبودیت جُھکا کر عبادت و ریاضت کے اس نذرانے کو شرفِ قبولیت بخشنے کی التجا کریں۔ عید کی رات کے ایک حصّہ میں عبادت اور طلبِ مغفرت کے لئے جاگنا، صبح سویرے بیدار ہو کر اطمینان سے غسل کرنا، گنجائش کے مطابق عمدہ اور صاف سُتھرے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھا لینا، آہستہ آہستہ تکبیر پڑھتے ہوئے ایک راستہ سے جانا اور دوگانۂ عید سے فارغ ہو کر دوسرے راستہ سے واپس ہونا، عید کے خاص آداب و مستحبات ہیں۔ تکبیر کے الفاظ یہ ہیں۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ اِلّا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہِ الحمد۔" یعنی اللہ ہی ہر ایک سے بڑا ہے۔ اس کے سِوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کبریائی اور بڑائی اسی کو سجتی ہے، وہی ہر طرح کی ستائش کا مستحق ہے۔

عید الفطر کی سب سے اہم اور عظیم الشان عبادت صدقۃ الفطر ادا کرنا ہے۔ صدقۂ فطر ہر اس شخص پر واجب ہے جو روزمرّہ کی معمولی ضرورتوں کے علاوہ نصاب کا یعنی کم سے کم ۵۲ ½ تولے چاندی کا یا اتنی رقم کا یا اتنے سامان کا مالک ہو، اُس پر سال گزرا ہو یا نہ گزرا ہو، یہ صدقہ اپنی طرف سے اور اپنے غریب چھوٹے بچوں کی طرف سے ادا کرنا ضروری ہے۔ بیوی اور جوان اولاد کو اپنا صدقہ خود ادا کرنا چاہیئے۔ شوہر اور باپ کے ذمّے اس کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ یوں ادا کر دیا جائے تو ادا ہو جائیگا۔ صدقۃ الفطر عید کی صبح طلوع ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔ عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ دے دینا بہتر ہے۔ نماز سے پہلے نہ دیا ہو تو نماز کے فوراً بعد دینا چاہیئے۔

Marfat.com

حدیث شریف میں اسکی مذہبی تعبیر یوں آئی ہے: "روزے زمین و آسمان کے درمیان ٹنگے رہتے ہیں جب تک ان کا صدقہ ادا نہیں ہو جاتا" جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں پر صدقۃ الفطر واجب ہے اور وہ نہیں دیتے اُن کے روزوں کی مثال ایسی ہے جیسے گلِ بے رنگ، قالبِ بے جان اور شرابِ بے نشہ۔ اس صدقہ کے وجوب کی حکمت یہ ہے کہ کم سے کم عید کے ان لمحوں میں کوئی شخص بھی بھوکا نہ رہے۔ دیکھا جائے تو اس تقریب سے چند گھنٹوں میں لاکھوں کروڑوں کی رقم غریبوں میں اور بے وسیلہ لوگوں کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ گیہوں کی قیمت کے اعتبار سے ایک صدقہ کی مقدار اِن دنوں (سنہ ۱۹۸۰ء میں) کم و بیش تین روپے ہے۔

رمضان المبارک میں رحمت و مغفرت کی گھٹائیں گھِر گھِر کر آئیں اور جھوم جھوم کر برسیں۔ ماہِ صیام کے مسافر نے ایک مہینہ کے قیام کے بعد سامانِ سفر باندھا اور عید کے چاند نے روزہ داروں کی مہمانی کے لئے نئی شان سے ایک وسیع دسترخوان بچھا دیا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ کھانے پینے کے آداب و احکام بھی وہیں سے ملے جہاں سے ایک مہینہ پہلے بھوک پیاس اور صبر و برداشت کی ہدایتیں جاری ہوئی تھیں۔ اس مرحلے پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کی رُوحانی برکتوں اور سعادتوں میں روزوں کا مجاہدہ ایک ایسا مجاہدہ ہے جس کی مثال ریاضتوں اور مجاہدوں کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ پس ہلالِ عید شکر و مسرت کے دوسرے پیغاموں کے ساتھ ہمیں یہ پیغام خاص طور سے دیتا ہے کہ رمضان المبارک کی متبرک ساعتوں میں صبر و برداشت کی جو مشق کی گئی ہے اس کا اثر سال کے باقی مہینوں میں بھی اسی طرح رہنا چاہیئے اور صلاح و تقویٰ اور غم خواری و ہمدردی کا جو سبق ان تیس دنوں میں سکھایا گیا ہے سال کے ۳۶۰ دنوں میں بھی اس کو فراموش نہ کیا جائے۔

آخر میں تاریخِ اسلام کے ایک خاص واقعہ کا ذکر مناسب ہوگا۔ ہم چاہیں تو

Marfat.com

اس ہنگامۂ نا ؤ نوش میں اس واقعہ سے بہت کچھ سبق لے سکتے ہیں۔
خلفائے اسلام میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رح غیر معمولی خصوصیتوں کے حکمراں گزرے ہیں۔ انہی خصوصیتوں کی وجہ سے ان کو عمرِ ثانی کہا گیا ہے۔ بمسندِ خلافت پر بیٹھنے سے پہلے وہ اور انکی بیوی شاہانہ کروفر اور امیرانہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جیسے ہی خلیفہ ہوئے اپنا تمام قیمتی اثاثہ بیت المال (سرکاری خزانہ) میں داخل کر دیا۔ اور صرف دو درہم (تقریباً ۹ آنے) یومیہ پر گزر بسر کرنے لگے۔ ایک دفعہ اسی عید کے موقع پر آپ کے بچّہ نے نئے کپڑوں کیلئے ضد کی اور ماں کی مامتا نے بھی یہی کہا کہ بچّہ کی ضد پوری ہونی چاہیئے۔ میرا بچّہ جب دوسرے بچّوں کو عمدہ کپڑوں میں دیکھے گا تو شرم کی وجہ سے گھر میں چھُپ جائے گا۔ خلیفۂ وقت نے بیوی کے اصرار سے اجازت دے دی کہ ضرورت کے مطابق بیت المال سے کچھ رقم دست گرداں لے لی جائے۔ چنانچہ بیت المال کے منتظم کو ایک پرچہ لکھ کر ایک مہینہ کا وظیفہ پیشگی طلب کیا۔ منتظم بھی فاروقِ ثانی کا مقرر کیا ہوا تھا۔ اس نے رقم کی منظوری کے ساتھ یہ اطمینان کرنا چاہا کہ امیرالمومنین اس مطالبہ کی ادائیگی تک زندہ بھی رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ اطمینان نہیں دلایا جاسکتا تھا۔ اس لئے معاملہ یونہی رہ گیا اور ایک مہینہ کی یہ پیشگی رقم یعنی کم و بیش سولہ روپے چودہ آنے خزانۂ عامرہ سے برآمد نہیں کی جاسکی۔ ملکہ اور شہزادے پر اس کا جو کچھ اثر ہوا ہوگا اس کا اندازہ کرنا دشوار نہیں ہے۔ اس تاریخی واقعہ سے ہمیں جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ عید کی حقیقی مسرت کا راز پُر تکلّف نفیس کپڑوں اور بہترین کھانوں میں نہیں، انسانیت کی اعلیٰ قدروں کے تحفّظ میں ہے۔ انفرادی اور شخصی مفاد کو قومی اور اجتماعی مفاد پر قربان کردینے میں ہے۔ آیئے! عیدِ سعید کے ان خوشگوار اور پُر مسرت لمحات میں ایسا انسان بننے کی کوشش کریں جس کی زندگی دوسروں کیلئے لائقِ تقلید ہو اور جس کے عمل کی روشنی سے بہترین کردار اور اعلیٰ اخلاق کی شعاعیں پھوٹ کر نکل رہی ہوں۔ ۱۲ مئی ۱۹۵۶ء

Marfat.com

روزوں کی عید

روزوں کی اس عید سے اسلام کی شاندار روایات وابستہ ہیں۔ یہ عظیم الشان تقریب روزوں کے شکرانے اور قرآنِ پاک کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔ اس طرح عید کا دن رمضان المبارک کے پورے مہینے کی مشقّتوں، برکتوں اور مسرتوں کی روح اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ دو تہوار نوروز اور مہرجان دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ آپ نے اِن تہواروں کی اصلیت وکیفیت دریافت فرمائی اور اعلان فرمایا، خدا تعالیٰ نے تم کو اِن تہواروں سے بڑھ کر دو تقریبیں عطا فرمائی ہیں؛ عید الفطر اور عیدِ قرباں!

تاریخ بتاتی ہے کہ پچھلی قوموں میں بھی عید کسی نہ کسی شکل وصورت میں منائی جاتی تھی۔ حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے عربوں میں بھی بہت سے تہوار منائے جاتے تھے۔ اِن تہواروں اور میلوں میں جوئے اور شراب کی محفلیں سجائی جاتی تھیں۔ اور یہ اجتماع تقریباً خراباتی اور خرافاتی اجتماعات ہو کر رہ گئے تھے۔ اسلام آیا تو دوسرے انقلابات کے ساتھ اس نے ان تقریبوں کا قالب بھی بدل کر رکھ دیا یعنی پیروانِ اسلام کو حکم دیا گیا کہ روزوں جیسی لطیف اور پاکیزہ عبادت کی تکمیل پر جس سے قرآنِ پاک کی رہنمائیوں اور جلوہ پاشیوں کی یاد تازہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں اور اس کی پاکی کا ورد کرتے ہوئے عام آبادی سے دُور صاف ستھرے کپڑوں میں ایک خاص شانِ اجتماع کے ساتھ عیدگاہ میں جمع ہوں اور ایک مہینہ کی ریاضت کے اِس

Marfat.com

نذرانے کو شرفِ قبولیت بخشنے کی التجا کریں۔ دیکھئے عید کی صبح ہی سے تکبیر کی ہلکی اور میٹھی آوازیں ہر طرف سے آرہی ہیں اور خدا کے حضور میں سر جھکانے والے نفیس اور دل پسند لباس زیب تن کئے رواں دواں ہیں اور ان کی زبانوں پر ایک ہی نغمۂ حمد و ثنا ہے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد"

اللہ ہی سب سے بڑا ہے اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، بڑائی اسی کے لئے ہے اور تمام تعریفیں اور ستائشیں بھی اُسی کے لئے ہیں۔

دوگانۂ عید ادا کرنے سے پہلے اس دن کی سب سے بڑی اور اہم عبادت صدقۃ الفطر ادا کرنا ہے۔ یہ صدقہ ہر اس شخص کو دینا ضروری ہے جو روز کی معمولی ضرورتوں کے علاوہ زکوٰۃ کے نصاب کا یعنی کم سے کم ۵۲ ½ تولے چاندی کا یا اتنی رقم کا مالک ہو اس پر سال گزرا ہو یا نہ گزرا ہو، یہ صدقہ اپنی اور اپنے چھوٹے بچّوں کی طرف سے دینا واجب ہے۔ بیوی اور جوان اولاد کو اپنا صدقہ خود دینا چاہیئے۔ شوہر اور باپ کے ذمّہ اُس کی ادائگی ضروری نہیں۔ عید کی صبح ہوتے ہی صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے، عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ دے دینا چاہیئے، کسی وجہ سے نہ دیا گیا ہو تو نماز کے بعد فوراً دیدے۔ آنحضرتؐ نے اس صدقہ کی اہمیت یوں ظاہر فرمائی کہ جب تک یہ صدقہ ادا نہیں کیا جائیگا روزے یونہی اُدھر میں لٹکے رہیں گے یعنی یہ کہ خالق تنہا اپنی عبادت سے خوش نہیں ہو سکتا جب تک اس کی مخلوق کا بھی حق ادا نہ کر دیا جائے اور جو لوگ وسعت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بندوں کا یہ حق دینے سے کتراتے ہیں اُن کا روزہ قالبِ بے روح اور گُلِ بے رنگ ہے۔ اس خاص اہمیت کی حکمت یہ ہے کہ عید کی خوشی کے خوشگوار لمحوں میں کوئی شخص بھوکا نہ رہے اور اس کی غربت کے چہرے پر پریشانی کی شکنیں زیادہ اُبھری ہوئی نظر نہ آئیں۔

ایک صدقہ کی مقدار غلّہ کی قیمت کے لحاظ سے اِن دنوں بارہ آنے ہوتی ہے...

(سنہ ۱۹۸۰ء میں غلّہ کی قیمت کے اعتبار سے یہ رقم کم و بیش تین روپے ہوتی ہے) ماہِ رمضان المبارک کے چاند کی چاندنی اور نورانی ساعتوں میں رحمت و مغفرت کے بادل خوب جھُوم جھُوم کر برسے اور برس برس کر کھُلے، ماہِ صیام کے مسافر نے ایک مہینہ کے قیام کے بعد سامانِ سفر باندھ لیا اور عید کے چاند نے روزہ رکھنے والوں کی مہمانی کیلئے مہمان نوازی کی نئی آب و تاب کے ساتھ ایک وسیع و عریض دسترخوان بچھا دیا سبحان اللہ کھانے پینے کے آداب و احکام بھی وہیں سے ملے جہاں سے ایک مہینہ پہلے بھوک، پیاس اور صبر و برداشت کی ہدایتیں ملی تھیں۔

سچ تو یہ ہے اسلام کی رُوحانی برکتوں میں روزوں کا مجاہدہ ایک ایسا مجاہدہ ہے جس کی مثال کسی ملّت کے مجاہدوں اور ریاضتوں میں نہیں ملتی۔ پس ہلالِ عید شکر و مسرّت کے دوسرے پیغاموں کے ساتھ یہ پیغام ہمیں خاص طور پر دیتا ہے کہ رمضان مبارک میں آبِ کوثر سے دُھلی ہوئی ساعتوں میں صبر و ہمّت کی جو مشق کی گئی ہے اس کا اثر باقی دنوں میں بھی اسی رنگ سے قائم رہنا چاہیئے اور پاکبازی و غم خواری کا جو سبق ان تیس ۳۰ دنوں میں یاد کیا گیا ہے سال کے باقی دنوں میں بھی اس کو بھُلایا نہ جائے۔

قومی اور ملّی تقریبیں اجتماعی اور سماجی زندگی میں خاص اہمیت رکھتی ہیں کسی ملّت کا تہوار اس کی عام زندگی کی خصوصیتوں کی صحیح صحیح عکاسی کرتا ہے جس میں اس کی قومی اور ملّی خصوصیتیں اُبھر کر سامنے آجاتی ہیں۔

وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ برکتوں اور مسرّتوں سے بھری ہوئی اس عظیم الشان تقریب اور محبّت کے اِس چھلکتے ہوئے جام کے نام پر بزرگوں کی قدیم روایاتِ وضع و شرافت تازہ کی جائیں اور انسانی بھائی چارہ کے رشتوں کو جو زمانہ کی گردشوں کی لپیٹ میں آکر بے جان سے ہو گئے ہیں مضبوط اور مستحکم کرنے کی مؤثّر

Marfat.com

اور جاندار کوشش کی جائے۔

عید کے پیغام کی رُوح یہ ہے۔ انسانوں سے محبّت کرو، ہر شخص کو خواہ اس کا تعلّق کسی مذہب وملّت سے ہو اپنا بھائی جانو! خود غرضی کے بت توڑ ڈالو اور دنیا کو اپنے عمل وکردار سے یقین دلاؤ کہ "اللہ اکبر" کہنے والی ملّت کو نقصان پہنچا تو یہ اُسی کا نقصان نہیں ہوگا پوری انسانیت کا نقصان ہوگا۔

آیئے یقین کی روشنی، اعتماد کی چمک اور عزم وہمّت کی پختگی کے ساتھ عید کے چاند کی کرنوں پر عبرت ونصیحت کی ایک نظر ڈالیں ؎

اے ہلالِ عید اے نورِ نگاہِ روزہ دار!
آ، کہ تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار
تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے
شام تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تمہید ہے
سرگزشتِ ملّتِ بیضا کا تو آئینہ ہے
اے مہِ نو! ہم کو تجھ سے اُلفتِ دیرینہ ہے

۱۷ مارچ ۱۹۶۱ء

عید کی تہذیبی اہمیّت

عیدالفطر اور عیدِ قرباں ہمارے دو عظیم الشان تہوار ہیں۔ یہ دونوں تقریبیں پوری دنیائے اسلام میں وقار اور شان و شوکت سے منائی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی ان کا اسی شان سے اہتمام ہوتا ہے۔ عید عربی لفظ عَود سے لیا گیا ہے۔ عَود کے معنیٰ لوٹنے کے ہیں۔ عید چونکہ لوٹ لوٹ کر آتی ہے اور ہر شخص کی یہ قدرتی خواہش ہوتی ہے کہ مسرّت و شادمانی کا یہ دن بار بار آئے، اس لئے اس کو عید کہا جاتا ہے یعنی لوٹ لوٹ کر آنے والا خوشی کا دن۔ فِطر کے معنیٰ کُھلنے کے ہیں۔ اِفطار اسی سے بنا ہے۔ عید کے دن مہینہ بھر کے روزے کُھلتے ہیں، اسی لئے اِس کا نام عیدالفطر ہوا، یعنی روزے کھلنے کی عید۔ یہ عید روزوں کے شُکرانے اور قرآنِ پاک کے نزول کی یادگار میں منائی جاتی ہے جس نے بھٹکی ہوئی دنیا کے ویرانوں میں ارشاد و ہدایت کی روشنی پھیلائی اور اخوّت و مساواتِ انسانی کا سبق دیا۔

مفکّرِ اسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کے مطابق عید کے دن اِس لئے خوشی ہوتی ہے کہ رمضان المبارک کے روزے خیر و عافیت سے پورے ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایک چیز جو طبعی طور پر شاق ہونی ہی چاہیئے، اس سے فراغت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو فرض عائد کیا تھا اس سے عہدہ برآ ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ روزوں کی عید کی حیثیت مذہبی بھی ہے اور سماجی بھی، مذہبی طبقہ نے عید کی خوشی ایک مذہبی اور دینی شعار کے طور پر منائی اور سماج کے عام طبقوں اور اربابِ دولت و اختیار نے دینی شعار کے ساتھ اس کی سماجی اور تہذیبی حیثیت کو بھی

Marfat.com

نمایاں کرنے کی کوشش کی۔

آئیے اس اجتماعی تقریب کے دونوں گوشوں پر ایک ہلکی سی نظر ڈالیں۔

آنحضرتؐ کی تشریف آوری سے قبل عربوں میں بہت سے تہوار منائے جاتے تھے ان تہواروں اور میلوں میں شراب اور جوئے کی محفلیں سجائی جاتی تھیں۔ ہجرت کے بعد حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک کے روزوں کے فرض ہونے کا اعلان فرمایا۔ اسی سال عید کی باجماعت نماز میدان میں ادا فرمائی اور صدقۃ الفطر کا حکم دیا۔ یوں سمجھیے کہ اسلام آیا تو اس نے دوسری انقلابی اصلاحات کے ساتھ جاہلیت کے ان تہواروں کا قالب بھی بدل دیا۔ پیروانِ اسلام کو حکم دیا گیا کہ روزوں کی ریاضت کی تکمیل پر اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کریں، اس کی پاکی و برتری کا وِرد کرتے ہوئے، صاف ستھرے کپڑوں میں ایک خاص شانِ اجتماع کے ساتھ عیدگاہ میں جمع ہوں اور مہینہ بھر کی لطیف و پاکیزہ عبادت و ریاضت کے اس نذرانے کو شرفِ قبولیت بخشنے کی درخواست کریں۔ عید کے دن کی اہم ترین عبادات صدقۃ الفِطر ہے جو دوگانۂ عید ادا کرنے سے پہلے دے دینا چاہیئے، کسی وجہ سے نہ دیا گیا ہو تو نماز کے بعد فوراً دیدے۔ حضورؐ نے اس کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی کہ جب تک یہ صدقہ ادا نہیں کر دیا جائے گا روزے یونہی لٹکے رہیں گے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ خالق صرف اپنی بندگی سے خوش نہیں ہو سکتا جب تک اس کی مخلوق کا حق بھی ادا نہ کر دیا جائے۔ جو لوگ گنجائش کے باوجود خدا کے ضرورت مند اور نادار بندوں کا یہ حق دینے سے جی چراتے ہیں اُن کا روزہ ایک قالبِ بے جان ہے۔ اس اہمیت اور اہتمامِ خاص کی حکمت یہ ہے کہ عید کی مسرت کے لمحوں میں کوئی شخص بھوکا نہ رہے اور اس کی غُربت کے چہرے پر فاقہ مستی کی شکنیں زیادہ اُبھری ہوئی نظر نہ آئیں۔ صدقۃ الفطر اپنی اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے دینا

Marfat.com

ضروری ہے۔ بیوی اور بڑی اولاد کو اپنا صدقہ خود دینا چاہیئے، شوہر اور والد کے ذمّہ ان کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ غور کیا جائے تو اس تدبیر سے چند گھنٹوں میں لاکھوں کروڑوں کی رقم بے شمار لوگوں کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ اس لحاظ سے عید اخوّت اور انسانی مساوات کی ایک دل آویز نشانی ہے۔

اب آیئے اس کی سماجی، تمدّنی اور تہذیبی خصوصیتوں پر نظر ڈالیں ہمارے ملک کے قدیم حکمراں اِس تقریب کو مذہبی سے زیادہ عام تہذیبی اور سماجی رنگ میں مناتے تھے، جس کا نتیجہ قدرتی طور پر یہ ہوتا کہ بِلا لحاظ مذہب و ملّت سماج کے تمام طبقے اس تہوار کو اپنا تہوار سمجھ کر مناتے اور اس کی رسوم سے غیر معمولی دل چسپی لیتے تھے۔ اس طرح عید کی یہ تقریب انسانی رشتوں کو مضبوط کرنے اور جذبۂ رواداری پیدا کرنے میں ایک مؤثّر واسطے کا کام دیتی تھی۔

سلطان محمد تغلق، فیروز شاہ تغلق اور سلاطینِ مغلیہ کے دَور میں عید کی یہ تہذیبی خصوصیت خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہے۔ مؤرّخ ابنِ بطوطہ کے بیان کے مطابق عید کی رات میں سلطان محمد تغلق کی طرف سے بِلا تفریقِ مذہب تمام مصاحبوں، امیروں، افسروں، مسافروں اور اخبار نویسوں کو ہر ایک کے درجہ کے مطابق ایک ایک خلعت دیا جاتا تھا، دربار بڑی شان و شوکت سے سجایا جاتا تھا دیوان خانے میں مخملی فرش بچھایا جاتا، اس کے صحن میں تین صفیں بنائی جاتیں ان کے درمیان سونے کی ایک چوکی رکھی جاتی، دیوان خانے کے مرکزی حصّہ میں ایک بڑا تخت رکھا جاتا، سونے کے اس تخت پر جواہرات ٹکے ہوئے ہوتے، تخت کے علیٰحدہ علیٰحدہ ٹکڑے ہو جاتے، جب دیوان خانے میں لایا جاتا تو جوڑ لیا جاتا، اس کے ایک ایک ٹکڑے کو کئی کئی آدمی اُٹھاتے تھے، تخت پر ایک کُرسی رکھی جاتی تھی، اور بادشاہ کے سَر پر چھتر لگایا جاتا، جیسے ہی بادشاہ تخت پر بیٹھتا، نقیب بلند آواز سے

Marfat.com

بسم اللہ کہتے، پھر ایک ایک شخص سلام کے لئے آگے بڑھتا، اس کے بعد کھانا آتا، سونے کی انگیٹھی میں عُود اور عنبر جلائے جاتے، سونے اور چاندی کے گلاب پاش سے پھولوں کے عرق بھی مسلسل چھڑکے جاتے۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں بھی عید کا یہ جشن اسی شان سے منایا جاتا رہا، مغلوں کے عہد میں بھی یہ وضع قایم رہی، اورنگ زیب جیسا زاہدِ خشک بھی یہ جشنِ شاہانہ روایات کے ساتھ مناتا رہا۔ اس کے یہاں بھی ہندو اُمرا مناصب اور خلعت پاتے۔ ایک جشنِ عید کے موقع پر اس نے رانا راج سنگھ مُرزبان کو خلعتِ خاص سے نوازا اور مہاراجہ جسونت سنگھ کو بھی خلعت بھجوایا۔

خاندانِ مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے عہد میں حکومت کا نام ہی رہ گیا تھا اور اس کی شان و شوکت بڑی حد تک ختم ہو چکی تھی پھر بھی دربار میں جشنِ عید روایتی طور پر منایا جاتا تھا۔ احسن الاخبار ۸ اکتوبر ۱۸۴۸ء میں شاہ ظفر کے جشنِ عید کا حال تفصیل سے درج ہے۔ شاہجہاں کے آٹھویں سالِ جلوس میں عید الفطر اور نوروز دونوں تہوار ساتھ ساتھ پڑ گئے۔ اِن دونوں کے جشن ایک ساتھ منائے گئے اِس لئے دربار کی زینت و آرائش کی کوئی انتہا نہ رہی، دیوانِ عام اور دیوانِ خاص کے سامنے مخمل اور زربفت کے خیمے لگائے گئے، ان میں۔ ایک خیمہ گجرات کے کاریگروں نے ایک لاکھ روپے میں تیار کیا تھا۔ خیموں کے ستون سونے اور چاندی کے تھے، فرش میں بھی سونے کا کام تھا، تخت گاہ کے پاس ایک زرنگار شامیانہ تھا جس میں موتی ٹکے ہوئے تھے اور اس کے ستون سونے کے تھے۔

یہ تو واقعہ ہے کہ ان بادشاہوں اور حکمرانوں کے زمانہ میں جشنِ عید اور دوسرے جشنوں میں جن تکلّفات کا مظاہرہ ہوتا رہا ہے وہ مذہبی نقطۂ نظر سے کوئی

Marfat.com

پسندیدہ چیز نہیں ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سے ایک شاندار تہذیب وتمدن کا اندازہ ہوتا ہے، اس آرائش وزینت سے جو حسن اور سلیقہ ظاہر ہوتا ہے وہ اس ملک کی تہذیبی زندگی کا عنصر بنتا چلا گیا اور آج بھی خاص خاص تقریبوں میں جو نفاست ولطافت اور شان وشوکت نظر آتی ہے وہ اس تمدن کی یادگار ہے۔

ہمارا ملک مختلف مذہبوں اور رنگا رنگ تہذیبوں کا گہوارہ ہے، ضروری ہے کہ عید جیسے لطیف تہوار کی تہذیبی خصوصیتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جائے۔ اجتماعی تقریبیں قوموں کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ایسے بے تکلف اجتماعات میں سادہ تبادلۂ خیالات سے زبردست نفسیاتی اثر پڑتا ہے اور رسمی رُکاوٹیں جو عام زندگی میں ہمیں ایک دوسرے سے جُدا رکھتی ہیں ان اجتماعات کی برکت سے خود بخود دُور ہو جاتی ہیں اور اس فضا میں یہ احساس عام ہو جاتا ہے کہ ہم سب ایک قدرتی مضبوط رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور وہ ہے — انسانیت کے ادب واحترام کا رشتہ، آئیے عید الفطر کے اس روحانی اجتماع سے محبّت، خلوص، رواداری وغم خواری اور صبر وبرداشت کا سبق سیکھیں۔

۲۲ر ستمبر ۱۹۷۶ء

عیدؔ اور اخوتِ انسانی

عید الفطر اور عیدِ قرباں ہمارے دو بڑے تہوار ہیں۔ یہ دونوں تقریبیں پوری دنیائے اسلام میں شان وشوکت اور دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اسی اہتمام اور شان سے منائی جاتی ہیں۔ عید عود سے ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ عید چونکہ لوٹ لوٹ کر اور پھر پھر کر آتی ہے اور ہر شخص کی یہ قدرتی خواہش ہوتی ہے کہ خوشی ومسرت کا یہ دن بار بار آئے اسی لئے اس کو عید کہا جاتا ہے یعنی لوٹ لوٹ کر آنے والا مسرت کا دن۔ فِطر کے معنیٰ کھُلنے کے ہیں' افطار اسی سے ہے، عید کے دن مہینہ بھر کے روزے کھُلتے ہیں اسی لئے اس کا نام عید الفطر ہوا یعنی روزے کھُلنے کی عید۔ یہ عید روزوں کے شکرانے اور قرآنِ پاک کے نزول کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے جس نے دنیا کے ویرانوں میں ہدایت کی روشنی پھیلائی اور اخوتِ انسانی کا سبق دیا۔ عید کے دن خاص طور پر اس لئے بھی خوشی ہوتی ہے کہ آج رمضان المبارک کے روزے خیریت سے ختم ہوگئے یعنی جو چیز طبعی طور پر شاق ہونی ہی چاہیئے اُس سے فراغت ہوجاتی ہے اور اللہ تعالےٰ نے جو فرض عائد کیا تھا اس سے عہدہ برآ ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے' روزوں کی اس عید کی حیثیت مذہبی بھی ہے اور سماجی بھی، مذہبی طبقہ نے عید کی خوشی ایک دینی شعار سمجھ کر منائی اور اربابِ دولت نے اس کی تہذیبی اور سماجی حیثیت کو نمایاں کیا۔ اس طرح عید ایک آفاقی اور بین الاقوامی تہوار بن گیا۔ آیئے اس پُر رونق اور دلکش اجتماعی تقریب کے دونوں گوشوں پر

Marfat.com

ایک ہلکی سی نظر ڈالیں۔ حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ والے سالانہ دو عیدیں مناتے تھے اور ان دونوں میلوں کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ عام عربوں میں بھی بہت سے تہوار منائے جاتے تھے جن میں شراب اور جوئے کی محفلیں گرم ہوتی تھیں۔ مدینہ کے لوگوں سے آپ نے ان کے تہواروں کی اصلیت دریافت فرمائی اور اعلان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے افضل دو تہوار دیے ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک کے روزوں کے فرض ہونے کا اعلان فرمایا اور وحیِ الٰہی کی یہ آواز مدینہ طیبہ کی فضاؤں میں گونجنے لگی: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ یہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن اُترنا شروع ہوا۔ یہ قرآن انسانوں کے لئے رہنما ہے۔ ہدایت کی روشن سچائیاں اپنے اندر رکھتا ہے اور حق کو باطل سے جدا کر دینے والا ہے۔ پس تم میں سے جو کوئی یہ مہینہ پائے اس کو چاہیئے کہ اس میں روزے رکھے۔ اسی سال صدقۃ الفطر کا حکم ہوا اور عید کی نماز با جماعت باہر میدان میں ادا فرمائی۔ بعد میں یہی جگہ عید گاہ بن گئی۔

عید کی مذہبی حیثیت کو یوں سمجھئے کہ حضورؐ نے دوسری انقلابی اصلاحات کے ساتھ زمانۂ جاہلیت کے میلوں اور تقریبوں کا قالب بھی یکسر بدل دیا۔ حکم دیا گیا کہ روزوں کی عبادت و ریاضت کی تکمیل پر پروردگار کا شکریہ ادا کریں، اُس کی پاکی اور بڑائی کا ورد کرتے ہوئے صاف ستھرے کپڑوں میں ایک خاص شانِ اجتماع کے ساتھ آبادی سے علیحدہ عید گاہ میں اکٹھے ہوں اور مہینہ بھر کی پاکیزہ و لطیف عبادت و ریاضت کے اس نذرانے کو شرفِ قبولیت بخشنے کی درخواست کریں۔ عید کے روز کی سب سے اہم عبادت صدقۃ الفطر ہے جو عید کی نماز سے پہلے دیدینا چاہیئے۔ کسی وجہ سے رہ جائے تو نماز کے بعد فوراً ادا کر دے۔ حضورؐ نے صدقۃ الفطر کی غیر معمولی اہمیت

Marfat.com

اِس ارشاد سے ظاہر فرمائی کہ جب تک یہ صدقہ نہیں دیا جائے گا روزے یونہی معلق رہیں گے، جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ خالق صرف اپنی بندگی سے خوش نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی مخلوق کا حق بھی ادا نہ کر دیا جائے، جو لوگ وسعت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے غریب اور نادار بندوں کا یہ حق دینے سے جی چُراتے ہیں اُن کے روزے کی مثال اس پھُول کی سی ہے جس میں کوئی رنگ و بُو نہ ہو۔ اس اہمیت کی حکمت یہ ہے کہ عید کے لمحاتِ مسرّت اور ساعاتِ شادمانی میں کوئی شخص بھوکا نہ رہے اور اس کی مفلسی کے چہرے پر فاقہ مستی کی شکنیں زیادہ اُبھری ہوئی نظر نہ آئیں۔ اس لحاظ سے غور کیا جائے تو عید الفطر، اخوّت اور مساواتِ انسانی کی ایک دل آویز نشانی ہے اور اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللہ کی تعلیم کا نہایت مؤثر مظاہرہ۔ اب آئیے عید کی تمدّنی، سماجی اور تہذیبی خصوصیتوں پر غور کریں۔ ہمارے ملک کے قدیم حکمراں اس تقریب کو مذہبی سے زیادہ عام تہذیبی اور سماجی رنگ میں مناتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اس تہوار میں سماج کے تمام طبقے بلالحاظ مذہب و ملت غیر معمولی دل چسپی لیتے تھے اور اس طرح عید کی یہ تقریب انسانی رشتوں کو مضبوط و مستحکم کرنے میں ایک مؤثر واسطے کا کام دیتی تھی۔ عام تاریخوں اور مؤرخ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق سلطان محمد تغلق کے دَور میں عید کی یہ تہذیبی حیثیت خاص طور سے نمایاں نظر آتی ہے۔ عید کی رات میں سلطان کی طرف سے بِلا تفریق مذہب مصاحبوں، امیروں، مسافروں، حاجبوں، افسروں، غلاموں اور اخبار نویسوں کے لئے ایک ایک خلعت ہر ایک کے درجے کے مطابق دیا جاتا تھا۔ صبح کو ہاتھی سجائے جاتے تھے، اُن پر ریشم کی طلائی جھولیں ڈالی جاتی تھیں۔ سو ہاتھی خاص بادشاہ کی سواری کے ہوتے تھے۔ ان سب پر ایک چھتر ریشم سے بنا ہوا اور جواہرات سے جڑا ہوا ہوتا تھا۔ ہر ایک چھتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی تھی اور ہر ہاتھی پر جواہرات سے مُرصّع ایک ریشمی گدّی

Marfat.com

رکھی جاتی تھی۔ آگے آگے نقیب ہوتے تھے جن کی تعداد تین سو کے قریب ہوتی۔ ان میں ہر ایک کے سر پر پوستین کی کلاہ، کمر میں طلائی پیٹی اور ہاتھ میں سونے کے دستہ کا تازیانہ ہوتا۔ علماء اور خاص خاص افسروں کے علاوہ مؤذن بھی ہاتھیوں پر سوار ہوتے اور تکبیر پڑھتے ہوئے چلتے، بادشاہ اس ترتیب سے شاہی محل کے دروازے سے نکلتا۔ لشکر باہر انتظار میں ہوتا، ہر ایک امیر اپنے دستے کو باہر لئے علیحدہ کھڑا رہتا، ہر ایک کے ساتھ نوبت نقارے والے بھی ہوتے۔ سب سے پہلے بادشاہ کی سواری آگے بڑھتی۔ جب بادشاہ عیدگاہ کے دروازے پر پہنچتا تو کھڑا ہو جاتا اور حکم دیتا۔ قاضی، مؤذن، امیر اور ذی رتبہ پردیسی پہلے داخل ہوں۔ بادشاہ آخر میں اترتا اور پھر فوراً ہی نماز شروع ہو جاتی۔ عید کے دن دربار بڑی شان و شوکت سے سجایا جاتا۔ تمام دیوان خانے میں فرش بچھایا جاتا۔ اس کے صحن میں تین صفیں بنائی جاتیں، ان کے درمیان سونے کی ایک چوکی رکھی جاتی، دیوان خانے کے مرکز میں ایک بڑا تخت رکھا جاتا۔ یہ تخت سونے کا ہوتا اور اس پر جواہرات ٹکے ہوئے ہوتے، تخت کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہو جاتے۔ جب دیوان خانے میں لایا جاتا تو جوڑ لیا جاتا۔ ایک ایک ٹکڑے کو کئی کئی آدمی اٹھاتے تھے، تخت پر ایک کرسی رکھی جاتی اور بادشاہ کے سر پر چھتر لگایا جاتا۔ جیسے ہی بادشاہ تخت پر بیٹھتا، نقیب اور حاجب بلند آواز سے بسم اللہ کہتے، پھر ہر ایک شخص سلام کے واسطے آگے بڑھتا۔ سلام کے بعد کھانا آتا، اس روز سونے کی انگیٹھی میں عود، الائچی اور عنبر جلائے جاتے تاکہ دربار کی فضا معطّر رہے، سونے اور چاندی کے گلاب پاش سے پھولوں کے عرق بھی مسلسل چھڑکے جاتے۔

اس شان سے عید کی درباری رسوم ادا ہوتیں۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں بھی عید کا یہ جشن اسی آن بان سے منایا جاتا تھا۔ مغلوں کے عہد میں بھی یہ وضع ایک درجہ میں قائم رہی۔ سلطان اورنگ زیب جیسا زاہد خشک بھی عید کا جشن شاہانہ روایتوں

Marfat.com

کے ساتھ مناتا رہا۔

دوسرے بادشاہوں کی طرح اس کے یہاں بھی ہندو امرا مناصب اور خلعت پاتے۔ ایک جشنِ عید میں اس نے رانا راج سنگھ مرزبان کو خلعتِ خاص کے ساتھ جھومر مرصع عطا کیا اور مہاراجہ جسونت سنگھ کو خلعت بھجوایا۔ اس میں شک نہیں کہ ان بادشاہوں کے زمانے میں جشنِ عید اور دوسرے جشنوں میں جن تکلفات کا مظاہرہ ہوتا رہا ہے وہ مذہبی نقطۂ نظر سے کھلی ہوئی فضول خرچی ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سے ایک شاندار تہذیب و تمدّن کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس زینت و آرائش میں جو سلیقہ اور حُسن ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے ملک کی تمدّنی اور تہذیبی زندگی کا عنصر بنتا چلا گیا اور آج بھی خاص خاص موقعوں پر جو لطافت و نفاست اور شان و شوکت نظر آتی ہے وہ اسی چمکتے ہوئے تمدّن کی یادگار ہے۔ ہمارا ملک مختلف مذہبوں اور رنگا رنگ تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔ ضروری ہے کہ عید جیسے شیریں، نرم اور دل کش تہوار کی تہذیبی اور سماجی خصوصیتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جائے اور عوام میں یہ احساس بیدار کیا جائے کہ ہم سب ایک قدرتی مضبوط رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور وہ ہے انسانیت اور اس کے ادب و احترام کا رشتہ۔ آئیے عید الفطر کے اس رُوحانی اجتماع سے انسانی اخوّت، خلوص و محبت، رواداری و غم خواری، صبر و تحمّل اور عزم و ہمّت کا سبق سیکھیں۔

۲ر جنوری ۱۹۶۸ء

شبِ برأت

Marfat.com

①	شبِ برات	۱۷۹
②	شبِ برات کی اہمیت	۱۸۲
③	شبِ برات کی فضیلت	۱۸۷

Marfat.com

شبِ براَت

شعبان کی پندرھویں رات کو شبِ براَت کہا جاتا ہے یعنی گناہوں سے بے تعلق اور بیزار ہونے کی رات، اسی رات کی چاندنی میں عالمِ بالا میں انسانی زندگی کے آئین و دستور کی ترتیب کا اہتمام کیا جاتا ہے، عمریں لکھی جاتی ہیں، رزق کا کوٹہ مقرر کیا جاتا ہے اور ہونے والے واقعات و حوادث اور پیش آنے والے کاموں کی فہرست ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کے سپرد کی جاتی ہے اور پھر اس سلسلہ کی تکمیل کہیں شبِ قدر میں جاکر ہوتی ہے، جو رمضان المبارک کی سب سے زیادہ بابرکت رات ہے۔ شبِ براَت آئی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ قلب و روح کو زندگی عطا کرنے والے دستور العمل قرآن پاک کی سالگرہ کا مہینہ رمضان المبارک اپنی تمام عظمتوں اور برکتوں کے ساتھ جلوہ نما ہو گیا اور آفتابِ ہدایت کی شعاعیں پھیلنے سے پہلے صبح صادق نمودار ہو گئی۔ اس رات کی فضیلتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ حضورؐ کے چہیتے صحابی حضرت اُسامہؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ حضورؐ جتنے روزے شعبان میں رکھتے ہیں کسی مہینہ میں نہیں رکھتے۔ ارشاد ہوا: اسامہؓ! یہ بڑا مبارک مہینہ ہے، اس میں انسانوں کے اعمالنامے پروردگارِ عالم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ روزے سے ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضورؐ نے خطبہ میں اعلان فرمایا: لوگو! شعبان کا روزہ رکھ کر اپنے جسموں کو رمضان المبارک کے

Marfat.com

روزوں کے لئے درست اور صاف ستھرا کرلو۔ حضرت صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا حضورؐ اپنے بستر پر نہیں ہیں، قدرتی طور پر مجھے تردّد ہوا اور حضورؐ کی جستجو میں گھر سے نکلی، کیا دیکھتی ہوں کہ حضورؐ مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع میں تشریف رکھتے ہیں اور آنکھیں آسمان پر جمی ہوئی ہیں۔ مجھے دیکھا تو فرمایا: عائشہ! یہ بڑی بابرکت رات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خاص توجہ فرماتے ہیں اور اُن کی لغزشیں آبِ رحمت کے قطروں سے دُھل جاتی ہیں۔ حضرت علیؓ کی مشہور روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: شعبان کی پندرھویں شب میں اپنے پروردگار کو خاص طور پر یاد کیا کرو، دیکھو، اس رات میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت ورافت ایک خاص انداز سے جلوہ گر ہوتی ہے اور اعلانِ عام ہوتا ہے، ہے کوئی معافی چاہنے والا کہ میں اُس کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے کر معاف کردوں، ہے کوئی مانگنے والا کہ اس کو روزی دوں، ہے کوئی مصیبتوں اور تکلیفوں کا شکار کہ اس کی مصیبت اور تکلیف میں کام آؤں۔ اس پوری رات میں رحمت وبخشش کے دریا میں یونہی موجیں اُٹھتی رہتی ہیں اور طلب وسوال کے ہاتھوں کی بے تابانہ تلاش رہتی ہے یہاں تک کہ صبح صادق کا چہرہ افق سے چمکنے لگتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا طریقہ یہ تھا کہ اس رات کی برکت اور تقدس کے حقیقی مقصد کو سامنے رکھ کر شعبان کے پورے مہینہ میں ریاضتوں اور عبادتوں کا زبردست اہتمام کرتے تھے اور اس یقین کے ساتھ کرتے تھے کہ اس مہینہ کی یہ ریاضتیں آنے والے ماہِ مبارک کی مشکل اور نازک ذمّہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے ایک عمدہ مشق کا کام دیں گی، جس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک بلند مطمح نظر کی خاطر پہلے سے اپنے آپ کو تیار کرلینا اور ایسی صلاحیت پیدا کرلینا جس کے بعد صبر وبرداشت کے اِس مہینہ کی آزمائشوں میں ثابت قدم رہا جاسکے۔

Marfat.com

یہ ہے شبِ برأت کی مذہبی اور روحانی خصوصیتوں کا ایک مختصر اور ہلکا سا نقشہ، اس نقشہ کو سامنے رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام مسلمان اس کے حقیقی مقصد سے کتنے دُور ہو گئے ہیں، نہ صرف یہ کہ دُور ہو گئے ہیں بلکہ ایسی رسموں میں گھر گئے ہیں جو شبِ برأت کے مقصد و منشار سے ٹکراتی ہیں۔ یہ مان لینا چاہیئے کہ قومی تہواروں اور اجتماعی تقریبوں میں بہت سی رسمیں بے ارادہ بھی شامل ہو جاتی ہیں اور ان کی روک تھام کے لئے نرمی اور حکمتِ عملی ہی سے کام لینا پڑتا ہے مگر جس رسم نے شبِ برأت کی رُوحانی لطافت و عظمت پر براہِ راست نہایت ناگوار اثر ڈالا ہے وہ آتش بازی کی رسم ہے جس کو ایک لمحہ کے لئے بھی باقی نہ رہنا چاہیئے۔ معاشی اور اقتصادی بدحالی کے اِس دَور میں آگ سے کھیلنے کے اِن خطرناک تماشوں ۔۔ پر بے ضرورت لاکھوں، کروڑوں روپے خرچ کرنا ہوش کی بات نہیں ہو سکتی۔ وقت کی آواز یہ ہے کہ اس سرمایہ کو قوم کی تعلیمی اور سماجی ضرورتوں اور سوسائٹی کے بے وسیلہ اور نادار افراد کی نگہداشت پر صَرف کیا جائے۔

قومی تقریبوں اور سماجی کردار میں گہرا تعلق ہے۔ کسی قوم کا تہوار اس کے سماجی کردار کا آئینہ ہوتا ہے جس میں افرادِ قوم کے مزاج اور طبعی خصوصیات کو صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور اندازہ لگایا جاتا ہے کہ زندگی اور اس کی ذمّہ داریوں سے متعلق اُن کے احساسات و رجحانات کیا ہیں۔ یہی ہے وہ پیغام جو آپ نُور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اس رات کی زبان سے سُن سکتے ہیں اور توفیق کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔

"خوشخبری ہو اُن کیلئے جو بات ٹھکانے سے سُنتے ہیں اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کو خدا نے سیدھی راہ دکھائی اور یہی ہیں جن کو عقل و فہم کی دولت سے نوازا گیا ہے۔" (قرآنِ کریم)

۲، فروری ۱۹۶۱ء

Marfat.com

شبِ برأت کی اہمیّت

آج شعبان کی پندرہ تاریخ ہے۔ اس مہینہ کی پندرھویں رات کو "شب برأت" کہا جاتا ہے یعنی معصیتوں اور گناہوں سے چھٹکارا پانے اور بے تعلق و بے زار ہونے کی رات۔ یہ رات مجرموں کی رہائی اور گنہگاروں کی معافی کے لئے خاص طور پر چُنی گئی ہے اس لئے اِس کا نام لیلۃ البرأت ہے۔ اسی رات میں قضا و قدر کے حکیمانہ فیصلوں کا بندوبست ہوتا ہے، جن کی مصدّقہ نقل لوحِ محفوظ سے لے کر شعبۂ تکوینیات کے فرشتوں کے حوالے کردی جاتی ہے اور پھر آنے والی عظیم الشان رات "شبِ قدر" تک ان تمام فیصلوں کی آخری تکمیل ہوتی ہے۔ یہ رات آگئی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ دلوں کو زندگی اور روحوں کو بالیدگی بخشنے والے دستور العمل "قرآن مجید" کی سالگرہ کا مقدس مہینہ "رمضان المبارک" آگیا اور اس کی برکتوں اور عظمتوں کی صبح نمودار ہوگئی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیئے کہ ظلمتِ شب کے پردے چاک ہوگئے اور اب تھوڑی ہی دیر میں انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے آفتاب کی کرنیں چمکنے والی ہیں۔ جس کا اثر قدرتی طور پر یہ ہوگا کہ نفسانی خواہشیں روحانیت کی گرفت میں آجائیں گی۔ مادّی جذبات کی کثافتوں کو رُوحانی لطافتوں کی طاقت سے روند دیا جائیگا اور زندگی کے معمولات میں ایک لطیف قسم کی پاکی اور نفیس قسم کا ہلکا پن محسوس ہونے لگے گا، یہاں تک کہ اس عالمِ ناسوت ہی میں عالمِ ملکوت کی جھلک نظر آجائے گی۔ جہاں تک اِس رات کے فضائل و برکات کا تعلق ہے آنحضرتؐ کے ارشادات میں ان کا بیان مختلف طریقوں سے آیا ہے۔ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے

کہ ایک دن حضورؐ نے خطبہ میں اعلان فرمایا: لوگو! شعبان کا روزہ رکھ کر اپنے جسموں کے قالب کو رمضان المبارک کے روزوں کیلئے ہموار اور صاف ستھرا کر لو۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت اُسامہؓ کا بیان ہے، کہتے ہیں، میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: حضورؐ جتنے روزے شعبان میں رکھتے ہیں کسی مہینہ میں نہیں رکھتے۔ ارشاد ہوا اُسامہ! یہ بڑا مبارک مہینہ ہے جس کو رجب المرجب اور رمضان المبارک کے درمیان میں رکھا گیا ہے۔ اس میں انسانوں کے اعمال نامے پروردگارِ عالم کے رُوبرو پیش کئے جاتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے عمل ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزے سے ہوں۔

صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ رات کو میری آنکھ کھُلی تو میں نے دیکھا حضورؐ اپنے بستر پر نہیں ہیں، مجھے تشویش ہوئی اور میں حضورؐ کی جستجو میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی، کیا دیکھتی ہوں کہ آنحضرتؐ بقیع میں (یہ مدینہ طیبہ کے مشہور و متبرک قبرستان کا نام ہے) تشریف رکھتے ہیں اور آنکھیں آسمان پر جمی ہوئی ہیں، مجھے دیکھ کر پہلے کچھ ضروری نصیحتیں فرمائیں، پھر فرمایا: عائشہؓ! یہ رات برکتوں والی نورانی رات ہے، اِس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خاص توجہ فرماتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کی لغزشیں آبِ رحمت کے قطروں سے دُھل جاتی ہیں اگرچہ وہ قبیلۂ بنی کلب کی بھیڑ بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں (قبیلۂ بنو کلب اپنی بکریوں کی کثرت کے لئے عرب میں مشہور تھا)۔

امیر المومنین حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: شعبان کی پندرہویں شب میں اپنے پروردگار کو خاص طور پر یاد کرو، رات کو دل لگا کر خوب خوب نمازیں پڑھو اور دن کو روزہ رکھو، دیکھو! اِس رات میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت ایک خاص انداز سے جلوہ گر ہوتی ہے، آسمانِ دنیا سے اعلانِ عام ہوتا ہے: ہے کوئی

Marfat.com

معافی چاہنے والا کہ میں اس کو اپنی آغوشِ رحمت و شفقت میں لیکر معاف کردوں، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ اُس کو روزی دوں اور اس کی مانگ پوری کردوں، ہے کوئی مصیبت کا مارا، تکلیفوں اور اذیّتوں میں پھنسا ہوا کہ اس کی تکلیف اور مصیبتوں میں کام آؤں۔ اِس پوری رات میں رحمت و رافت کے دریا میں اسی طرح موجیں اُٹھتی رہتی ہیں یہاں تک کہ صبح صادق کا نوُرانی چہرہ چمکنے لگتا ہے۔ اس موقع پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کے عقیدہ کے مطابق پروردگارِ عالم نہ تو آسمانوں کی بُلندیوں میں چھُپا ہوا ہے اور نہ مٹّی چونے کی کسی چہار دیواری میں بند ہے، وہ ہر جگہ ہے اور ہر وقت ہر جگہ سے پکارا جاسکتا ہے۔ مانگنے والا کسی واسطے اور وسیلے کے بغیر اس سے بے جھجک اپنی مرادیں مانگ سکتا ہے، خشکی، تری، جنگل، پہاڑ، بلندی و پستی سب اس کی تجلّیوں اور کارفرمائیوں سے معمور ہیں۔ اس کے باوجود اس کی مصلحتِ رحمت کا یہ تقاضا ہوا کہ اس نے اپنے بنائے ہوئے انہی وقتوں اور ساعتوں میں بعض ساعتوں کو اجابت و قبولیت کے شرفِ خاص سے نوازدیا، زبانِ وحی نے اس حقیقت کو اس پیرایہ میں ظاہر کیا ہے:۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے بنائے ہوئے دنوں میں بعض لمحے اس کی نوازشِ خاص کی بارش کے ہوتے ہیں، لوگو! ہوشیار رہو اور رحمت و برکت کے ان لمحوں اور بخشش و کرم کی ان ساعتوں کو خاص طور پر دھیان میں رکھو!

شعبان المعظم کی پندرھویں شب کا شمار بھی انہی خاص لمحاتِ برکت اور نفحاتِ رحمت میں کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس رات کی دُعاؤں میں مقبولیت کی ایک خاص شان اور کیفیت پائی جاتی ہے۔ خوش قسمت اور نیک انجام ہیں وہ بندے جو لُطفِ خاص کی ان گھڑیوں کی قیمت پہچانتے ہیں اور معبودِ برحق سے اپنی وفاداری کا پیمان استوار کرتے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کا معمول یہ تھا کہ اس رات کی برکت

Marfat.com

اور تقدس کے حقیقی مقصد کو سامنے رکھ کر شعبان کے پورے مہینہ میں عبادتوں اور ریاضتوں کا غیر معمولی اہتمام کرتے تھے اور اس یقین کے ساتھ کرتے تھے کہ اس مہینہ کی یہ ریاضتیں آنے والے ماہِ مبارک کی کٹھن اور نازک ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے ایک عمدہ مشق اور کامیاب ریہرسل کا کام دینگی۔ جس کے معنی ہوئے ایک اعلیٰ اور بلند مطمحِ نظر کی خاطر پہلے سے اپنے آپ کو آمادہ و مستعد کر لینا اور ایسی مشق بہم پہنچا لینا جس کے بعد صبر و برداشت کے اس مہینہ کی زبردست آزمائشوں میں ثابت قدم رہا جاسکے۔

آنحضرتؐ کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: جیسے ہی شعبان کا مہینہ آتا ہم مسلمان تلاوتِ قرآن پاک کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے اور اپنے مال کی زکوٰۃ نکالنے کی اس لئے کوشش کرتے کہ بے وسیلہ اور نادار لوگوں کو فریضۂ رمضان مبارک کے ادا کرنے میں کمک پہنچائیں۔

یہ ہے اس متبرک رات کی روحانی خصوصیتوں کا ایک مختصر سا خاکہ۔ اب آیئے اس تقریب کے دوسرے گوشوں پر بھی غور کرتے چلیں۔ شبِ برأت اپنے ساتھ چند خاص طرح کی رسمیں لاتی ہے جن کو عوام کا ایک طبقہ قومی تہوار کے رنگ میں منانے کی کوشش کرتا ہے اور صورت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ رسوم و قیود کی ان پابندیوں کے علاوہ عام لوگوں کے دماغوں میں شبِ برأت کا کوئی دوسرا نقشہ ہی باقی نہیں رہا، وہ جب تک ان رسموں پر دل کھول کر عمل نہیں کر لیتے ان کی تشنگی دُور نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُن کے خیال میں شبِ برأت نام ہی ان رسموں پر عمل کرنے کا ہے اور اُن کے غور و فکر کی کل کائنات ہی یہ ہے۔ معلوم نہیں حماقت و جہالت کے خمیر سے گندھی ہوئی یہ رسمیں اس رات کی برکتوں میں کب سے شامل ہوئیں، شامل بہرحال ہو گئیں اور اب اِس بگڑی ہوئی صورت کی اصلاح کیلئے جرأت، احتیاط اور حکمت عملی سے

Marfat.com

کام لینے کی ضرورت ہے۔

یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ اجتماعی تقریبوں اور قومی تہواروں میں بہت سی نامعقول رسمیں بے ارادہ بھی شامل ہو جاتی ہیں اور ان کی روک ٹوک میں تساہل اور اغماض ہی سے کام لینا پڑتا ہے، لیکن جس رسم نے شبِ برأت کی روحانی عظمت پر براہِ راست ناگوار اثر ڈالا ہے وہ آگ سے کھیلنے کی رسم ہے جس کو مٹ ہی جانا چاہیئے۔ معاشی نگوں حالی اور اقتصادی پراگندگی کی ان اندھیریوں میں آتش فشانیوں کے اِس ہنگامۂ حماقت اور قومی سرمایہ کی اس بھیانک بربادی کے جواز کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔

وقت کی پکار یہ ہے کہ اس سرمایہ کو سوسائٹی کے کمزور اور بے سہارے افراد کی ضرورتوں پر خرچ کیا جائے۔

یہی ہے وہ پیغامِ حق جو آپ سکون کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اس روحانی شب کی زبانِ حال سے سُن سکتے ہیں اور پھر بقدرِ توفیق عمل کر سکتے ہیں۔

۱۸؍اپریل ۱۹۵۴ء

Marfat.com

شبِ برأت کی فضیلت

شبِ برأت، یعنی گناہوں اور معصیتوں سے رہائی حاصل کرنے اور بیزار و بے تعلق ہونے کی رات۔ اِس رات میں عالمِ بالا میں انسانی زندگی کے دستور و آئین کی ترتیب کا اہتمام کیا جاتا ہے، عمریں لکھی جاتی ہیں، رزق لکھا جاتا ہے، پیش آنے والے واقعات کی فہرست ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کے حوالے کی جاتی ہے اور پھر قضا و قدر کے ان حکیمانہ فیصلوں کی آخری تکمیل، رمضان المبارک میں آنیوالی بابرکت اور عظیم الشان رات "شبِ قدر" میں کی جاتی ہے۔ اس رات کی آمد کے معنیٰ یہ ہیں کہ دلوں کو زندگی اور رُوحوں کو تازگی بخشنے والے دستور العمل "قرآنِ پاک" کی سالگرہ کا مقدس مہینہ اپنی تمام برکتوں کے ساتھ جلوہ فرما ہو گیا اور اس کی عظمتوں کی صبح نمودار ہو گئی۔ شبِ برأت کی فضیلتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔

مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک روز خطبہ میں اعلان فرمایا: لوگو! شعبان کا روزہ رکھ کر اپنے جسموں کے قالب کو رمضان المبارک کے روزوں کیلئے دُرست اور ہموار کر لو۔ حضرت اسامہؓ کی روایت ہے کہ میں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضورؐ جتنے روزے شعبان کے مہینہ میں رکھتے ہیں کسی مہینہ میں نہیں رکھتے۔ ارشاد ہوا: اسامہ! یہ بڑا بابرکت مہینہ ہے جسکو رجب المرجب اور رمضان المبارک کے بیچ میں رکھا گیا ہے، اس میں بندوں کے اعمال نامے پروردگارِ عالم کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے عمل پروردگار کے سامنے ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزے سے ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ

کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا حضورؐ اپنے بستر پر نہیں ہیں، مجھے تشویش ہوئی اور حضورؐ کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ حضورؐ مدینہ شریف کے قبرستان بقیع میں تشریف فرما ہیں اور آنکھیں آسمان پر لگی ہوئی ہیں۔ مجھے دیکھ کر پہلے کچھ اور نصیحتیں فرمائیں، پھر فرمایا عائشہ! یہ بڑی برکتوں والی نورانی رات ہے، اس میں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر خاص توجہ فرماتے ہیں جس کی برکت سے اُن کے گناہ اور لغزشیں آبِ رحمت کے قطروں سے دُھل جاتی ہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: شعبان کی پندرھویں شب میں اپنے رب کو خاص طور پر یاد کیا کرو، دیکھو! اس رات میں اُس کی شانِ رحمت ایک خاص انداز اور کیفیت سے جلوہ گر ہوتی ہے، اعلانِ عام ہوتا ہے، ہے کوئی معافی کا طالب کہ میں اس کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے کر معاف کر دوں، ہے کوئی رزق و روزی مانگنے والا کہ اُس کی مانگ پوری کروں، ہے کوئی مصیبتوں اور کلفتوں کا شکار کہ اس کی پریشانی میں کام آؤں"۔

اس پوری شب میں جُود و بخشش اور رحمت و رافت کے دریا میں اسی شان سے موجیں اُٹھتی رہتی ہیں اور طلب و سوال کے شرمندہ ہاتھوں کی والہانہ اور بیتابانہ تلاش رہتی ہے، یہاں تک کہ صبح صادق کا چہرہ اُفق پر نمودار ہو جاتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا طریقہ یہ تھا کہ اس رات کے تقدس کے حقیقی مقصد اور مطمحِ نظر کو سامنے رکھ کر شعبان کے پورے مہینہ میں عبادتوں اور ریاضتوں کا خاص اہتمام کرتے تھے کہ اس مہینہ کی یہ ریاضتیں آنے والے ماہِ مبارک کی نازک ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ایک عمدہ مشق اور ریہرسل کا کام دیں گی۔ اس مرحلہ پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کے عقیدے میں پروردگارِ عالم نہ تو آسمانوں کی بُلندیوں میں چھُپا ہوا ہے اور نہ مٹّی چونے کی مادّی دیواروں میں بند ہے بلکہ وہ ہر جگہ ہے اور

Marfat.com

ہر وقت ہر جگہ سے پکارا جاسکتا ہے۔ مانگنے والا اور دستِ طلب و سوال پھیلانے والا کسی واسطے اور وسیلے کے بغیر، بے جھجک اس سے مانگ سکتا ہے۔ خشکی، تری، پہاڑ، جنگل، آبادیاں اور ویرانے، بلندی و پستی، سب اُس کی تجلّیوں کے نور سے معمور ہیں، اس کے باوجود اس کی رحمت کا یہ تقاضا ہوا کہ اس نے اپنے بنائے ہوئے انہی وقتوں اور ساعتوں میں بعض لمحوں اور ساعتوں کو اجابت و قبول کے شرفِ خاص سے نواز دیا۔ زبانِ وحی نے اس حقیقت کو یوں ظاہر کیا ہے:۔

"پروردگار کے یہاں اُس کے بنائے ہوئے دنوں اور ساعتوں میں بعض لمحے اس کی نوازشِ خاص کی بارش کے ہوتے ہیں، لوگو! ہوشیار اور بیدار رہو اور بخشش و کرم کی ان ساعتوں اور رحمت و برکت کے اِن لمحوں کو خاص دھیان میں رکھو۔"

شعبان المعظم کی پندرھویں شب کا شمار بھی انہی نفحاتِ رحمت اور لمحاتِ برکت میں کیا گیا ہے۔ اس رات کی دُعاؤں میں مقبولیت کی ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ نیک بندے جو لُطفِ خاص کی اِن ساعتوں کی قیمت پہچانتے ہیں اور اپنے معبود سے وفاداری کا پیمان استوار کرتے ہیں۔ حضورؐ کے خادمِ خاص حضرت انسؓ فرماتے ہیں: جیسے ہی شعبان کا مہینہ آتا ہم لوگ تلاوتِ کلام پاک کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے اور اپنے مال کی زکوٰۃ نکالنے کی خاص کوشش کرتے کہ بے وسیلہ اور نادار لوگوں کو فریضۂ رمضان ادا کرنے میں مدد پہنچائیں۔ یہ ہے اُس متبرک رات کی روحانی خصوصیتوں اور فضیلتوں کا ایک چھوٹا سا خاکہ، اس خاکے کو سامنے رکھ کر یہ چیز صاف ہوجاتی ہے کہ عام مسلمان شبِ برأت کے حقیقی مقصد سے کتنے بے تعلّق ہو گئے ہیں، نہ صرف یہ کہ بے تعلق ہو گئے ہیں بلکہ ایسی رسموں میں گھر گئے ہیں جن کا اِس رات کی فضیلت اور خصوصیت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہمارے ملک میں یہ تقریب

Marfat.com

جس طرح منائی جاتی ہے وہ اپنے رنگ میں انوکھی ہے۔ دوسرے اسلامی ملکوں حجاز، شام، مصر، عراق اور اُردن وغیرہ میں تقریب کی اس نوعیت کا نشان نہیں ملتا۔ معلوم نہیں ہمارے یہاں اس رات کی برکتوں میں یہ رسمیں کب سے شامل ہوئیں مگر ہیں صدیوں سے، اور چونکہ اس ملک کے بادشاہوں اور صاحبِ اقتدار لوگوں نے براہِ راست ان رسوم سے دلچسپی لے کر ان کی اہمیت کو بڑھایا ہے اس لئے اب اس تقریب کی حیثیت رُوحانی اور مذہبی تقریب کے علاوہ سماجی بھی ہو گئی ہے۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سُلطان فیروز شاہ تغلق کے دَور میں بھی شبِ برأت کی متعدد رسوم کا رواج تھا۔ شاہی محل پر طبل بجائے جاتے تھے، چراغاں ہوتا تھا جس کو دیکھنے کے لئے دُور دُور سے ہندو مسلمان دونوں آتے تھے اور تفریح و تماشہ کا لُطف اُٹھاتے تھے۔ مغل بادشاہوں کے زمانے میں بھی یہ رواج قائم رہا، اس رات میں شاہی محلات اور دوسری خاص عمارتوں میں بڑے اہتمام سے روشنی کی جاتی تھی جس سے صحن و چمن بُقعۂ نور بن جاتے، خود بادشاہ بھی جھروکے میں بیٹھ کر اس رونق سے لُطف اندوز ہوتا، شاہی مہمان خانے سے ضرورت مندوں کو کھانا اور روپیہ بھی دیا جاتا، یہ کُھلی ہوئی بات ہے کہ تہواروں اور اجتماعی تقریبوں میں بہت سی رسمیں بے ارادہ بھی شامل ہو جاتی ہیں جن کی اصلاح کے لئے حکمتِ عملی کی ضرورت ہوتی ہے اور عوام کے رُجحانات کو نرمی سے ہموار کیا جاتا ہے، مگر جس رسم نے اس رات کی رُوحانی عظمت و لطافت پر حد درجہ ناگوار اثر ڈالا ہے وہ بے تحاشا اور بے لگام آتش بازی کی رسم ہے جس پر لاکھوں کروڑوں روپیہ بیدردی سے خرچ کیا جاتا ہے۔ وقت کی پُکار یہ ہے کہ اس سرمایہ کو ملک و قوم کی سماجی اور تعلیمی ضرورتوں اور سوسائٹی کے کمزور اور نادار افراد کی نگہداشت پر خرچ کیا جائے۔

طاعت و عبادت صرف نماز، روزے اور اوراد و تسبیحات ہی کا نام نہیں ہے، صوفیائے کرام کے یہاں عبادت کی یہ قسمیں طاعتِ لازمی میں داخل ہیں جن کا نفع عبادت

Marfat.com

کرنیوالے کی ذات ہی کو پہنچتا ہے۔ عبادت کی ایک اہم قسم طاعتِ متعدّی بھی ہے یعنی وہ عبادت جس کی منفعت اپنے سے زیادہ دوسروں کو پہنچے اور وہ ہے خدا کی مخلوق کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آنا اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کی فکر کرنا۔ طاعت متعدی ہی کا دوسرا نام دردمندیِ خلق ہے جس کا ثواب بے حد و بے شمار ہے۔ عام تقریبوں اور سماجی کردار میں نہایت گہرا تعلق ہے۔ کسی قوم کا تہوار اس کے مزاج اور کردار کا آئینہ ہوتا ہے جس میں اس کی مزاجی خصوصیتوں کو صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ذمّہ داریوں سے متعلق اس کے احساسات کیا ہیں۔

"یہی ہے وہ سبق جو ہم سکون کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اس رات کی برکتوں سے لے سکتے ہیں اور اپنی زندگی کے نشیب و فراز کو ہموار اور خوشنما بنا سکتے ہیں۔"

۶ر نومبر ۱۹۶۱ء

Marfat.com

کچھ اور تقریریں

بعض اداروں، شخصیتوں اور مسائل و معاملات کے متعلق

Marfat.com

(۱) شہیدِ اعظم ۱۹۵

(۲) عشرۂ محرم کی اہمیت ۱۹۹

(۳) شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ ۲۰۲

(۴) مخدوم صابر کلیریؒ ۲۰۸

(۵) درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ۲۱۴

(۶) نقشبندیہ ۲۲۰

(۷) مکاتیب مجدّد الف ثانیؒ ۲۲۷

(۸) مسلم پرسنل لا — وراثت اور جائداد ۲۳۶

(۹) مسلم پرسنل لا ۲۴۲

(۱۰) مذہبی رواداری ۲۴۷

(۱۱) عرب و ہند تعلقات ۲۵۲

(۱۲) ہندوستان اور سیکولرزم ۲۵۷

(۱۳) دارالعلوم دیوبند ۲۶۱

(۱۴) جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۲۶۶

(۱۵) ندوۃ المصنفین دہلی ۲۷۲

Marfat.com

شہیدِ اعظمؓ

آج محرم کی دسویں تاریخ ہے۔ اِس تاریخ میں حضرت امام حسینؓ کے واقعۂ شہادت کی یاد اپنی تمام مظلومیتوں کے ساتھ تازہ ہو جاتی ہے۔ پہاڑوں کو ذرّوں میں تبدیل کرنے والی ان مصیبتوں اور آزمائشوں میں آپ نے اور آپ کے ساتھ خانوادۂ نبوّت نے صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کا جو اعلیٰ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ایوانِ تاریخ آج بھی اس کی ثنا خوانی اور مدح سرائی سے گونج رہا ہے اور ہمیشہ گونجتا رہے گا۔ دنیا کی تاریخ میں یوں تو رنج و غم، حسرت و الم، ظلم و جبر، ابتلاء و آزمائش، صداقت و شجاعت اور آویزشِ حق و باطل کے بے شمار واقعات پیش آئے ہیں اور آتے رہیں گے لیکن میدانِ کرب و بلا کا یہ حادثۂ خوں چکاں مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اِس میں غیرت و حمیّت، عزم و ثبات اور جبر و قہر کے مقابلے میں حق و صداقت کے بے مثال مظاہرے کے علاوہ ایک عجیب طرح کی شانِ محبوبیت و مقبولیت بھی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے حادثے پر آج تک اِتنے آنسو نہیں بہائے گئے جتنے حسین شہیدؓ کی مظلومانہ شہادت پر بہائے گئے ہیں۔ اس المیہ پر آج تیرہ سو تیرہ محرم گذر چکے ہیں اور ہر آنے والا محرم اس کی یاد کچھ اس طرح تازہ کرتا ہے کہ طاقتور اور بے لگام و بے ہنگام ظلم کے مقابلے میں بے سر و سامانِ حق کی غیر متزلزل استقامت کا منظر آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل میں سما جاتا ہے۔ زیادہ غور سے کام لیا جائے تو اس حادثۂ عظمیٰ کا اثر مسلمانوں اور اُن کے کسی خاص فرقہ ہی پر نہیں پورے مزاجِ انسانی پر پڑا ہے اور پڑنا ہی چاہیئے

Marfat.com

تھا۔ ایک ایسے عظیم المرتبت پیشوا کی یاد دلوں میں بسنی ہی چاہیئے تھی، جس نے بغض و عداوت اور باطل و ناحق کوشی کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں محبت اور عشقِ حق کا چراغ روشن کیا اور اس شان سے روشن کیا کہ گمراہی اور ناحق کوشی کی طوفانی ہوائیں بھی اس کو بجھا نہ سکیں۔

امامِ والا مقام کی شخصیت کی عظمت کا تعلق کسی خاص گروہ یا کسی خاص مقام سے نہیں انسانیتِ کبریٰ اور اس کے صاف و شفاف زاویۂ نظر سے ہے۔ ایسا زاویۂ نظر جس میں دنیا کے تمام بے وسیلہ اور مظلوم انسانوں کے لئے ایک حیات بخش اور روح پرور پیغام موجود ہے۔ کیونکہ حسین مظلوم کی داستانِ صبر و ایثار کسی ایک فرد یا خاندان کی داستان نہیں، انسانی کردار کی معصومیت اور سربلندی کی کہانی ہے، انسانی قدروں کے مجد و شرف کی کہانی ہے، آزادئ خیال اور حریتِ فکر کی کہانی ہے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ایک ایسے معیار کی کہانی ہے جس کو پڑھ کر ڈگمگاتے ہوئے قدم سنبھل جاتے ہیں، لرزتے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں میں عزم و ہمت کا ٹھیراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور قوت و اقتدار کی فرعونیت کے مقابلے کی ایسی طاقت و ہمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے جان اور تسلیم جان کا فلسفہ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ سمجھ میں آجاتا ہے۔

آیئے اِن برگزیدہ ساعتوں میں اِس شہیدِ راہِ حق کی سچی یاد سے ایمان تازہ کریں۔ اور اس کی زندگی کے واقعات میں اپنے لئے اسوۂ حسنہ تلاش کریں۔ امامِ عالی مقام ۵ رشعبان ۴ھ مطابق ۵ رجون ۶۲۶ء کو اس دنیا میں ورود فرما ہوئے۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حسین نام رکھا۔ حضورؐ کی وفات کے وقت اُن کی عمر سات سال سات مہینے اور سات دن کی تھی۔ حضورؐ کو ان سے اور ان کے بڑے بھائی امام حسنؓ سے غیر معمولی تعلق تھا۔ ایک دفعہ حضورؐ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے گھر کے قریب سے گزرے تو آپؐ نے حضرت حسینؓ کے رونے کی آواز سنی۔ بیتابانہ گھر میں تشریف لیگئے

Marfat.com

اور صاحبزادی سے فرمایا "کیا تم نہیں جانتیں کہ مجھے اس کے رونے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے؟" مشہور صحابی اُسامہؓ سے روایت ہے کہ میں ایک ضرورت سے رات کے وقت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ کوئی چیز چادر میں چھپائے ہوئے باہر تشریف لائے اپنی بات پوری کر چکا تو میں نے دریافت کیا۔ "یارسول اللہ! اس چادر کے نیچے کیا ہے؟" آپ نے چادر ہٹائی تو اس کے نیچے سے حسن اور حسین نکلے۔ آپؐ نے فرمایا "یہ دونوں میرے لختِ جگر اور میری بچّی کے نورِ نظر ہیں۔ پروردگار! میں ان سے محبّت کرتا ہوں تو بھی ان سے اور ان سے محبّت کرنے والوں سے محبّت فرما۔"

اس طرح کی بہت سی روایتیں ہیں جن سے آنحضرتؐ کی اس والہانہ محبّت کا خوب خوب اندازہ ہوتا ہے جو آپؐ کو اپنے ان جگر گوشوں سے تھی۔ وقت گزرتا گیا اور حضرت امام والاشان مدینہ منوّرہ میں امن وسکون سے قیام پذیر رہے اور مدینہ والوں کو علومِ نبوّت کے فیض سے سیراب کرتے رہے۔ امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید کی بیعت کا مرحلہ سامنے آیا تو مدینۂ طیّبہ میں رہنا دشوار ہو گیا۔ چنانچہ حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر آپ ۲۷ رجب ۶۰ھ مطابق ۳ مئی ۶۸۰ء ہفتہ کے روز مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ امام محمد بن الحنفیہؒ کے علاوہ تمام اہلِ بیت آپ کے ہم رکاب تھے۔ ۳ شعبان ۶۰ھ مطابق ۹ مئی ۶۸۰ء شبِ جمعہ میں آپ مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور شعبان، رمضان، شوال اور ذی قعدہ کے مہینے یہیں گزارے۔ کوفہ کے لوگ حضرت امام والاتبار کی تائید وحمایت کے سب سے بڑے دعویدار تھے اور امیر معاویہؓ کے خلاف بغاوت کے لئے سب سے زیادہ بے چین تھے۔ چنانچہ جیسے ہی انھوں نے امیر معاویہؓ کی رحلت کی خبر سُنی اور اُن کو معلوم ہوا کہ حضرت امام نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے تو انھوں نے فوراً عمائدِ کوفہ کا ایک پوشیدہ اجتماع کیا۔ اس اجتماع میں تمام حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا "ہم حسین کے دشمن سے یقیناً جنگ کریں گے اور اپنی جانوں پر کھیل کر اُن کو کامیاب

Marfat.com

بنائیں گے۔" چنانچہ سب کے اتفاق سے حضرت امام کو ایک مفصّل خط لکھا گیا اور ایک ذمّہ دار وفد کی معرفت خدمتِ مبارک میں بھیجا گیا۔ پھر دو ہی روز کے بعد کوفہ کے بڑے بڑے لوگوں کے ڈیڑھ سو کے قریب خطوط ایک دوسرے وفد کے ذریعہ بھیجے گئے۔ تمام خطوط کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا:" لوگ آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں، وہ آپ کے سوا کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے، جس قدر جلد ممکن ہو تشریف لائیے۔" حضرت امامؓ نے تحقیقِ حالات کے لئے اپنے چچا زاد بھائی جناب مسلم بن عقیلؓ کو بھیجا۔ مسلم کوفہ پہنچے تو چند ہی روز میں کم و بیش تیس ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر حضرت امام کی بیعت کر لی۔ مسلم نے حضرت امام کو صورتِ حال سے باخبر کیا اور عراق تشریف لانے کی استدعا کی۔ بالآخر امامِ برحق نے کوفہ کا ارادہ فرما لیا اور ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ مطابق ۹ ستمبر ۶۸۰ء کو مکہ سے کوچ کیا، محرم کے شروع میں عراق کی سرحد پر پہنچ گئے اور ۲ محرم ۶۱ھ مطابق ۲ اکتوبر ۶۸۰ء اہلِ بیتِ کرام کا یہ پاکباز قافلہ کربلا کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۱۰ محرم کی صبح خون آلود اُفق پر نمودار ہوئی اور حسینؓ مظلوم اور ان کے پاک نہاد جانباز ساتھیوں نے زندگی کے اعلیٰ مقاصد اور مقدس اصول پر خونِ شہادت کی مُہر لگا دی۔

سلام و رحمت جگر گوشۂ خاتونِ جنّت پر، جس کی زندگی بھی ہدایت و صداقت کا نور تھی اور شہادت بھی۔

۲۹ اگست ۱۹۵۵ء

عشرۂ محرّم کی اہمیّت

عاشورا، محرم الحرام کی دسویں تاریخ کی اسلامی روایات میں غیر معمولی اہمیّت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص اور منتخب دنوں میں ایک دن ہے، جس کے ساتھ قدیم مذہبی روایات وابستہ ہیں اور جس کی ساعتوں میں بڑے بڑے واقعات پیش آئے ہیں۔ ایک حدیث میں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم خلیلؑ کی ولادتِ مبارک اسی دن ہوئی، اُن کو نمرود کی آگ سے نجات بھی اسی دن ملی اور ستاروں اور چاند، سورج کی روشنی اور پھر ان کی بے ثباتی کو دیکھ کر پیغمبرِ برحق کے قلبِ منوّر میں خدائے واحد کی یکتائی اور وحدانیت کا جو اذعان و یقین پیدا ہوا تھا وہ اسی مقدس دن کی گھڑیوں میں ہوا تھا حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کی نجات، فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کا بھی یہی دن تھا۔ پیغمبر ایوبؑ کی شفایابی اور عیسیٰ مسیحؑ کا آسمان پر جانا بھی اسی دن کے واقعات ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ عاشورا، کا نام عاشوراء اسی لئے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے دس خاص پیغمبروں کو اپنے مخصوص انعام و اکرام سے نوازا تھا۔ ابوالبشر حضرت آدمؑ کی توبہ، سفینۂ نوحؑ کا کوہِ جودی پر لگنا، حضرت سلیمانؑ کو اُن کی مملکت کی واپسی، یونسؑ پیغمبر کا مچھلی کے پیٹ سے برآمد ہونا، برسوں کی صبر آزما جدائی کے بعد حضرت یوسفؑ کی اپنے پدرِ بزرگوار حضرت یعقوبؑ سے ملاقات — یہ سب واقعات اسی دن رونما ہوئے۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا اور اُن سے دریافت فرمایا کہ اس دن کی کیا اہمیت ہے کہ اس میں روزہ رکھتے ہو۔ یہود نے جواب میں کہا: یہ پُرعظمت دن ہے، اس دن اللہ تعا

نے موسیٰؑ اور ان کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو دریا بُرد کیا تھا۔ پھر اس کے شکرانے کے طور پر موسیٰؑ پیغمبر نے روزہ رکھا تھا۔ ہم اسی لئے اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سُن کر حضورؐ نے فرمایا: ہم تم سے زیادہ موسیٰؑ کے قریب ہیں اور ان کی پیروی کے زیادہ مستحق ہیں۔ پس حضورؐ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ رمضان المبارک کے فرض روزوں کو چھوڑ کر اس دن کے روزے کو سب دنوں کے روزوں سے اشرف و افضل قرار دیا۔ اور برملا اعلان فرمایا کہ مجھے توقع ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ گزرے ہوئے ایک سال کی لغزشوں اور گناہوں کے کفّارے کا ذریعہ اور سبب ہوگا۔ مشہور صحابی حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ کو جتنی طلب و جستجو اور جتنا اہتمام عاشوراء اور رمضان المبارک کے روزوں کا ہوتا تھا کسی دوسرے روزے کا نہیں ہوتا تھا۔

صدقہ خیرات کرنا، حاجت مندوں کو کھانا کھلانا، خاص طور پر اپنے متعلقین اور اہل و عیال کے لئے کھانے میں توسّع کرنا اس دن کے خاص کام ہیں۔ صحابیِ رسول حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ عاشوراء کے دن دسترخوان کی وسعت کا میں نے چالیس سال تک کامیاب تجربہ کیا — اور دیکھا کہ اس دن کے کھانے کی وسعت و فراخی کا اثر پورے سال قائم رہتا ہے۔ جس شخص کا دسترخوان اس دن وسیع رہا سال کے باقی دنوں میں بھی اس کی برکت قائم رہی۔ عجیب بات ہے کہ یومِ عاشوراء کی تاریخی عظمت کا یہ تسلسل اسی طرح قائم رہا۔ یہاں تک کہ اسی تاریخ میں کربلا اور امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا دل ہلا دینے والا واقعہ بھی پیش آیا۔ اس تاریخ میں شہیدِ راہِ حق حضرت امام حسینؓ کے واقعۂ شہادت کی یاد اپنی تمام مظلومیتوں کے ساتھ تازہ ہو جاتی ہے۔ امامِ والا مقام اور آپ کے ساتھ خانوادۂ نبوّت نے ہمّت و شجاعت، صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کا جو اعلیٰ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا، تاریخ کے صفحات پر اس کے نقوش

Marfat.com

آج بھی اسی شان سے اُبھرے ہوئے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں یوں تو ظلم و جبر، ابتلاء و آزمائش، صداقت و شجاعت اور آویزشِ حق و باطل کے بے شمار واقعات پیش آئے ہیں اور آتے رہیں گے، لیکن میدانِ کرب و بلا کا یہ حادثۂ خونچکاں مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ اس میں غیرت و حمیّت، عزم و استقلال اور جبر و قہر کے مقابلہ میں استقامت و جرأتِ حق کے لازوال مظاہرے کے علاوہ ایک عجیب انداز کی شانِ محبوبیت و مقبولیت بھی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے حادثہ پر آج تک اتنے آنسو نہیں بہائے گئے جتنے حسینؓ شہید کی شہادت پر بہائے گئے ہیں۔ آج اس المیہ پر تیرہ سو تیئیس محرم گزر چکے ہیں لیکن ہر آنے والا محرم اس کی یاد کچھ اس طرح تازہ کرتا ہے کہ طاقتور ظلم کے مقابلہ میں بے سر و سامان حق کی استقامت کا منظر آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل میں سما جاتا ہے۔ سلام و رحمت جگر گوشۂ خاتونِ جنت پر جس کی زندگی بھی ہدایت و صداقت کا نور تھی اور شہادت بھی!

۲۲ر اپریل ۱۹۶۶ء

Marfat.com

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تصوف و سلوک کے سلسلۂ چشتیہ کے مرکزی نظام کو جس شخص نے وسیع پیمانہ پر چلا کر اس کو مؤثر اور ہمہ گیر بنایا وہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ والا صفات تھی۔ ۴۳ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے شروع زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت روشن چراغ رحؒ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی قیام گاہ کے قریب ایک درخت کے نیچے حیران و پریشان کھڑے تھے، حضرت سلطان المشائخ بالاخانے سے نیچے اُتر رہے تھے کہ شیخ نصیر الدینؒ پر اُن کی نظر پڑی، خادمِ خاص کے ذریعہ خلوت میں بُلا کر کیفیت دریافت کی، عرض کیا "درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں" یہ جواب سُن کر حضرت سلطان المشائخ نے ان کی جانب خاص توجّہ فرمائی اور ان کی طلبِ صادق کو محسوس فرمایا، اسی کے ساتھ فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا، تمہارا یہ کیا حال ہے۔ اگر اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی تمہیں فارغ البالی میسّر ہو جاتی، میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: نظام الدین! اگر تمہارا کوئی دوست تمہارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے، تو اس کا کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا جو ارشاد ہو، فرمایا یہ شعر جواب میں پڑھ دینا ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گیر و برو　　ترا سعادتے بادا مرا نگوں ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا اور مجھ سے کہا: اس کو سر پر رکھ کر جہاں تمہارا دوست ہے وہاں لے جاؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا "تمہیں یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو"۔ حضرت روشن چراغ نے یہ واقعہ اپنے مرشد سے سنا تو قلب میں عشقِ الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہوگئی اور دل و جان سے شب و روز مرشد کی خدمت کرتے رہے۔ حضرت شیخ نصیر الدینؒ کو اپنے مرشد سے جو والہانہ تعلق تھا اس کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید خواجہ محمد گاذرونی آکر مقیم ہوئے، وہ تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے تو جماعت خانے میں کپڑے رکھ کر وضو کرنے چلے گئے، واپس آئے تو کپڑے غائب تھے، اُن کی تلاش میں شور کرنے لگے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ خانقاہ کے ایک گوشہ میں ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے۔ انھیں خیال ہوا کہ اس شور و غوغا سے مُرشد کی عبادت میں خلل آئے گا، فوراً خواجہ محمد گاذرونیؒ کے پاس پہنچے اور اپنے کپڑے اُتار کر ان کو دیدیے۔ صبح کو جب یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہیؒ کو معلوم ہوا تو حضرت روشن چراغؒ کو بالا خانے پر طلب کر کے اپنی خاص پوشاک مرحمت فرمائی اور اُن کے لئے دعائے خیر و برکت کی۔ کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدۂ ماجدہ کے پاس چلے گئے، لیکن یہاں لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے یادِ الٰہی میں سکونِ خاطر میسر نہ آیا اس لئے امیر خسروؒ کے واسطے سے مرشد سے درخواست کی کہ اُن کو جنگل کی تنہائی میں عبادت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، نصیر سے کہہ دو کہ عام لوگوں میں رہو اور مخلوق کی جفاؤں اور ظلم و زیادتی کو برداشت کرو، اس ایثار کا بدلہ ملے گا۔ چنانچہ آخر دم تک پیر و مرشد کے اس فرمان پر عمل پیرا رہے۔ کوئی جفا اور قفا ایسی نہ تھی جس سے انھیں واسطہ نہ پڑا ہو۔ لیکن اُن کی زبان پر کبھی کوئی حرفِ شکایت نہیں آیا۔

Marfat.com

حضرت چراغ دہلویؒ کو ارشاد و اصلاحِ خلق کا کام انتہائی نامساعد حالات میں کرنا پڑا۔ دہلی اب علاؤالدین خلجی کی دہلی نہ رہی تھی، اب یہ شہر ایک مطلق العنان بادشاہ کے بدلتے ہوئے افکار و تصوّرات کا بازیچہ بنا ہوا تھا۔ ایسے بحرانی دَور میں ایک مرکزی روحانی نظام کو چلانے کیلئے زبردست فکری اور عملی صلاحیتیں درکار تھیں۔ روشن چراغ ایک مضبوط و مستحکم چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور صبر و ہمّت سے کام کرتے رہے۔ بادِ مخالف کے تیز و تند جھونکے بھی اُن کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکے۔ وقت کے اقتدارِ اعلیٰ سلطان محمد تغلق نے انھیں طرح طرح سے پریشان کیا، لیکن انھوں نے اپنے مرشد کے حکم سے سرِ مُو انحراف نہیں کیا اور شب و روز اصلاح و تربیت اور خدمتِ خلق کے کام میں لگے رہے۔

حضرت روشن چراغ دردمندیِ خلق اور مہر و محبّت کی نورانی تصویر تھے، اُن کے کردار و اخلاق کی عظمت کا اندازہ کرنے کیلئے صرف ایک ہی واقعہ کافی ہے۔

"خیر المجالس" جو حضرت کے ملفوظات و فرمودات کا نہایت مستند مجموعہ ہے اس کے تکملہ میں درج ہے کہ ایک روز ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد جماعت خانے سے حجرۂ خاص میں تشریف لے گئے، حضرت کے یہاں کوئی دربان نہیں رہتا تھا، اُن کے خادمِ خاص اُن کے بھانجے شیخ زین الدین علی تھے، وہ بھی کبھی خلوت میں موجود ہوتے تھے کبھی نہ ہوتے تھے، شیخ مشغولی اور مراقبہ کی حالت میں تھے کہ دفعتاً ایک بیباک قلندر جس کا نام تراب تھا، خلوت میں آپہنچا اس کے پاس ایک چاقو تھا، اُس نے شیخ پر چاقو سے وار کرنے شروع کر دیے، شیخ کے جسمِ مبارک پر اُس نے گیارہ وار کئے، حضرت استغراق کی حالت میں تھے مطلقاً بچاؤ نہیں کیا، وہاں ایک نالی تھی جس سے خونِ مبارک باہر نکلنا شروع ہو گیا۔ بعض مُریدوں نے دیکھا تو اندر آئے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بیباک قلندر چاقو کے مسلسل وار کر رہا ہے اور حضرت جُنبش

Marfat.com

تک نہیں کرتے، ارادت مندوں نے چاہا کہ اُس بدبخت کو سخت ایذا پہنچائیں مگر حضرت نے گوارا نہ کیا اور قلندر کو نہ چھوڑا کہ ایسا نہ ہو اس کو کوئی کسی طرح کی تکلیف پہنچائے۔ عبدالمقتدر تھانیسری کو کہ مُریدانِ خاص میں تھے اور شیخ صدرالدین طبیب اور خادم خاص شیخ زین الدین علی کو اپنے پاس بُلایا اور قسم دی کہ کوئی شخص قلندر کو ضرر نہ پہنچائے اس کو خاص انعام دیا اور فرمایا شاید چاقو مارنے میں اس کے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہو سبحان اللہ اہلِ بصیرت کو اُن کے حسنِ سیرت اور اعلیٰ کردار کا اندازہ ہونا چاہیئے کہ زندگی میں تسلیم و رضا کا کتنا اعلیٰ مقام اور درجہ رکھتے تھے۔ اس حادثہ کے تین سال بعد ۱۸ رمضان مبارک ۷۵۷ھ مطابق ۱۳۵۶ء کو حضرت روشن چراغؒ نے وصال فرمایا۔ ان کا وصال درحقیقت چشتیہ سلسلہ کے دَورِ اوّل کا خاتمہ تھا اور اس کی تاریخ کا وہ دور جو خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے شروع ہوا تھا اپنی غیر معمولی خصوصیات کے ساتھ ختم ہو گیا۔

تاریخ کا یہ عجیب واقعہ ہے کہ جس وقت چشتیہ سلسلہ کا دَورِ اوّل ختم ہوا اُسی وقت سلطنتِ دہلی نے بھی دم توڑا۔ اگر ایک طرف روشن چراغؒ دہلی کے وصال کے بعد سلسلۂ چشتیہ کا مرکزی نظام ختم ہو گیا تو دوسری طرف فیروز شاہ کے انتقال ۱۳۸۸ء کے بعد سلطنتِ دہلی کی مرکزی حیثیت بھی فنا ہو گئی، صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں اور دہلی کی امتیازی شان جاتی رہی۔ حضرت روشن چراغؒ کے ملفوظات و ارشادات کے مجموعے "خیر المجالس" کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے اور جو نہایت ہی قابلِ توجّہ ہے کہ اس میں اُس وقت کے حالات کا جائزہ امیروں کے نقطۂ نظر سے نہیں، غریبوں کے زاویۂ نگاہ سے لیا گیا ہے، اِس دَور میں مشترکہ تہذیب کی داغ بیل جس طرح پڑی اور سماج کے جن حلقوں سے اُس کو تقویت پہنچی، اس کی تفصیل بھی ان ملفوظات میں ملتی ہے۔ اُس زمانہ میں ہندوستان میں اگر کوئی جگہ ایسی تھی جہاں سماج

Marfat.com

کے ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگ بے جھجک اور بے روک ٹوک جمع ہوسکتے تھے تو وہ انہی صوفیائے کرام کی خانقاہیں تھیں، اِن بزرگوں نے سماج کے صحت مند عناصر کو اُبھارنے اور اخلاقی قدروں کی فضیلت واہمیّت دل نشین کرنے کے لئے جو جد وجہد کی تھی اُس کی پوری تفصیل فوائد الفوأد اور خیر المجالس وغیرہ ملفوظات میں ملتی ہے۔ احترامِ انسانیت کی تلقین، اخوّت ومساوات کی تعلیم، خدمتِ خلق کے لئے ایک جذبۂ بیتاب، ذخیرہ اندوزی کی مذمّت اور اسی طرح کی دوسری تعلیمات سے ان ملفوظات کے صفحات مزیّن ہیں۔

آخر میں یہ بھی سُنتے جائیے کہ حضرت شاہ نصیر الدین کا لقب "چراغ دہلی" کیوں ہوا؟ تاریخوں میں مذکور ہے کہ رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کی اصلاح وتربیت اور رشد وہدایت کی شہرت دُور دُور پھیل گئی۔ جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام عبد اللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم وتربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک موقع پر شیخِ مکّہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اُٹھ گئے پھر بھی ان کی برکات کا اثر شیخ نصیر الدین محمود میں موجود ہے۔ ان کی ذاتِ بابرکات نہایت مغتنم ہے وہ "چراغ دہلی" ہیں۔ حضرت سید جلال الدین بخاری نے یہ سنا تو ان کو حضرت شاہ نصیر الدین سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ وہ مکہ معظمہ سے آئے اور حضرت کی قدم بوسی کرکے شیخِ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اُس کو بیان کیا۔ اس کے بعد سے حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب... "چراغ دہلی" ہوگیا۔

عام لوگوں میں اس کے متعلق ایک اور روایت بھی مشہور چلی آرہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ نے اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل میں باؤلی کی تعمیر کی نگرانی کا کام سنبھالا تو اس کی تمام ذمّہ داریاں مثلاً معماروں اور مزدوروں کی فراہمی، اُن پر کام

Marfat.com

تقسیم کرنا اور اُن سے کام لینا بھی شامل تھا۔ سلطان محمد تغلق بادشاہ کو چونکہ آپ سے خلش تھی اس نے اہلکاروں کی معرفت خاص حکمتِ عملی سے کام میں رُکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور مختلف تعمیری منصوبوں کے تحت تمام معماروں اور مزدوروں کو شاہی تعمیرات پر کام کرنے کے لئے متعین کردیا۔ اِدھر حضرت شاہ نصیر الدینؒ کے ساتھ عوام کے جوشِ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ تمام کاریگروں نے اپنے اوپر محنتِ شاقّہ برداشت کی اور شیخ سے عرض کیا کہ ہم سب رات میں کام کرکے باؤلی کی تعمیر مکمّل کریں گے۔ چنانچہ رات میں تعمیر کا کام شروع ہوگیا۔ شہنشاہِ وقت کو یہ خبر ہوئی تو اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پڑ گئیں۔ اور دُکانداروں کو اس پر آمادہ کردیا گیا کہ تیل کی فروخت بند کردیں، مزدور اور معمار معمول کے مطابق کام پر آئے لیکن اندھیرے کی وجہ سے کام شروع نہیں کرسکے، اس کی خبر حضرت سلطان نظام الدین کو ہوئی تو آپ نے شیخ نصیر الدینؒ کو کہلا بھیجا کہ چراغوں میں پانی بھر کر جلائیں۔ چراغوں میں پانی بھرا گیا اور حضرت شیخ نصیر الدینؒ کے جلانے پر تمام چراغ روشن ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد سے آپ روشن چراغ مشہور ہوگئے۔

۱۱؍ نومبر ۱۹۶۹ء

Marfat.com

مخدوم صابر کلیری

بانیِ سلسلہ چشتیہ صابریہ مخدوم صابر کلیری کا اسم گرامی علی احمد، لقب علاؤالدین اور شیخ طریقت کا عطا فرمودہ خطاب صابر ہے۔ مخدوم صاحب کے دادا سید فتح اللہ عباسیوں کے مظالم سے پریشان ہو کر ہرات میں آباد ہو گئے تھے۔ آپ کے والد ماجد سید عبداللہ شاہانِ خلجیہ کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ یہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا زمانہ تھا۔ اُس وقت بابا صاحب ہندوستان کے مقبول ترین رُوحانی پیشوا تھے اور پورے ملک میں اُن کی روحانیت کا طوطی بول رہا تھا۔ سید عبداللہ صاحب نے بابا صاحب کی خدمت میں رہ کر کسبِ فیض کیا اور اُن کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق سید عبداللہ صاحب کی شادی حضرت بابا فریدؒ کی ہمشیر سے ہوئی تھی۔ مخدوم علی احمد صابرؒ انہی کے بطن سے ۵۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بابا صاحبؒ کی آغوشِ شفقت میں اعلیٰ درجہ کی ظاہری و باطنی تربیت حاصل کی اور بالآخر خرقۂ خلافت و نیابت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کا سلسلہ اُن کے دو خاص خلفا شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ علی احمد صابرؒ سے چلا۔ حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے فیض سے سلسلہ چشتیہ کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ انھوں نے ملک کے دُور دراز علاقوں میں سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرائیں اور اصلاح و تربیت کا کام وسیع پیمانہ پر انجام دیا۔ خاص دہلی حضرت محبوب الٰہیؒ کی کوششوں اور برکتوں سے ارشاد و تلقین اور روحانیت کا مرکز اور دل بن گئی تھی۔

Marfat.com

ملک کے گوشہ گوشہ سے لوگ پروانوں کی طرح غیاث پور کی خانقاہ میں جمع ہوتے تھے اور عشقِ الٰہی کی گرمی، ایثار نفس اور اللہ کی مخلوق کی بے لوث خدمت کا جذبہ لے کر واپس جاتے تھے۔

دوسرا سلسلہ جو سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے نام سے مشہور ہوا، حضرت شیخ علی احمد صابرؒ سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم علاؤالدین صابرؒ اپنے مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے حکم سے کلیر تشریف لے گئے اور اسی ویرانے سے اُن کا چشمۂ فیض ایک خاص جذب و کیف کے ساتھ جاری ہوا۔ کلیر، رڑکی ضلع سہارنپور سے تین میل کی مسافت پر جانبِ شمال واقع ہے۔ پہلے اس مقام کا نام ہردوار گڑھی تھا، چونکہ مشہور تیرتھ گاہ ہردوار کے منہ پر تھا، ملک بھر کے زائرین اِدھر سے گزرتے تھے، کلیر کو راجہ کرپال سنگھ نے آباد کیا تھا۔ راجہ کرپال سنگھ کی اولاد میں کلیان سنگھ بھی ایک راجہ ہوئے ہیں، اُن کے نام پر اس آبادی کا نام کلیر ہو گیا۔ مختلف وجوہ واسباب کی بنا پر مخدوم کلیری کی خانقاہ کو اُن کی زندگی میں اگرچہ وہ شہرت حاصل نہیں ہوئی جو اُن کے پیر بھائی اور قابلِ احترام ساتھی نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ کے حصّہ میں آئی تھی لیکن سلسلۂ صابریہ اپنی رعنائیوں، جاذبیتوں اور اثرانگیزیوں کے ساتھ ملک کے تمام گوشوں میں پھیل گیا۔ مخدوم صاحبؒ کی عظمت اور ان کی شخصیت کی غیر معمولی خصوصیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اُن کی نسبت اور تعلق سے سلسلۂ چشتیہ، سلسلۂ صابریہ کہلانے لگا اور اب یہ مقدس سلسلہ ہماری روحانی زندگی کے لئے قلب و جگر کی حیثیت رکھتا ہے۔

مخدوم صاحب کی ولادت سے قبل اُن کی والدۂ ماجدہ نے امیر المومنین حضرت علیؓ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔ "تمہارے جو بچّہ پیدا ہو اُس کا نام 'علی' رکھنا"۔ ولادت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ارشاد فرمایا "اِس بچّہ کا نام احمد رکھو"۔ اِس طرح یہ مرکب نام علی احمد مشہور ہو گیا۔ علاؤالدین آپ کا نام آپ کی خدمات ۱۴

کی وجہ سے ہے، یعنی آپ کا صفاتی نام ہے، ذاتی اور اصل نام علی احمد ہی ہے اور صابر آپ کے مُرشد حضرت گنج شکرؒ کا دیا ہوا خطاب ہے۔ عام تذکروں میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بابا صاحبؒ نے آپ کے ذمّہ لنگر خانہ کی خدمت کردی تھی۔ اِس خدمت کو آپ نے نوجوانی کی عمر میں بڑی تندہی اور دیانتداری سے انجام دیا اور لنگر خانہ سے کبھی کھانا نہ کھایا۔ ایک روز بابا صاحبؒ نے آپ کو کمزور دیکھ کر فرمایا "علی! کیا بات ہے، اِتنے دُبلے اور کمزور کیوں ہوتے جا رہے ہو؟"

لنگر خانے کے بعض فقیروں نے عرض کیا "حضور! یہ لنگر خانے سے کچھ نہیں کھاتے۔" یہ سُن کر بابا صاحبؒ نے دریافت فرمایا "لنگر خانہ سے کھانا کیوں نہیں کھاتے؟" حضرت مخدوم صاحبؒ نے اِس کا جو جواب دیا وہ یہ تھا "حضور نے مجھے لوگوں کے کھلانے کیلئے فرمایا تھا، کھانے کے لئے نہیں۔"

مخدوم صاحبؒ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر بابا صاحبؒ نے اُن کو سینہ سے لگالیا اور فرمایا "علی احمد صابر ہے"۔ اس واقعہ کے بعد سے آپ شیخ صابر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا بیان ہے کہ مخدوم صاحبؒ نے سلوک کے ابتدائی ایّام میں بے انتہا ریاضتیں اور مجاہدے کئے تھے۔ مخدوم صاحبؒ کا جلال بھی مشہور تھا۔ ان کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے کسی کو ان کی جانب دیکھنے کی ہمّت نہ ہوتی تھی، ولایت موسوی میں مستغرق رہتے تھے، ان کی دعا میں غیر معمولی تاثیر تھی۔ ان کے بہت سے واقعات مشہور ہیں جن کو ہم یہاں نظر انداز کر رہے ہیں۔

حضرت سلطان نظام الدین اولیا کے چہیتے خادم اور مریدِ خاص امیر خسروؒ بھی کلیر آئے ہیں اور کچھ دنوں مخدوم صاحبؒ کی خدمت میں رہے ہیں۔ مشہور ہے کہ ان دنوں میں مخدوم صاحبؒ گولر کی اُبلی ہوئی گولریوں سے روزہ افطار کیا کرتے تھے۔ امیر خسروؒ

Marfat.com

حاضر ہوئے تو خادم کو حکم دیا گیا۔ گولریوں میں نمک ڈال دو، مہمان کی کچھ تو تواضع ہو جائے۔
ایک روز مخدوم صاحبؒ نے امیر خسروؒ سے دریافت فرمایا: تمہارے شیخ کے کتنے مُرید ہیں ؟۔ عرض کیا جتنے آسمان کے ستارے۔

فرمایا: ہمارا تو ایک شمس ہی ہے۔ اس سے اشارہ خواجہ شمس الدین ترکؒ کی طرف تھا جو مخدوم صاحبؒ کے بعد اُن کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ شیخ شمس الدین ترک مرشدِ کامل کی تلاش میں ترکستان چھوڑ کر ہندوستان آئے تھے۔ ہندوستان میں اس وقت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا رُوحانی سکہ پوری آب و تاب کے ساتھ چل رہا تھا۔ خواجہ ترکؒ پہلے ان ہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، لیکن شیخ گنج شکرؒ کے آخری ایّام تھے۔ اُدھر مخدوم صاحبؒ کے مجاہدات اور کیفیت جذب و استغراق کی بھی دھوم تھی۔ بابا صاحبؒ نے خواجہ ترکؒ سے فرمایا: کلیر جاؤ۔ خواجہ صاحب اسی وقت کلیر روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو مخدوم صاحبؒ کو حالتِ استغراق میں دیکھا۔ خواجہ ترکؒ نے اپنی مخصوص اثر انگیز شیریں آواز میں قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی۔ بہت سا قرآن شریف پڑھ چکے تو دم لینے کے لئے رُک گئے۔ مخدوم صاحبؒ نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور فرمایا "پڑھو"۔

اس کے بعد فرمایا "تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو ؟" عرض کیا "مجھے حضرت بابا صاحبؒ نے پاک پٹن سے بھیجا ہے"۔ بہر حال خواجہ صاحبؒ حضرت صابرؒ کی خدمت میں رہنے لگے اور اُن کے دامنِ عقیدت سے چسپیدہ ہو گئے۔ پھر مرشد کی ہدایت کے مطابق پانی پت میں قیام کیا اور مدّت العمر وہیں ارشاد و تلقین میں مصروف رہے۔ ۷۱۸ھ میں وفات ہوئی۔ خواجہ شمس الدین ترکؒ کے وصال کے بعد اُن کے خلیفہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ جانشین ہوئے، جن کے ذریعے سے سلسلۂ صابریہ کو بہت عروج ہوا، سنہ وفات ۷۶۵ھ ہے۔ مزار پانی پت میں ہے۔

Marfat.com

کبیر الاولیاء کے جانشین شیخ احمد عبد الحق ہوئے۔ تاریخی اعتبار سے چشتیہ صابریہ کا سب سے پہلا بڑا مرکز ردولی ضلع بارہ بنکی میں انہی کی خانقاہ تھی اور یہ خانقاہ رُشد و ہدایت کا صاف اور تیز سرچشمہ بن گئی تھی۔ شمالی ہندوستان کے طالبینِ ہدایت کثرت سے یہیں حاضری دیتے تھے۔ شیخ احمد عبد الحق کا سنہ وفات ۸۳۷ھ ہے۔ شیخ احمد عبد الحق کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ عارف ان کے جانشین ہوئے۔ شیخ عارف مہر و محبّت اور اخلاقِ حسنہ کے پیکر تھے۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے شیخ محمد سجّادہ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ عارفِ کامل شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ اُنہی کے خلیفہ اور جانشین ہیں، جن کی برکت اور جد و جہد سے سلسلۂ صابریہ کو شمالی ہندوستان میں غیر معمولی بلکہ انقلاب انگیز ترقی ہوئی اور اس کے اثرات دُور دُور تک پہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ عبد القدوسؒ سلسلۂ صابریہ کے سالارِ قافلہ ہیں جن کی شہرت و عظمت نے اس سلسلہ کو بامِ عرش پر پہنچا یا۔ شیخ کی ولادت ۸۶۰ھ میں ردولی میں ہوئی اور وصال ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں گنگوہ میں ہوا یہیں مزارِ مبارک ہے۔

مخدوم صابر کلیریؒ کی تاریخ وفات ۱۳ ربیع الاوّل ۶۶۴ھ ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی عمرِ مبارک ۷۲ سال ہوتی ہے۔ بعض تذکروں میں سالِ وفات ۶۹۰ھ ہے۔

آخر میں سائیں توکّل شاہ صاحب انبالوی کی نذرِ عقیدت بھی سُنتے جائیے ؎

اے تاجدارِ چشتیاں مخدوم صابر کلیری — اے پیشوائے عارفاں مخدوم صابر کلیری
اے فخرِ جملہ خواجگاں مخدوم صابر کلیری — اے رہنمائے گمرہاں مخدوم صابر کلیری
در عشق تو دیوانہ ام از ما سوا بیگانہ ام — تو شمع من پروانہ ام مخدوم صابر کلیری
ردیم نما سوئیم ببیں، محبوبِ ربّ العالمیں — مخدوم جملہ کاملیں مخدوم صابر کلیری

عارف باللہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: ؎

بحقِ شاہ عالی آستانہ — فریدالدینؒ یکتائے زمانہ

بحقِ بحرِ ذخارِ محبّت بحقِ مشعلِ نارِ محبّت

بحقِ نورِ چشمانِ اکابر علی احمد علاؤالدین صابر

اب آیئے مشائخِ تصوّف کی تربیت گاہوں اور خانقاہوں کی کچھ خصوصیتیں بھی بیان کرتے چلیں۔ مشائخِ طریقت کی خانقاہیں سماج کے فاسد عناصر کی اصلاح کیلئے بہترین تربیت گاہیں تھیں۔ اس وقت اگر کوئی جگہ ایسی تھی جہاں سماج کے ہر طبقہ اور ہر مذہب و مسلک کے لوگ بے روک ٹوک جمع ہو سکتے تھے تو وہ انہی اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی جھونپڑیاں اور خانقاہیں تھیں، ان روحانی اکابر نے سوسائٹی کے صحت مند عناصر کو اُبھارنے اور اخلاقی قدروں کے شرف و عظمت کو دلنشین کرنے کیلئے جو دلولہ انگیز جد و جہد کی وہ ان کے اقوال اور طریقِ کار سے پوری طرح نمایاں ہے۔ انکی زندگی کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ برادرانِ وطن کے ساتھ روابط و تعلقات شگفتہ رہیں اور یہ اصول کسی سماجی اور سیاسی مصلحت کے تحت نہیں تھا بلکہ اخلاق و انسانیت کے مطالبہ پر مبنی تھا۔ وہ دل و جان سے "الخلق عیال اللہ" کے قائل تھے اور اسکو اپنے ایمان کا جزو خیال کرتے تھے، اُن کی تمنّا تھی کہ عقیدوں اور نظریوں کے اختلافات، اخوّتِ انسانی کے قدرتی رشتے پر اثر انداز نہ ہوں، وہ مہر و محبّت، خلوص و شفقت اور ہمدردی و رواداری سے دلوں کو ایک رشتۂ الفت اور ایک رابطۂ محبّت میں پرونے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ جن کے خلیفہ اور جانشین کے حالات ابھی آپنے سُنے ہیں اور جن کے نام پر آج بھی ہمارے ملک کے مختلف مذہب رکھنے والے لوگ سرِ نیاز جُھکاتے ہیں۔

کسی شخص نے تحفتہً اُن کی خدمت میں قینچی پیش کی تو بیتابانہ فرمانے لگے۔ "مجھے تو سوئی دو۔ میں کاٹتا نہیں جوڑتا ہوں۔"

واقعہ یہ ہے کہ احترامِ انسانیت کی تلقین، اخوّت و مساواتِ انسانی کی تعلیم اور خدا کی مخلوق کی بے تابانہ خدمت کے لئے ایک جذبۂ بے پناہ اُن بزرگوں کی زندگی کا بنیادی مشن تھا۔

۱۹۷۴ء

درگاہ حضرت خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری

یہ تقریر اصلاً صرف درگاہ کی عمارتوں سے متعلق ہے۔ یہی تقریر کا عنوان ہے۔ اس کو اسی نقطۂ نظر سے پڑھنا چاہیئے۔ خواجہ صاحبؒ کے سوانح حیات اور کارناموں کیلئے تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

یہ درگاہ راجستھان کے مشہور تاریخی شہر اجمیر کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ درگاہ کی موجودہ عمارتیں مختلف زمانوں میں بنی ہیں اور بادشاہوں، حکمرانوں، درویشوں اور عوام سب ہی نے ان کی تعمیر میں دل چسپی لی ہے۔ یہ عمارتیں آج بھی خواجۂ اجمیریؒ کی ذاتِ گرامی کی ہر دلعزیزی اور ہمہ گیر رُوحانیت کا زبانِ حال سے اعلان کر رہی ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ راجہ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر میں خانقاہ بنا کر اصلاحِ خلق کا کام شروع کر دیا۔ حضرت خواجہؒ کا اِس ملک میں تشریف لانا روحانی انقلاب کے علاوہ ایک زبردست سماجی انقلاب کا بھی نشان تھا۔ اس انقلاب کا نقشہ سمجھنے کیلئے ہمیں ملک کی اس وقت کی عام سماجی اور معاشی حالت پر ایک ہلکی سی نظر ڈالنی چاہیئے۔ گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی سماجی حالت نہایت ابتر تھی۔ چھوت چھات نے زندگی کے سرچشمے مسموم کر دیے تھے اور اس کی تمام لذّتیں اور نعمتیں صرف اونچی ذات کے لوگوں کے لئے رہ گئی تھیں۔ غریب، محنت کش اور فلاکت زدہ عوام جن مصیبتوں میں گرفتار تھے اُن کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے اُن کو انسان بنایا تھا، لیکن اس کے بندوں نے انھیں جانوروں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ نے چھوت چھات اور اونچ نیچ کے اس بھیانک ماحول

Marfat.com

میں مجلسی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا اور سماج کی معاشرت کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ خواجہؒ گرامی کی زندگی اگرچہ نہایت سادہ تھی، لیکن اس میں عجیب طرح کی جاذبیت اور دل کشی تھی۔ ملک کے انقلابِ عظیم کا یہ بانی ایک معمولی سی جھونپڑی میں پھٹی پُرانی موٹی چادر میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا۔ لیکن اس کی نظر کی تاثیر کی یہ کیفیت تھی کہ جس کی طرف دیکھ لیتا اس کو کیمیا بنا دیتا۔ اور وہ پھر کبھی کسی پاپ کے پاس تک نہ جاتا۔ محمد غوری اور قطب الدین ایبک کی فتوحات کے بعد اجمیر کی سیاسی اہمیّت کا نقشہ تبدیل ہو گیا تھا، لیکن حضرت خواجہؒ نے اس تبدیلی کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ اجمیر ہی میں مقیم رہے اور رُوحانیت کی جو شمع انھوں نے مخالف ہواؤں کے تند و تیز جھونکوں کے درمیان روشن کی تھی اُس کو اسی طرح جلائے رکھا۔ بالآخر ۶ رجب المرجب ۶۲۷ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۲۲۹ء کو دوشنبہ کی شب میں آپ اس عالمِ ناسوتی سے ہمیشہ کیلئے رُخصت ہو گئے۔ وصال کے وقت عمر شریف ۹۷ سال تھی۔ اپنے حجرۂ خاص ہی میں دفن کئے گئے۔ یہی وہ بابرکت مقام ہے جہاں سے کم و بیش چالیس برس تک سرزمینِ ہند کا یہ لعلِ شب چراغ، نور کے جلوے بکھیرتا رہا اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو حق کی روشنی دکھاتا رہا۔ ایک زمانے تک یہ حجرہ اپنی اصلی حالت پر رہا۔ غیاث الدین خلجی کے دَور میں خواجہ حسین نامی ایک بزرگ، جو حضرت کے شہرۂ آفاق خلیفہ خواجہ شیخ حمید الدین ناگوریؒ کی اولاد میں ہیں، انھوں نے مرقدِ مبارک کا موجودہ گنبد تعمیر کرایا جس کا بیان بعض تاریخوں میں یوں ہے کہ سلطان غیاث الدین نے خواجہ حسین کی خدمت میں ازراہِ عقیدت کچھ نذرانہ پیش کرنا چاہا۔ آپ نے اس کے قبول کرنے میں پس و پیش کی مگر آپ کے صاحبزادے کے دل میں اس کو قبول کر لینے کا خیال آیا۔ اس پر آپ نے فرمایا "لیتے ہو تو اس سے حضرت خواجہ بزرگ کے مزارِ مبارک پر گنبد تعمیر کراؤ" چنانچہ بادشاہ کی طرف سے پیش کئے ہوئے نذرانے سے مزار

Marfat.com

کا موجودہ گنبد تعمیر ہوا[۱]۔ گنبد کے اندر کے حصّہ کی ریخ بندی چونے کی ہے اور اوپر کا حصّہ اینٹوں سے بنایا گیا ہے۔ لداؤ کی ڈاٹ پر چونے کا صندلہ ہے جس پر گھٹائی کا کام ہے۔ گنبد پر طلائی کلس ہے۔ یہ کلس نواب کلب علی خاں والیِ رامپور کے بھائی نواب حیدر علی خاں نے نذر کیا تھا۔ گنبد کے چاروں جانب کی دیواروں پر سنہری کلسیاں ہیں۔ اندرونی حصّہ میں لاجوردی کا کام ہے۔ یہ کام نواب مشتاق علی خاں والیِ رامپور نے کرایا تھا۔ چھت میں زرّیں چھت گیری ہے جس کی طلائی زنجیروں میں سُنہری گولے لٹک رہے ہیں۔ چھت گیری میں سونے کے پانی سے مختلف کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ مزار کے تعویذ میں یاقوتِ رُمّانی جڑا ہوا ہے۔ خاص مزار کے حصّہ پر زر دوزی کے شامیانے بندھے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک نواب کلب علی خاں کی طرف سے اور ایک نواب ابراہیم علی خاں والیِ ٹونک کی جانب سے نذر کیا ہوا ہے۔ مغربی جانب میں محراب کے اندر پُرانے زمانہ کا خوش خط قرآن مجید چاندی کے صندوق میں رکھا ہوا ہے۔ مزار کی عمارت کے قریب ہی مسجد صندل خانہ ہے۔ یہ مسجد سلطان محمود خلجی نے تعمیر کرائی تھی۔ پھر سلطان نورالدین جہانگیر نے اس کے پہلے تین دروں میں چار دروں کا اضافہ کر کے اس کو نئے سرے سے بنوایا۔ جہانگیر کے بعد سلطان محی الدین اورنگ زیب نے اس کی مرمّت کرائی۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسجد کی نسبت ان تینوں بادشاہوں کی طرف کی جاتی ہے اور چونکہ یہاں مزار کے لئے صندل بھی گھسا جاتا ہے اور مزار سے اُترے ہوئے پھول بھی یہیں رکھے جاتے ہیں اس لئے اس کو صندلی مسجد اور مسجد پھول خانہ بھی کہتے ہیں۔

درگاہ کی خاص عمارتوں میں شاہجہانی مسجد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ درگاہ کی تمام عمارتوں میں حسین اور خوبصورت ہے۔ اس کو سلطان شہاب الدین

---

[۱] گنبد کی تعمیر سے متعلق بعض دیگر روایات بھی ہیں جن کی تفصیل تاریخ کی مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔

Marfat.com

شاہجہاں نے دولاکھ چالیس ہزار روپے کی لاگت سے ۱۰۴۷ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی تعمیر چودہ سال میں مکمّل ہوئی۔ ملک الشعراء ابوطالب کلیم نے اس مصرع سے تعمیر کی تاریخ نکالی ہے

ع:۔ کعبۂ حاجاتِ دنیا مسجدِ شاہ جہاں

پوری مسجد نہایت نفیس سنگِ مرمر سے بنائی گئی ہے۔ درگاہ کے احاطہ میں سلطان جلال الدین محمد اکبر نے بھی ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ اکبر بادشاہ نے ۹۷۷ھ میں اپنے بیٹے جہانگیر کی ولادت کے بعد یہاں حاضری دی تو اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ مسجد کی پوری عمارت سنگِ سُرخ سے بنائی گئی ہے۔

درگاہ کی عمارتوں میں تین دروازے خاص طور پر دیکھنے کے لائق ہیں :۔

۱۔ سلطان محمود خلجی کا تعمیر کرایا ہوا بلند دروازہ۔ اس دروازہ کی بلندی ۸۵ فٹ ہے اور اس کے فرش میں سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ بڑے سلیقہ سے گوندھا گیا ہے۔ محراب میں تین طلائی گولے لٹکے ہوئے ہیں۔ بُرجیوں پر لمبے لمبے سُنہری کلس ہیں۔ دروازے پر چڑھنے کے لئے دونوں طرف زینے ہیں۔ یہ دروازہ درگاہ کی تمام اندرونی عمارتوں سے اونچا ہے اس لئے اس کو بلند دروازہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ مسجد شاہجہانی کی تعمیر کے ساتھ شاہجہاں نے بھی ایک دروازہ بنوایا تھا۔ دروازے کی محراب پر سُنہری حرفوں میں کلمۂ طیّبہ لکھا ہوا ہے۔ دروازے کا فرش سنگِ مرمر کا ہے۔ اِس پر نقّارے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کو نقار خانہ بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ درگاہ بازار کی سڑک کے کنارے شمال کی جانب آسمان سے آنکھیں لڑانے والا ایک عظیم الشان دروازہ ہے۔ یہ عثمانی دروازے کے نام سے مشہور ہے۔ بڑے بڑے حکّام اور زائرین عام طور پر اسی دروازے سے درگاہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ۱۳۳۰ھ میں میر عثمان علی خاں نظام حیدر آباد یہاں آئے تو انھوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ اس کی تعمیر کا سلسلہ تقریباً تین سال تک قائم رہا۔ اِن دنوں نوبت اور گھڑیال بجنے کا بندوبست اِسی

Marfat.com

دروازے پر ہے۔

درگاہ خواجہ اجمیر کے ذکر کے موقع پر اُن تاریخی دیگوں کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا جو اپنی خصوصیتوں اور دلچسپیوں کے لحاظ سے بے مثال سمجھی جاتی ہیں۔ دنیا کی کسی خانقاہ اور درگاہ میں اِن دیگوں کی مثال نہیں ملتی۔ بڑی دیگ جس میں تقریباً ساٹھ من پختہ چاول پکتے ہیں ۹۷۴ھ میں اکبر بادشاہ نے نذر کی تھی۔

چھوٹی دیگ اکبر کے لڑکے نورالدین جہانگیر نے آگرے میں تیار کرائی تھی۔ پھر یہاں حاضر ہوکر اس میں کھانا پکوایا اور پانچ ہزار فقیروں مسکینوں کو اپنے سامنے کھلوایا۔ اِس دیگ میں بھی تیس من کے قریب کھانا پک سکتا ہے بلکہ مشہور تو یہی ہے کہ یہ پچاس من کھانے کی ہے۔

صدیوں سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ ذی حیثیت اور صاحبِ ثروت عقیدت کیش، عقیدت وارادت کے خاص جذبات کے ساتھ یہاں حاضری دیتے ہیں اور بڑی یا چھوٹی دیگ کی منّت پوری کرتے ہیں۔ اِن عجیب و غریب دیگوں میں جو کھانا تیار ہوتا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ چاول، شکر، گھی اور بعض دوسری چیزیں ملا دینے سے اِس کھانے میں جو ذائقہ پیدا ہوتا ہے وہ چکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ دیگوں کے اِس تبرّک پر خادموں کے ایک خاص گروہ کا حق ہے، اس کے علاوہ کسی کو اُس میں دخل دینے کا اختیار نہیں۔ خادموں کا یہ گروہ چمڑے کا خاص لباس پہن کر جب دیگوں میں کودتا اور کھانا نکالتا ہے تو یہ منظر دیکھنے کے لائق ہوتا ہے۔

درگاہ کے احاطے میں ان عمارتوں اور یادگاروں کے علاوہ اور بھی بہت سی عمارتیں اور یادگاریں ہیں جیسے چلّہ بابا فریدالدین گنج شکرؒ، جنّتی دروازہ، جھالرہ، شاہی گھاٹ، محفل خانہ، لنگر خانہ، تاریخی چھتری، احاطہ چنبیلی، صحن چراغ اور احاطہ نور وغیرہ۔

اِس درگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زیارت کے لئے بلاامتیاز

Marfat.com

ملّت اور بلا تفریق مذہب ہر فرقے کے لوگ آتے ہیں، روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔ درگاہ میں ہر وقت زائروں کی ایک بڑی تعداد موجود رہتی ہے جس میں ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں کے عقیدت مند بھی ہوتے ہیں۔

مسلمان بادشاہوں نوابوں اور رئیسوں کے علاوہ ہندو راجوں مہاراجوں نے بھی آستانۂ خواجہ پر ہمیشہ انتہائی ارادت و عقیدت سے حاضری دی ہے۔ ۱۹۱۲ء میں مہاراج گوبند سنگھ والیٔ ریاست دتیا نے عطر میں بسی ہوئی پھولوں کی چادر اپنے سر پر رکھ کر پیش کی اور اپنی بحالی کیلئے دُعا کی چنانچہ موصوف کچھ ہی دنوں بعد بحال ہو گئے۔ ملک کی آزادی کے سب سے بڑے رہنما گاندھی جی ۱۹۲۰ء میں یہاں حاضر ہوئے اور ازراہِ عقیدت مزار پر پھولوں کی چادر چڑھائی۔ ۱۹۱۴ء میں حیدر آباد دکن کے مشہور صاحبِ خیر مہاراجہ سرکشن پرشاد مع متعلقین حاضرِ آستانہ ہوئے۔ مورچھل جھلنے کی خدمت انجام دی اور یہ رباعی کہی ؎

مورچھل جھلنے کی خدمت مل گئی شاؔد کو دنیا کی عزّت مل گئی
بارگاہِ خواجۂ اجمیرؒ سے لو کلیدِ گنجِ قسمت مل گئی

ہمارے سابق وزیر اعظم جواہر لال نہرو بھی دو مرتبہ یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ پہلی مرتبہ ۱۹۴۵ء میں اور دوسری مرتبہ بہ زمانۂ فسادات ۱۹۴۷ء میں بربریت اور وحشت کے اُن دنوں میں آپ نے درگاہ کی حفاظت کا انتظام بھی فرمایا۔ ۱۹۴۹ء میں سابق گورنر جنرل ہندوستان راج گوپال آچاریہ اور ۱۹۵۱ء میں ہمارے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد بھی یہاں وارد ہوئے اور آستانۂ خواجہ اجمیرؒ سے کمالِ عقیدت کا اظہار فرمایا۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس نہایت اہتمام اور شاندار طریقہ پر منایا جاتا ہے۔ یہ عرس رجب کے پہلے ہفتہ میں ہوتا ہے۔ اس میں شرکت کے لئے ہزاروں ارادت مند دُور دُور سے آتے ہیں اور عُرس کی رسُوم بجالاتے ہیں۔ کبھی تو یہ اجتماع کئی کئی لاکھ تک پہنچ جایا کرتا تھا۔ اب جیسے جیسے حالات سُدھر رہے ہیں اس اجتماع کی رونق بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ گزشتہ سال ساٹھ ستّر ہزار آدمیوں سے کم اجتماع نہیں تھا۔

۱۱ دسمبر ۱۹۵۴ء

نقشبندیہ

سلوک وتصوف کے سلاسلِ طیّبہ بہت سے ہیں جن کے ذریعہ سے بزرگانِ دین نے سماج کے رُوحانی اور اخلاقی نکھار کی مؤثّر اور بھرپور کوشش کی۔ اِن میں چار سلسلے خاص طور پر زیادہ مشہور ومقبول ہیں۔ (۱) سلسلۂ خواجگان جس کا دوسرا نام سلسلۂ نقشبندیہ اور پھر نقشبندیہ مجدّدیہ ہو گیا (۲) سلسلۂ قادریہ (۳) سلسلۂ چشتیہ (۴) سلسلۂ سہروردیہ۔ سلسلۂ قادریہ کے سربراہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحؒ ہیں۔ حضرت شیخ رحؒ نے اپنی زندگی ہی میں اصلاح وتربیتِ خلق کا نہایت اعلیٰ نظام قائم کر دیا تھا اور اپنے خلفاء کو دُور دُور تک ارشاد وتبلیغ کے لئے بھیج دیا تھا۔ ان کے وصال کے بعد اسلامی ممالک کے دور دراز گوشوں میں اس سلسلہ کی شاخیں وسیع پیمانہ پر قائم ہو گئیں، ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کو شاہ نعمت اللہ قادریؒ نے قائم کیا۔ سید محمد غوث گیلانی رحؒ، شیخ عبدالقادر ثانی رحؒ، سید موسیٰ رحؒ اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحؒ نے سلاطینِ مغلیہ کے عہد میں اس کو زیادہ وسعت دی۔ سلسلہ کے بانی چونکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس لئے اس کو قادریہ کہا جاتا ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد شیخ ابواسحاق شامی رحؒ نے قائم کی تھی لیکن اس کو پھیلانے اور غیر معمولی وسعت دینے کا کام حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا۔ چشت خراسان میں ہرات کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ خواجہ ابواسحاق رحؒ کے شیخ خواجہ دینوری رحؒ نے ان کو ارشاد وتذکیر کے لئے چشت روانہ کر دیا جہاں ان کی پُرخلوص جدوجہد سے اس عظیم الشان سلسلہ کی بنیاد پڑی اور چشت بہت جلد ایک رُوحانی نظام کا مرکز بن گیا۔ اس شہر کی نسبت سے اس سلسلہ کو سلسلۂ چشتیہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ حضرت

Marfat.com

خواجہ معین الدین چشتیؒ سے قبل متعدد چشتی اکابر ہندوستان آچکے تھے لیکن اِس سلسلہ کو ملک میں جاری کرنے، پھیلانے، اس کی جڑوں کو مضبوط کرنے بلکہ اس میں انقلابی رنگ بھرنے کا شرف حضرت خواجہ صاحبؒ ہی کو حاصل ہوا۔ حضرت خواجہ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مرکز بنا کر اصلاح و تربیت کا کام شروع کردیا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کا اس ملک میں تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔ اس انقلاب کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے کے لئے اس وقت کے سماجی حالات کو سامنے رکھنا چاہیئے۔

سلسلۂ سہروردیہ کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہیں۔ انھوں نے اس سلسلہ کی ترویج بڑی حکمت سے کی تھی اور اپنی مشہور کتاب "عوارف المعارف" میں خانقاہی نظام کی مکمل تفصیل درج کردی تھی۔ ہندوستان میں بھی انھوں نے اپنے بہت سے مُرید بھیجے تھے لیکن جس ذاتِ گرامی کو ہمارے ملک میں اس سلسلہ کو باقاعدہ وسعت دینے کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ ہیں۔ انھوں نے ملتان، اوچہ اور دیگر متعدد مقامات پر سلسلۂ سہروردیہ کی خانقاہیں قائم کیں اور سلسلہ کی مؤثر تنظیم کی اور اصلاحِ خلق کی خدمت وسیع پیمانہ پر انجام دی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کی نسبت سے اس سلسلہ کو سہروردیہ کہا جاتا ہے۔

سلسلۂ خواجگان کی بنیاد سب سے پہلے ترکستان میں پڑی۔ اس سلسلہ کے پہلے مشہور بزرگ خواجہ محمد آتا یسویؒ (وفات ۱۱۶۶ء ۵۶۲ھ) ہیں۔ ان کے بعد سلسلہ کا باضابطہ روحانی نظام قائم کرنیوالے خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (وفات ۱۱۷۹ء ۵۷۵ھ) ہیں۔ ان دونوں بزرگوں نے سلسلۂ خواجگان کو فروغ دینے کی مُسلسل جدوجہد کی لیکن تقریباً دوسو سال کے بعد اس کو وسعت دینے اور مقبولِ عام بنانے

Marfat.com

کا شرف خواجہ بہاؤ الدین نقشبند (وفات ۱۳۸۸ء) کیلئے مقدر ہو چکا تھا آپ نے سلسلے کے پورے نظام کے در و بست کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور اس میں نئی جان ڈال دی۔ آپکے دور میں سلسلۂ خواجگان کا نام سلسلۂ نقشبندیہ ہو گیا حضرت خواجہ سید محمد بہاؤ الدین کمخواب بُنا کرتے تھے اور اُس پر نقش بناتے تھے، اس نسبت سے نقشبند کے لقب سے مشہور ہوئے اور آپ کا سلسلہ نقشبندی سلسلہ کہلایا۔ سلاسلِ سلوک و تصوف میں سلسلۂ خواجگان سب سے زیادہ قدیم سلسلہ ہے لیکن ہندوستان میں یہ تمام سلسلوں کے بعد پہنچا، اس کو ہمارے ملک میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ (وفات ۱۰۱۲ھ ۱۶۰۳ء) لائے۔ آپکے تشریف لانے سے قبل ہندوستان میں اس سلسلہ کی ترویج برائے نام تھی۔ خواجہ صاحبؒ خود فرمایا کرتے تھے "ایں تخمِ پاک را از سمرقند و بخارا آوردیم و در زمین برکت آگین ہند کِشتیم" (یہ بیج ہم سمرقند و بخارا سے لائے اور ہند کی بابرکت سرزمین میں اس کی کاشت اور آبیاری کی"

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی ولادت ۹۷۲ھ میں کابل میں ہوئی۔ خواجہ صاحبؒ کے والد ماجد قاضی عبد السلام علم و فضل میں ممتاز اور فقہ و حدیث میں کمال رکھتے تھے، انھوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی اور اُس وقت کے مشہور فاضل ملّا صادق حلوائی کے سُپرد کر دیا۔ خواجہ صاحبؒ نے مُلّا صاحب سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ ایک دفعہ دورانِ درس میں ایک مجذوب نے خواجہ صاحبؒ سے مخاطب ہو کر کہا ؎

در کنز و ہدایہ نتواں دید خدا را　　آئینۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اس شعر کا سننا تھا کہ خواجہ صاحبؒ کے دل کی دنیا پلٹ گئی، علومِ ظاہری سے اُچاٹ ہو گئے اور مُرشدِ کامل کی تلاش میں نِکل کھڑے ہوئے۔ پہلے اپنے اُستاد مولانا صادق حلوائی کے ہمراہ کابل سے ماوراء النہر تشریف لے گئے۔ ماوراء النہر میں بہت سے مشائخ طریقت سے کسبِ فیض کیا اور بالآخر ایک روحانی اشارے پر ہندوستان کا رُخ کر دیا۔ ایک

Marfat.com

سال تک لاہور میں قیام کیا اور پھر دہلی آگئے اور یہیں سے نقشبندیہ سلسلہ کے فیض کو خواص وعوام تک پہنچایا اور حق یہ ہے کہ آپ ہی کے نَفَسِ گرم سے یہ سلسلۂ عالیہ بامِ عروج پر پہنچا۔ خافی خاں نے کہا ہے "حضرت خواجہ باقی باللہ دراں عہد از مقتدائے زماں بودہ، صفاتِ ذاتی وکسبی وخوارقِ ایشان زیادہ ازان است کہ بزبانِ قلم دادہ شود" خواجہ صاحبؒ کی نظر سوسائٹی کے اُن تمام گوشوں تک پہنچ گئی تھی جن میں اصلاح وتربیت کی ضرورت تھی۔ صوفیاء، علماء، طلباء، تاجر، لشکر کے سپاہی اور اُمراء سب کو حکمت اور موقع ومصلحت کے مطابق ہدایتیں دیں اور ارشاد وتلقین کا ایسا انداز اختیار کیا کہ جس نے اُن کی بات سُنی گناہوں سے اُکتا گیا۔ شیخ عبدالحق جیسے علامۂ وقت اور زبردست محدّث فرماتے ہیں "میں جب حجاز سے ہندوستان واپس آیا تو نسبتِ نقشبندیہ کے داعی اور مُرشدِ عارفِ کامل خواجہ محمد باقیؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور اُن کی خدمت میں رہ کر ایک زمانے تک طریقۂ خواجگان کی مشق کی اور ذکر، مراقبہ، رابطہ، حضور اور یادداشت کی تعلیم مکمّل کی" خواجہ صاحبؒ چند سال تک بہ نفسِ نفیس مسندِ ارشاد وتلقین پر جلوہ افروز رہے پھر اپنے سب سے بڑے خلیفہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانیؒ کو اپنا حلقہ سپرد کر دیا اور خود گوشہ گیر ہو گئے۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ تواضع وانکسار کا پیکر تھے، معمولی درجہ کے آدمی کو بھی اپنے سے بہتر جانتے تھے لیکن روحانی فیض اور اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ بقول حضرت مجدّدؒ "آغازِ تربیت ہی میں قلب سے ذکرِ الٰہی کا جاری ہونا اور مکمل جذبہ وکیف کی حالت پیدا ہو جانا حضرت کی خصوصیات وتصرّفات میں سے ہے" ضرورت مندوں کی حاجت روائی آپ کا شیوۂ خاص تھا، حاجت مندوں کی سفارش کے علاوہ کوئی اور دنیوی گفتگو مجلسِ مبارک میں نہیں ہو سکتی تھی، ریا ونمود کا ادنیٰ شائبہ بھی طبعِ عالی پر گراں گزرتا تھا۔ صرف چالیس سال کی عمر میں ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ کو وصال ہو گیا۔ مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہ ہے۔

Marfat.com

خواجہ صاحبؒ کے بعد حضرت سید ابو العلاؒ نے آگرہ میں قیام فرما کر اس سلسلہ کی خدمت کی اور وہیں ۱۰۶۱ھ میں وفات پا گئے۔

جس ذاتِ والاصفات کے فیض سے یہ سلسلہ بامِ عرش پر پہنچا وہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت ہے۔ مجدد صاحبؒ نے اصطلاحاتِ تصوّف کی دلپذیر تشریح کی۔ اِن انقلاب انگیز اصلاحات نے سلسلہ کے ایک ایک خدوخال کو سنوارا۔ اس کی پیچیدگیوں کو سلجھایا اور اپنے مکتوبات اور دیگر گراں قدر تصنیفات کے ذریعہ اُن تمام غلط فہمیوں کو دُور کیا جو سلوک و تصوّف کی دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ کے انفاسِ قدسیہ کی برکت سے افغانستان، ترکستان اور سمرقند و بخارا کی طرح یہ سلسلہ ہندوستان کی بھی روحانی زندگی کا ایک تابناک حصّہ بن گیا۔

مجدد صاحبؒ ۱۴ شوال المکرم ۹۷۱ھ مطابق ۵ جون ۱۵۶۴ء کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد کا نام مخدوم خواجہ عبدالاحد ہے۔ خواجہ عبدالاحد اپنے وقت کے جیّد عالم اور پاکباز صوفی تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی۔ مخدوم عبدالاحدؒ کے سات صاحبزادوں میں مجدد صاحب چوتھے صاحبزادے ہیں۔ مجدد صاحبؒ کی پیشانی پر ہوش مندی اور ذکاوت و نجابت کے آثار شروع ہی سے چمک رہے تھے۔ ۹ سال کی عمر میں قرآنِ پاک حفظ کیا اور ۱۷ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون سے فراغت حاصل کر لی۔ مجدد صاحب کا دَور اکبر اور جہانگیر کی شوکت و سطوت کا دَور تھا۔ مغل سلاطین کے اِس دَور میں آپ نے حق و صداقت کی شان قائم رکھنے کے لئے بڑے بڑے مصائب برداشت کئے یہاں تک کہ دو سال تک قلعۂ گوالیار میں قید بھی رہے۔ آخر کار وقت کے اقتدار کو آپ کی عزیمت کے سامنے جھکنا پڑا اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے آپ نے جو راہ اختیار کی تھی زندگی کے آخری لمحات تک اُس پر مضبوطی سے جمے رہے۔ مجدد صاحب کی زبردست اصلاحی کوششوں سے ہندوستان

Marfat.com

ہی نہیں تمام اسلامی ملک متاثر ہوئے۔ سلسلۂ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ سلسلہ کے نام سے عراق، شام اور خاص طور سے ترکی میں بہت مقبول ہے، نیز آپ کے مکاتیبِ طیبہ براہِ راست اُن علاقوں میں کثرت سے پڑھے گئے جہاں کے باشندے فارسی زبان جانتے ہیں اور جو خطّے فارسی سے ناواقف ہیں اُن کے بہت سے حصّوں میں مکتوبات کا عربی ترجمہ پہنچا۔ طریقت و شریعت کا یہ آفتاب جس نے سرہند کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر ہزاروں دلوں کو مسخّر کیا تھا ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو آنکھوں سے چھُپ گیا۔ روضۂ مبارک سرہند شریف میں ہی ہے جس کی زیارت کیلئے ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں افغانستان وغیرہ سے بھی بکثرت زائرین آتے ہیں اور فیضِ روحانی حاصل کرتے ہیں۔ مجدّد صاحبؒ کے بعد سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ کو پھیلانے والے اُن کے بہت سے خلفاء ہیں جنھوں نے مختلف علاقوں میں رہ کر سلسلہ کی خدمت کی۔ خاص طور پر آپ کے تیسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ (ولادت ۱۰۰۷ھ وفات ۱۰۷۹ھ) خواجہ صاحب اپنے والدِ بزرگوار کے علوم اور اسرار و معارف کے سب سے بڑے امین تھے۔ آپ کے دم قدم سے یہ سلسلہ اسی شان سے قائم رہا۔ خواجہ محمد معصومؒ کے خلیفہ ان کے صاحبزادے شیخ سیف الدین ہوئے۔ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر اور ان کے دو لڑکے محمد اعظم اور محمد معظم شیخ سے بیعت تھے۔ شیخ سیف الدین کے بعد سلسلہ کی ترتیب یہ ہے کہ اُن کے خلیفہ سید نور محمد بدایونیؒ ہوئے اور ان کے خلیفہ مرزا مظہر جانِ جاناںؒ، مرزا صاحبؒ کا شمار اپنے وقت کے کاملین میں ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جیسے امامِ وقت نے ان کو قیّمِ طریقۂ احمدیہ کہا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ جن بزرگوں نے ہندوستان میں اسلامی سماج کی کشتی کو خوفناک طوفان کے تھپیڑوں سے بچایا اور زبردست قربانی دے کر اخلاقی قدروں کی حفاظت کی اُن میں مرزا صاحبؒ کا نام سرِفہرست ہے۔ مرزا صاحبؒ کے خلیفہ شاہ غلام علی صاحبؒ

Marfat.com

اور شاہ غلام علی صاحبؒ کے خلیفہ شاہ ابو سعید صاحبؒ ہوئے، شاہ ابو سعید صاحبؒ کے خلیفہ ان کے صاحبزادے شاہ عبد الغنیؒ ہیں۔ حضرت شاہ عبد الغنی صاحبؒ مدینہ منورہ جنّت البقیع میں مدفون ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ حضرت شاہ غلام علیؒ اور حضرت شاہ ابو سعیدؒ کے مزارات دہلی میں ہیں۔ خانقاہ مرزا مظہر جانِ جاناں جو اب خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیر کے نام سے مشہور ہے، شہر کی مشہور و معروف خانقاہ ہے۔

آخر میں سلسلۂ نقشبندیہ کی کچھ خصوصیات بھی سُنتے جائیے، تمام سلاسلِ تصوّف حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتے ہیں اور یہ سلسلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حضرت نقشبندؒ فرماتے ہیں "طریقۂ ما صحبت است"۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (خلیفہ حضرت یعقوب چرخیؒ خلیفہ حضرت نقشبندؒ) فرماتے ہیں "ارشادِ الٰہی .... یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے بموجب صادقین کی صحبت و معیّت میں رہنا رفاقتِ ظاہری ہے اور ان کے خیال اور تصوّر میں رہنا رفاقتِ باطنی ہے"۔ حضرت نقشبندؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا: آپ کے طریقہ کی بنیاد کس چیز پر ہے۔ فرمایا! خلوت در انجمن یعنی صحبت پر۔ ذکرِ الٰہی اِس طرح چھا جائے کہ ہر آواز اور ہر صدا میں ذاکر کو ذکر ہی محسوس ہو، طریقۂ نقشبندیہ میں حرارتِ قلب سماع سے مستغنی کر دیتی ہے۔ مراقبہ اور ذکرِ خفی اس سلسلہ کی جان ہیں۔

۱۵ راکتوبر ۱۹۷۳ء

Marfat.com

مکتوباتِ مجدّد الف ثانیؒ

حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ مطابق ۵ جون ۱۵۶۴ء کو ہوئی اور وفات ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۶۲۴ء میں۔ آپ کا پورا نام ابوالبرکات احمد بدرالدین ہے اور لقب امامِ ربّانی مجدّد الف ثانی ہے۔ مجدّد صاحبؒ کے چھٹے دادا امام رفیع الدینؒ فیروز شاہ تغلق کے دَور میں سرہند آکر آباد ہوئے۔ امام رفیع الدینؒ اپنے وقت کے صاحبِ علم وفضل بزرگ تھے اور اُن کی اولاد بھی صلاح وتقویٰ اور علم کے زیور سے آراستہ رہی۔ حضرت مجدّد صاحبؒ کے والد بزرگوار کا نام مخدوم عبدالاحد ہے۔ مخدوم خواجہ عبدالاحد جیّد عالم اور باکباز صوفی تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت شیخ گنگوہیؒ کے صاحبزادے شیخ رکن الدینؒ سے حاصل کی۔ مخدوم عبدالاحدؒ کے سات صاحبزادوں میں مجدّد صاحبؒ چوتھے صاحبزادے ہیں۔ مجدّد صاحبؒ کی پیشانی پر بچپن ہی سے ہوش مندی اور ذکاوت ونجابت کے آثار نمایاں تھے۔ بچپن میں ایک دفعہ سخت بیمار ہوگئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے اس وقت کے بزرگ شاہ کمال قادری کیتھلیؒ سے دعائے صحت کی درخواست کی۔ شاہ صاحبؒ نے دعا کی اور فرمایا پریشان نہ ہو، یہ بچہ بڑا ہوگا اور اللہ تعالےٰ اِس سے بڑے بڑے کام لے گا۔ نو سال کی عمر میں قرآنِ پاک حفظ کرلیا اور پھر اپنے والد ماجد خواجہ عبدالاحدؒ اور دوسرے علماء سے محنت، لگن اور مکمل انہماک سے مروّجہ کتابیں پڑھیں، سترہ ۱۷ سال کی عمر میں تمام کتبِ درسی سے فراغت حاصل کرلی اور والد سے تجدیدِ بیعت

کی۔ مجدّد صاحبؒ کی جو کیفیت علومِ ظاہری کی تحصیل کے وقت تھی وہی کیفیت مراحلِ سلوک طے کرنے کے وقت رہی۔ چنانچہ مدارجِ تصوّف سے جلد جلد گزرتے چلے گئے اور ان منازل کی تکمیل کے بعد والد صاحب نے آپ کو سندِ خلافت مرحمت فرمائی۔

۱۰۰۸ھ میں حج کے ارادے سے دہلی پہنچے اور آپ کی ملاقات شیخ حسن کشمیری سے ہوئی۔ شیخ حسن مجدّد صاحبؒ کی طالب علمی کے زمانہ کے دوست اور حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے، اُن کو مجدّد صاحبؒ کے رُجحانات کا اندازہ تھا کہ طریقۂ نقشبندیہ سے قلبی لگاؤ ہے اور اُس سلسلہ کے کسی مرشدِ کامل کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اسی بُنیاد پر شیخ حسنؒ نے اپنے مُرشد کا ذکر کیا اور خواہش کی کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے ملاقات کریں۔ مجدّد صاحبؒ اُن کے ساتھ خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں صاحبِ کمال تھے اور دونوں کے دل انوارِ الٰہی سے منوّر تھے، ملاقات کے ساتھ ہر ایک کی حالت و کیفیت دوسرے پر منکشف ہوگئی اور اس طرح آپ کی دیرینہ آرزو بر آئی اور آپ حضرت خواجہؒ کے سلسلہ میں داخل ہوگئے۔ دو اڑھائی سال کی مدّت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمالات کے اعلیٰ درجات تک پہنچا دیا یہاں تک کہ خواجہ صاحبؒ نے اپنے تمام مُریدوں کو آپ کی تربیت میں دے دیا۔ خواجہ صاحبؒ کا ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ کو وصال ہوگیا اور مجدّد صاحبؒ سرہند واپس تشریف لے آئے۔ حضرت مجدّد صاحبؒ کا دَور اکبر اور جہانگیر کی شوکت و سطوت کا دَور تھا۔ مغل سلاطین کے اس دَور میں آپ نے حق کی شان اور صداقت کی آن قائم رکھنے کے لئے ہر طرح کے مصائب برداشت کئے۔ یہاں تک کہ دو سال تک قلعۂ گوالیار میں قید بھی رہے۔ بالآخر وقت کے اقتدارِ اعلیٰ کو آپ کی عزیمت کے سامنے جُھکنا پڑا اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے آپ نے جو راہ اختیار کی تھی زندگی کے آخری

لمحات تک اُس پر ایک مضبوط چٹان کی طرح جمے رہے۔ یہ زیرِ نظر ریڈیائی تقریر حضرت مجدّد صاحبؒ کے حالات وسوانح اور مجدّدانہ کارناموں کی تفصیل پر نہیں صرف مکتوبات اور اُن کی خصوصیات پر ہے۔ ریڈیو سے جو تقریریں نشر ہوتی ہیں مختصر بھی ہوتی ہیں اور اُن کا رنگ بھی جدا ہوتا ہے۔ اُمید ہے قارئین اس تقریر کو اسی نظر سے پڑھیں گے۔

ہندوستان میں اسلامی دَورِ حکومت کے ملفوظات اور مکتوبات کا معتبر و مستند سرمایہ بہت کم ہے۔ ملفوظات و مکتوبات دونوں میں تحریف و تلبیس کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ ملفوظات کے بہت سے مجموعے جنہیں لوگ مستند سمجھتے ہیں فی الحقیقت بے اصل اور موضوع ہیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی اِس جعلی لٹریچر کے متعلق یہ رائے تھی "دراں بسیار الفاظ است کہ مناسب اقوال ایشاں نیست"۔ اِسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ کوئی معتبر مجموعۂ ملفوظات و مکتوبات سامنے آگیا ہے تو اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی اثر آفرینی سے پورے ماحول اور سماج کو متاثر کیا ہے بلکہ دلوں کی دنیا بدل دی ہے۔ شہنشاہِ سخن امیر خسروؒ نے امیر حسن علاء سنجریؒ کے مرتب کردہ مجموعۂ ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ "فوائد الفؤاد" کے متعلق بے اختیار کہہ دیا تھا۔ "کاش کہ تمامی کتب کہ عمر دراں صرف کردہ ام برادرم امیر حسن را بودے و ملفوظات سلطان المشائخ کہ جمع کردہ است مرا بودے"۔ یعنی کاش میری تمام تصنیفات جن کی ترتیب و تدوین پر عمر کا بہترین حصّہ صرف ہوا ہے برادر امیر حسن کی ہوتیں اور صرف ان کے جمع کئے ہوئے سلطان المشائخؒ کے ملفوظات میرے ہوتے"۔

بہرحال بہت تھوڑے حضرات ایسے ہیں جن کے ملفوظات و مکتوبات کو سندِ اعتبار و صحت اور نعمتِ مقبولیت حاصل ہوسکی ہو۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے مکتوبات ہمارے ملک کے اسلامی دَور کے سب سے قیمتی، سب سے محفوظ اور ضخیم و عظیم

Marfat.com

سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں معرفت وتصوّف کی چند ہی کتابوں کو وہ شہرت وعظمت اور قدر ومنزلت حاصل ہوئی ہے جو مکتوباتِ امام ربّانی کے حصّہ میں آئی۔ مجدّد صاحبؒ کی حیات ہی میں اُن کے خطوط کی نقلیں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور لیل ونہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجود آج بھی ان کی اہمیت و مقبولیت کا یہی عالم ہے۔ فارسی سے دوسری زبانوں میں ترجموں کے علاوہ روس کے ایک مکّی مہاجر مُلّا مراد نے عربی میں اُن کا ترجمہ کیا جو ٹائپ میں چھپ کر تمام عرب ممالک میں پہنچ گیا۔ عربی زبان میں اشاعت کے بعد حدیث وتفسیر کی کتنی ہی کتابوں میں مکتوبات کے مضامین نقل کئے گئے۔ علی الخصوص سلطان عبدالحمید خاں ترکی خلیفہ کے عہد کے مشہور ومقبول عالم علامہ سیّد محمود آلوسی کی تفسیر "روح المعانی" میں تو اس کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہے کہ جس جگہ بھی اِن مکاتیب کے ذکر کا موقع آجاتا ہے "قال المجدّد الفاروقی" کے نام سے آپ کے خاص خاص نظریات اور تعبیرات کو بڑے اہتمام سے پیش کرتے ہیں اور اہم تر مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اِن مکتوبات کی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ ایک طرف اُن کے مضامینِ عالیہ کی اثر انگیزی، ان کی انقلابی واصلاحی اسپرٹ، صاحبِ مکتوبات کی وسیع وعمیق علمیّت اور روحانی شرف وفضیلت ہے۔ دوسری طرف ان کا اچھوتا اور دل نشین طرزِ تحریر ہے۔ مکتوبات کو پڑھ کر یہ حقیقت پوری طرح جلوہ گر ہوجاتی ہے کہ حضرت مجدّد ایک مجدّدِ وقت، ایک دانائے روزگار حکیم، ایک بلند پایہ عالمِ دین اور ایک بیدار قلب رُوحانی پیشوا ہی نہیں تھے بلکہ اوّل درجہ کے انشار پرداز بھی تھے، جن کی تحریریں ادب وانشار کی تمام نزاکتیں اور لطافتیں موجود ہیں۔ وہ تحریرِ خطوط کے وقت تحریر کی انشائی اور ادبی باریکیوں پر مبصّرانہ نظر رکھتے تھے۔ ان کے مکتوبات کے بڑے حصّہ میں علمی، دینی اور حکمت ومعرفت کے مسائل ہیں اور ان پر محققانہ بحثیں ہیں۔ ان کے بیان کے لئے انھوں نے وہی عالمانہ تحقیقی

Marfat.com

طرزِ تحریر اختیار کیا ہے جس میں کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی اور حقائق ادا ہو جائیں، وہ اگرچہ اربابِ تصوّف اور اصحابِ باطن کی مروّجہ اصطلاحیں کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور اسی لئے ناواقف لوگوں کو بعض مطالب کے سمجھنے میں دشواری بھی پیش آتی ہے لیکن ان میں ثقیل الفاظ بہت کم ہیں، خاص طور پر اُن خطوط کی زبان جو عقیدوں کی وضاحت یا مبتدیوں اور نوجوان طالبوں کے لئے لکھے گئے ہیں نہایت سلیس، سُبک اور عام فہم ہے۔ مکتوبات کا ایک حصّہ ہم عصر اُمراء کے نام ہے، اس میں ان امیروں اور دولتمندوں کو روحِ شریعت کی حفاظت اور دینِ حق کی مدد کی تلقین کی گئی ہے۔ اِس طرح کے تمام مکاتیب کا اندازِ تحریر علمی خطوط سے قطعی طور پر مختلف ہے۔ اِن خطوط میں عالمانہ بھاری بھرکم اصطلاحیں کم ہیں۔ الفاظ اگرچہ روحانیت کے پُرشکوہ قالب میں ڈھلے ہوئے ہیں لیکن سریع الفہم ہیں۔ آسانی سے اُن کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس کے باوجود اسلوبِ بیان میں خطیبانہ جوش اور داعیانہ ولولہ ہے۔ اِن خطوط کا ایک ایک لفظ رُوحانی تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ یہ تمام خطوط دلِ پاکباز سے نکلے ہوئے جذبات کا صاف و شفّاف آئینہ ہیں اسلئے قدرتی طور پر ان کا اثر براہِ راست باطن پر پڑتا ہے اور دل کی شکنیں کھُلتی چلی جاتی ہیں۔ پیشِ نظر مقصد کی تشریح کیلئے کہیں کہیں کوئی نفیس شعر یا شعر کا کوئی مصرع بھی استعمال کرتے ہیں جس سے مضمون کی دل نشینی اور اثر انگیزی میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ الفاظ کے موزوں انتخاب اور تقابل کے حُسن کا بھی پورا خیال رکھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قلم کی ادبی رُوحانی طاقت سے ایک عظیم اور زبردست سماجی انقلاب کی آبیاری کی، ایک پورے عہد کو بدل ڈالا اور ایک نئے عہد اور اس کی لطافتوں اور اُمنگوں کو پیدا کیا۔ اُن کے دامنِ عقیدت کے وابستگان میں درویش بھی ہیں اور صوفی بھی، سالک بھی ہیں اور مجذوب بھی، مادہ پرست فلسفی بھی

Marfat.com

ہیں اور عارفینِ حق اور کاملینِ حکمت و معرفت بھی، نامور فاتحین بھی ہیں اور صاحبِ سطوت امرا بھی۔ آیئے اس پس منظر کی روشنی میں ان کے مکتوبات پر ایک ہلکی سی نظر ڈالیں۔

حضرت مجدّد صاحبؒ کے مکتوبات کے تین دفتر اور تین حصے ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کے بعد ان مکاتیب کی ابتدا ہوئی۔ کم و بیش چار سال کی مدّت میں بیس خط اپنے پیر و مُرشد کو لکھے۔ ان مکتوبات کی حیثیت باقی خطوط کے سرنامے کی ہے۔ اس طرح تحریرِ خطوط کی ابتدا ۱۰۰۸ھ سے ہوئی ہے۔ مکتوبات کے پہلے دفتر کے جامع اور مرتّب مولانا یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی ہیں۔ ۱۰۲۵ھ میں مکتوبات شریف کی تعداد ۳۱۳ ہو گئی تو تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق... حضرت مجدّد صاحبؒ نے مولانا یار محمدؒ سے فرمایا کہ خطوط کی یہ تعداد اصحابِ بدر کی تعداد کے برابر ہو گئی ہے، بہتر ہو کہ اس دفتر کو اسی تعداد پر ختم کر دو۔ اس کے بعد خطوطِ مبارک کو مولانا عبدالحی حصاری نے جمع کرنا شروع کیا۔ ۱۰۲۸ھ میں دفتر دوم کے خطوط کی تعداد ۹۹ ہو گئی تو ارشاد ہوا کہ اسماءِ حسنٰی کی تعداد بھی یہی ہے۔ اس حصّہ میں یہی تعداد رہے۔

تیسرے مرحلہ میں آپ کے خلیفہ مولانا محمد ہاشم کشمی نے یہ خدمت انجام دی، یہاں تک کہ جب خطوں کی تعداد ۱۱۴ ہو گئی تو فرمایا: قرآن مجید کی سورتوں کی بھی یہی تعداد ہے، تبرکاً و تیمناً اس حصّہ کو اسی عدد پر ختم کر دو۔ یہ ۱۰۳۱ھ کا واقعہ ہے۔ بعد میں اس تیسرے حصّہ میں چند مکاتیب کا اور اضافہ ہوا۔ دفترِ اوّل کا نام دُرُّالمعرفت دفترِ دوم کا نام نور الخلائق اور دفترِ سوم کا نام معرفۃ الحقائق ہے۔

مجدّد صاحب کی شخصیت کی طرح اُن کے خطوط کا یہ عظیم الشان ذخیرہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ ان کے طرزِ تحریر میں قوسِ قزح کے سارے رنگ جمع ہو گئے ہیں، کہیں زورِ خطابت ہے، کہیں متکلمانہ اور فقیہانہ مُوشگافی اور کہیں انتہائی علمی متانت

Marfat.com

دوقار اور ہر منزل میں اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت اور اندازِ بیان کی اہمیت کا احساس، شریعت و طریقت اور حقائق و معرفت کے اس بحرِ ذخار کو اگر مختصر عنوانوں میں یکجا کرنے کی کوشش کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ مکتوبات کا بنیادی تعلق تین عنوانوں سے ہے۔ (۱) دینی (۲) سماجی اور اصلاحی (۳) سیاسی۔

دینی مکاتیب میں تصوف کے نازک اور اُلجھے ہوئے مسائل کو آپ نے جس حُسن و خوبی اور تحقیق و بصیرت سے حل فرمایا ہے اس کا پڑھنے سے تعلق ہے۔ ایک مکتوب میں عالمِ مثال کے متعلق لکھا ہے :"یہ عالم صرف دیکھنے کی جگہ ہے، رہنے کی نہیں کیونکہ یہ عالمِ رُوح اور عالمِ جسم کے درمیان میں ہے اور آئینہ کی طرح ہے، اِس میں ان دونوں عالموں کا عکس نظر آتا ہے۔" توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی کے مسئلہ پر مکتوبات میں معرکتہ الآرا مباحث اور تحقیقات ہیں۔ آپ نے ان مغالطہ انگیز بحثوں کو زیادہ سے زیادہ دل پذیر بنانے کی کوشش کی ہے۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "بے شبہ توحیدِ وجودی کا مقام سالک کو پیش آتا ہے لیکن یہ مرحلۂ اوّل ہوتا ہے، انتہائے سفر نہیں ہے۔ اِس مقام میں سالک نے شرابِ محبّت کا جام پیا ہے، جس نے اس کو مدہوش کر دیا ہے، اس کو نہ اپنی خبر ہے نہ دوسروں کی، جب تک بے ہوش رہے گا اس کو محبوبِ حقیقی کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ اس مقام کی مدہوشی اتنی پُرکیف اور رنگین ہو کہ اس سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس مقام کے بعد عالمِ ظلال اور عالمِ خمار ہے یعنی بے ہوشی اور ہوش کے درمیان کی حالت، اِس مقام اور حال میں سالک نہ پورے ہوش میں ہوتا ہے نہ پوری مدہوشی میں، اس عالم کی کچھ اور ہی کیفیت ہوتی ہے۔ اس کے بعد کامل ہوش اور صحو کا مقام آتا ہے اس کا نام مقامِ عبدیت ہے۔ یہ انکساری اور خاکساری کا مقام ہے، اس مقام پر بندہ بندہ ہے اور خالق خالق ہے، یہی مقام حضراتِ انبیاء کا ہے، جن سے اللہ کی مخلوق کی رہنمائی اور ہدایت

Marfat.com

وابستہ ہے، اس منصب پر وہی فائز ہو سکتا ہے جو کامل ہوش میں ہو۔ اس مقام پر پہنچ کے بعد سالکِ راہِ طریقت کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مدہوشی کے پہلے مقام میں اس کی زبان پر "تو ہی تو" کا جو نعرہ تھا وہ شرابِ محبّت کا اثر تھا۔ بنا بریں یہ توحید صرف شہودی ہے، حقیقی اور وجودی نہیں۔" وحدت الوجود کا سہارا لے کر بعض نام نہاد صوفیوں نے اتّحاد و حلول کی مصیبت اور گمراہی کھڑی کر دی تھی، حضرت مجدّد صاحب رح نے اِس زندقے اور الحاد کے خلاف بھی زبردست جنگ کی اور اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ حق کو واضح کیا۔ اس سلسلہ میں اُن کے بہت سے خطوط مطالعہ کے لائق ہیں۔ مکتوب ۴۴ دفتر دوم میں تحریر فرماتے ہیں "جو حضرات وحدۃ الوجود اور ہمہ اوست کے قائل ہیں اُن کا منشاء و مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزیں اس کے ساتھ بالکل متّحد ہیں اور حق تعالےٰ مرتبۂ تنزیہ سے اُتر کر دائرہ تشبیہ میں آ گیا ہے اور واجب ممکن بن گیا ہے، یہ سب کچھ الحاد اور گمراہی ہے۔ ہمہ اوست کے معنیٰ یہ ہیں کہ صرف وہی موجود ہے اور سب نیست ہیں۔" مکتوب ۸۹ دفتر سوم میں لکھتے ہیں "جو صوفیائے کرام ہمہ اوست کے قائل ہیں وہ عالم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے، وہ جو کچھ کہتے ہیں ظلّیت کے اعتبار سے کہتے ہیں وجود و تحقق کے لحاظ سے نہیں، اگرچہ ان کی عبارتوں اور بیانات سے اتحاد وجودی کا شُبہ ہوتا ہے لیکن ان کی مُراد — ہرگز یہ نہیں، یہ تو کھلی ہوئی گمراہی ہے، اس لئے "ہمہ اوست کے معنی، ہمہ از وست" ہی کے ہیں یعنی ظہور و شہود جو کچھ ہے اسی سے ہے"۔ حضرت مجدّد صاحب رح کی ٹھوس اور خاموش انقلابی تحریک کا ہلکا سا نقشہ مکتوب ۶۵ دفتر اوّل، مکتوب ۸۱ دفتر اوّل، مکتوب ۶۷ دفتر دوم، مکتوب ۴۷ دفتر اوّل اور مکتوب ۴۵ دفتر سوم اور اسی طرح کے بہت سے خطوط سے سامنے آ جاتا ہے۔ خان جہاں جو سلطانِ وقت جہانگیر کے مقربانِ خاص میں تھے اُن

Marfat.com

کو ایک طویل مکتوب میں لکھتے ہیں "دیکھو بادشاہ مثل رُوح کے ہوتا ہے اور باقی انسان بمنزلہ جسم کے، روح ٹھیک ہے تو جسم بھی صحیح سلامت ہے، رُوح میں خرابی آجائے تو جسم بھی خراب ہو جاتا ہے، ضروری ہے کہ بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرو کہ یہی تمام لوگوں کی اصلاح کی کوشش ہے۔ ایک خط میں شیخ فرید کو جو بارگاہِ سلطانی کے ممتاز مقربین میں شامل تھے، تحریر فرماتے ہیں "حاکمِ وقت کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو پورے بدن سے دل کو ہے، دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح ہے، دل میں فساد آیا تو بدن اور جسم بھی فاسد ہو جائے گا۔ کہنے کی بات یہ ہے کہ بادشاہ کے صلاح و فساد سے دنیا کا صلاح و فساد وابستہ ہے"۔ اسی طرح عام ماحول اور سماج کی اصلاح کے سلسلہ میں بھی بہت سے خطوط ہیں۔ مکتوبات مجدّد الف ثانی کی یہی وہ غیر معمولی خصوصیات ہیں جنھوں نے ان کو ادبِ ملفوظ کی تاریخ میں بے مثال بنا دیا ہے۔

آخر میں علّامہ اقبال کے اشعار بھی سُنتے جائیے جو انھوں نے حضرت مجدد صاحبؒ کے مزار پر اُن کی شان میں کہے ہیں ؎

حاضر ہوا میں شیخ مجدّد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ زمیں مطلعِ انوار
اِس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے — اِس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

Marfat.com

مسلم پرسنل لا — وراثت اور جائداد

مسلم پرسنل لا یعنی مسلمانوں کے شخصی قانون کی یوں تو بے شمار دفعات ہیں، جو اپنی تمام تفصیلات و تشریحات کے ساتھ فقہ اسلامی کی شکل میں مدوّن و مرتب ہیں لیکن اِن دفعات میں وراثت اور اس سے متعلقہ مسائل کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ غیر مسلم مستشرقین نے بھی اسلام کے قانونِ وراثت کو بہت سراہا ہے۔ رمزے، اینڈرسن کولسن جیسے جدید ماہرینِ قوانین ہمارے قانونِ وراثت کی وسعتوں اور باریکیوں کے قائل ہیں اور اس کی جامعیت کا لوہا مانتے ہیں۔ یہاں ہم اس جامع اور وسیع و عریض قانون کی تھوڑی سی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ اس تفصیل کی نوعیت بھی ایسی ہے جیسے ایک بڑے دریا سے پانی کے چند قطرے لے لئے جائیں۔

مسائلِ وراثت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے علم کو تمام علوم کا نصف قرار دیا ہے یعنی ترازو کے ایک پلڑے میں تمام علوم رکھئے اور دوسرے پلڑے میں تنہا یہ علم، — قانونِ وراثت کے بنیادی تصورات یہ ہیں :- (۱) تقسیمِ وراثت سے پہلے مرنے والے کے مال سے اس کی تجہیز و تکفین ضروری ہے، پھر اس کے ذمّہ اگر قرض تھا تو وہ ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد باقی تہائی مال میں وصیت کا نفاذ ہوگا۔ اِن تینوں حقوق کی ادائگی کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔ سب سے پہلے ذوی الفروض کو اُن کے حصّے دیے جائیں گے۔ یہ بارہ ذوی الفروض یعنی (مرنے والے کے قریب ترین عزیز ہیں) جن کے سہام یعنی حصّے قرآن کریم نے واضح طور پر بیان کر دیے ہیں، ان میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں۔ ان بارہ ذوی الفروض پر قرآن پاک کے بیان

کے مطابق حصے تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ چھ حصے ہیں۔ نصف، چوتھائی، آٹھواں، دو تہائی، تہائی اور چھٹا۔ یہ اُن چھ حصوں کے عنوانات ہیں جو بارہ حصے والوں پر تقسیم کئے جاتے ہیں، اُن کے نام یہ ہیں: باپ، دادا، ماں شریک بھائی اور شوہر۔ عورتوں میں بیوی، لڑکی، پوتی، حقیقی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، ماں اور دادی، ان بارہ ذوی الفروض کا ذکر قرآنِ پاک کی پانچ مختلف آیتوں میں آیا ہے۔ میّت کے بیٹا ہو تو باپ کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا، باپ نہ ہو تو دادا کا بھی یہی حکم ہے۔ ماں شریک بہن بھائی اگر کئی ہیں تو مرنے والے کے ترکہ میں اُن سب کا تہائی حصہ ہے۔ ایک ہے تو چھٹا۔ مرنے والی کے اولاد نہیں ہے تو شوہر کا نصف حصہ ہے، اولاد ہے تو چوتھائی یہ اُن چار مردوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کے حصے قرآن مجید میں مقرر ہیں۔ اور یہ صرف نشاندہی ہے ورنہ ان حصوں کی تقسیم و ترتیب میں بھی کافی تفصیل ہے۔ عورتوں میں، بیوی کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی، اور اولاد ہو تو آٹھواں۔ بیٹی کی تین حالتیں ہیں۔ تنہا ہو تو اس کو باپ کے ترکہ کا نصف پہنچتا ہے، دو یا دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی، یہ جب ہے کہ مرنے والے کے صرف لڑکیاں ہوں، لڑکا نہ ہو۔ لڑکا ہو تو قرآنِ پاک کے بیان کے مطابق لڑکیوں کو ایک حصہ اور لڑکوں کو دو حصے ملیں گے۔ اس صورت میں یہ لڑکیاں ذوی الفروض نہیں رہیں گی بلکہ لڑکا ان کو عصبہ بنا دے گا۔ بیٹی نہ ہو تو پوتی کو وہی کچھ پہنچے گا جو بیٹی کو پہنچتا تھا یعنی ایک پوتی ہو تو نصف اور دو یا دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی، پوتی کی ایک اور بھی خاص حالت ہے، وہ یہ کہ اگر مرنے والے کے ذوی الفروض میں صرف ایک بیٹی اور ایک پوتی ہے تو نصف ترکہ بیٹی کو اور چھٹا حصہ پوتی کو ملے گا، اس طرح ان دونوں کے حصے دو تہائی ہو جائیں گے۔ دو بیٹیوں کی موجودگی میں پوتی کو ذوی الفروض کی حیثیت سے کچھ نہیں ملے گا۔ ذوی الفروض میں حقیقی بہنوں کی پانچ حالتیں ہوتی ہیں اور

Marfat.com

انہیں حالتوں کو سامنے رکھ کر ان کے حصّوں کی تعیین ہوتی ہے۔ ایک ہے تو نصف، دو یا دو سے زیادہ ہیں تو دو تہائی، بہن کے ساتھ بھائی بھی ہو تو قرآنِ کریم کی تشریح کے مطابق بہن کو ایک حصّہ اور بھائی کو دو حصّے ملیں گے۔ اور یہ بہن یا بہنیں ذوی الفروض نہیں رہیں گی بلکہ بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی۔ بہنوں کی ایک اور بھی خاص حالت ہے یعنی یہ کہ وہ لڑکیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں، ذوی الفروض نہیں رہتیں۔ باپ شریک بہنوں کی سات حالتیں ہیں: حقیقی بہنیں نہ ہوں تو ان میں ایک کو نصف اور دو یا دو سے زیادہ کو دو تہائی ترکہ پہنچتا ہے۔ صرف ایک حقیقی بہن ہو تو اُس ایک کو یا چند باپ شریک بہنوں کو چھٹا حصّہ ملے گا۔ حقیقی بہنوں کی موجودگی میں علاتی یعنی باپ شریک بہنوں کو کچھ نہیں ملتا، لیکن اُن کے ساتھ اگر کوئی باپ شریک بھائی بھی ہے تو یہ بھائی ان باپ شریک بہنوں کو عصبہ بنا دے گا اور طے شدہ قاعدے کے مطابق بہن کو ایک حصّہ اور بھائی کو دو حصّے ملیں گے۔ باپ شریک بہن کی چھٹی حالت یہ ہے کہ وہ بیٹیوں اور پوتیوں کی موجودگی میں ذوی الفروض نہیں رہتیں، عصبہ ہو جاتی ہیں۔ ان کی ساتویں حالت جس میں حقیقی بہن بھائی بھی شریک ہیں یہ ہے کہ بیٹوں، پوتوں اور باپ دادا کی موجودگی میں اِن کو کچھ نہیں ملتا۔ ماں کی تین حالتیں ہیں: اولاد ہے تو چھٹا حصّہ، اور یہی صورت جب ہے کہ مرنے والے کے دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی ہوں، اولاد اور بہن بھائی نہ ہوں تو کل ترکہ کا تہائی حصّہ ماں کو ملتا ہے۔ تیسری صورت میں کل ترکہ کا نہیں بچے ہوئے ترکہ کا تہائی ماں کو پہنچتا ہے جس کی خاص شکل ہوتی ہے۔ دادی کا چھٹا حصّہ ہوتا ہے لیکن یہ جب ہے کہ ماں نہ ہو، ماں کے ہوتے ہوئے دادی کو کچھ نہیں ملتا۔ ذوی الفروض کی تفصیل کے ساتھ عصبات کی نشان دہی بھی ضروری ہے۔ قانونِ وراثت میں یہ باب نہایت وسیع ہے جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ ذوی الفروض کا حصّہ علیحدہ کرنے

Marfat.com

کے بعد جو کچھ باقی رہتا ہے وہ عصبات کو ملتا ہے۔ عصبہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو میّت کے گوشت پوست میں شریک ہو۔ عصبوں میں سب سے زیادہ جاندار وارث بیٹا ہے پھر دوسرے وارث، عصبوں کی تین قسمیں مشہور و معروف ہیں: (۱) جو بغیر کسی واسطے اور ذریعہ کے براہِ راست عصبہ ہو اس کو کوئی دوسرا عصبہ بنانے والا نہ ہو۔ (۲) جو دوسرے کی وجہ سے عصبہ بنے۔ (۳) جو دوسرے کے ساتھ عصبہ بنے۔ اِن قسموں کی مکمّل تفصیل فرائض اور وراثت کی کتابوں میں موجود ہے۔ ذوی الفروض اور عصبات کے بعد ذوی الارحام کا درجہ ہے۔ وراثت کا یہ باب بھی بعض خصوصیات کی وجہ سے نہایت اہم سمجھا جاتا ہے۔ قانونِ وراثت کی اصل رُوح درجات کی ترتیب اور وارث کا مورث سے قرب ہے، اس کا لحاظ ہر حالت میں رکھا جاتا ہے۔ اگر ترتیب اور میّت سے قربِ تعلق کو نظر انداز کر دیا جائے تو وراثت کا پورا نظام بکھر جائے گا۔ لڑکی کا حصّہ لڑکے کے مقابلہ میں نصف ہوتا ہے۔ اس میں دوسری مصلحتوں کے علاوہ ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ لڑکی کو اس کے شوہر سے ترکہ کے سوا مہر بھی ملتا ہے اور شوہر اس کے نفقے اور دیگر ضروریات کا بھی ذمّہ دار ہوتا ہے۔ اس مرحلہ پر یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ حقِ وراثت مورث کی وفات کے بعد قائم ہوتا ہے، مورث کی زندگی میں وارثوں کا حقِ وراثت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ قدیم ہندو قانون کا مسئلہ حقِ پیدائش جس کی رُو سے پیدا ہوتے ہی بیٹے کو باپ کی جائداد میں حق مل جاتا ہے، اسلامی قانون میں قطعی طور پر اجنبی اور نامانوس چیز ہے۔ قانونِ وراثت میں مورث سے رشتہ کا قُرب فیصلہ کُن حیثیت رکھتا ہے۔ قریبی وارث کے ہوتے ہوئے دُور کا وارث حصّہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ زمانہ قبلِ اسلام میں عرب کے اندر عورتوں کو وراثت کے حقوق حاصل نہیں تھے۔ قرآنِ پاک میں ان کے لئے مخصوص احکام نازل ہوئے اور وحیِ الٰہی نے یہ انقلاب انگیز اعلان بھی کیا۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ

Marfat.com

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ یعنی عورتوں کے لئے بھی مَردوں پر اُسی طرح کے حقوق ہیں جس طرح کے حقوق مَردوں کے عورتوں پر ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا اور بہتر سلوک کریں، البتّہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہے اور یاد رکھو!! اللہ زبردست حکمت رکھنے والا ہے۔ یہ آیت اِس باب میں نصِّ قاطع ہے کہ ذمّہ داری، نگرانی اور قوامیت کے ایک خاص درجہ کو چھوڑ کر مرد اور عورت تمام حقوق میں مساوی ہیں اور ان حقوق میں رائی کے دانہ برابر بھی کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہے۔

وراثت کے علاوہ ہبہ، اوقاف اور وصایا وغیرہ بھی "مسلم پرسنل لا" کے اہم اجزاء ہیں، جن کا تعلق جائداد کے مسائل سے ہے۔ ہبہ کی متعدّد قسمیں ہیں: ہبۂ مطلق، کہ حقیقت میں کامل اور صاف شفاف بے غبار ہبہ یہی ہے۔ ہبۂ بالعوض، اور ہبہ بشرط العوض وغیرہ۔ یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ شریعت نے ہبہ پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے۔ صاحبِ جائیداد صحت مند زندگی میں اپنی تمام جائیداد جس کو چاہے دے سکتا ہے۔ اور اگر اس میں اپنے وارثوں کو نقصان اور ضرر پہنچانے کی نیّت نہیں ہے تو پھر اِس اقدام میں کراہت بھی باقی نہیں رہتی۔ ہبہ کے مسائل بھی تفصیل طلب ہیں، ہم نے یہاں صرف ایک بنیادی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حقِ وصیت کو شریعت نے محدود کر دیا ہے۔ مثلاً ایک عام اور کھلی ہوئی پابندی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی حالت میں بھی اپنی املاک کے ایک تہائی حصّہ سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا اور یہ وصیت بھی وارث کے لئے نہیں، غیر وارث کیلئے ہو سکتی ہے۔ وارث کو وراثت کے راستہ سے حق ملے گا۔ لہٰذا وصیت کی راہ اس پر بند کر دی گئی۔ اِن پابندیوں میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں جن کی تفصیل "پرسنل لا" کی دفعات میں موجود ہے۔ وقف کے معنیٰ ہیں جائداد کو اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں

Marfat.com

دے دینا اور اس کی آمدنی امورِ خیر کے لئے متعیّن کر دینا۔ اِس تصرّف کے بعد اصل جائداد ناقابلِ انتقال ہو جاتی ہے، نہ اس کی بیع ہو سکتی ہے، نہ ہبہ ہو سکتا ہے، اب یہ جائداد دائمی طور پر ان کاموں کے لئے وقف ہو گی جن کاموں کی واقف نے وضاحت کر دی ہے۔ وقف کے مسائل فقہ اسلامی اور مسلم پرسنل لا کے نہایت اہم اور مہتم بالشان مسائل ہیں جو کتبِ فقہ کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمارے ملک میں وراثت، وصیت، ہبہ اور وقف کے مسائل "مسلم پرسنل لا" کے تحت نافذ ہیں اور مسلمانوں کے ہر طبقہ کو اپنے فقہی مسلک کے مطابق اُن پر عمل کرنے کی آزادی ہے۔ عدالتیں بھی ان مسائل کا فیصلہ فریقین کے مسلک کے مطابق کرتی ہیں۔

۲۲ر نومبر ۱۹۷۲ء

Marfat.com

مُسلم پرسنل لا

مسلمانوں کے شخصی قانون (مسلم پرسنل لا) کے مسئلہ پر اِن دنوں بہت کچھ بحثیں ہو رہی ہیں، مضامین لکھے جا رہے ہیں، مقالات پڑھے جا رہے ہیں، تقریریں ہو رہی ہیں، سیمنار منعقد کئے جا رہے ہیں اور عام اجتماعات بھی ہو رہے ہیں۔ اِن اظہارِ خیال کرنے والوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو مسلمانوں کے لئے علیحدہ پرسنل لاء کی ضرورت نہیں سمجھتے، ان کی رائے میں ایک سیکولر نظامِ حکومت میں مختلف فرقوں کے لئے جُدا جُدا شخصی قوانین کی گنجائش نہیں ہے، وقت کے جدید تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق ملک کے تمام باشندوں کے لئے مشترک سول کوڈ ہونا چاہیئے۔ قومی یک جہتی کو مضبوط و مستحکم کرنے کا بھی یہ ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ دوسرا بڑا طبقہ (سوادِ اعظم) اُن علماء جدید تعلیم یافتہ اصحابِ فکر اور عوام کا ہے جو کہتے ہیں کہ مسلم پرسنل لاء شریعتِ اسلامی کا ایک اہم جزو بلکہ اس کی روح ہے اور وہ اللہ اور اُس کے رسول کے احکام پر مبنی ہے، یہ احکام قطعی ہیں اور لیل و نہار کی کوئی گردش ان کو بدل نہیں سکتی، اِس لئے موجودہ پرسنل لا میں کسی قسم کی بنیادی تبدیلی اور ترمیم نہیں ہو سکتی۔ ایسا اقدام کیا جائے گا تو وہ دین و مذہب میں مداخلتِ بیجا کے ہم معنیٰ ہو گا۔ ایک تیسرا طبقہ بھی ہے جو ان دونوں نُقاطِ نظر اور مکاتبِ فکر کا لحاظ رکھتے ہوئے بیچ کا راستہ نکالنا چاہتا ہے، لیکن صاف بات یہ ہے کہ جہاں تک مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا تعلق ہے اس میں کوئی ایسی راہ تلاش کرنا ایک جستجوئے ناکام کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لا کی وسعتوں کو اس سمندر سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس کا کنارہ نظر نہ آتا ہو،

Marfat.com

اس بحرِ ناپیدا کنار سے چند قطروں یعنی چند گنے چنے مسائل کو لے کر پرسنل لا میں تبدیلی یا ترمیم کا عنوان دینا مضحکہ خیز تو ہو سکتا ہے، حقیقت پر مبنی نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان مسائل کا اور اس طرح کے دیگر مسائل کا دل پذیر اور مکمل حل فقہ اسلامی اور ائمۂ مجتہدین کے لچک دار مسلکوں میں پہلے سے موجود ہے۔ علمائے اسلام کی ذمّہ داری یہ ہے کہ وہ کھلے ذہن و دماغ کے ساتھ ان مسئلوں کا قابلِ اطمینان حل پیش کریں۔ صرف ان چند مسائل کیلئے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی یا ترمیم کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ ضروریاتِ وقت کو سامنے رکھ کر فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین ہر دَور میں ہوئی ہے اور یہ راستہ اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ آج بھی کھلا ہوا ہے۔ مسلم پرسنل لا کے عنوان کے نیچے زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ وراثت، وصیّت، ہبہ، اور وقف وغیرہ کے وسیع و عریض ابواب آتے ہیں۔ ان میں سے ہر باب اپنی وسعتوں، گیرائیوں اور گہرائیوں میں لاجواب ہے اور ایک ایک باب کی تفصیل ہزارہا صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ اِس وقت چند مسئلے ہیں جن کیلئے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی یا ترمیم پر اصرار کیا جا رہا ہے۔ یعنی تعدّدِ ازدواج، تین طلاقیں اور محجوب الارث پوتے کا مسئلہ۔ چند معروف و مشہور شرطوں کے ساتھ تعدّدِ ازدواج کا مسئلہ اصولی طور پر ایک طے شدہ مسئلہ ہے۔ قرآن پاک نے اس کے جواز کا صاف و صریح اعلان کر دیا ہے۔ اس اعلان کے بعد موہوم قیاس آرائیوں سے کام لے کر نصِ صریح میں دور از کار تاویلیں کرنا کسی صاحبِ علم و دانش کا کام نہیں ہو سکتا۔ ایسے حالات قطعی طور پر پیش آسکتے ہیں کہ ایک شخص اپنی پاک دامنی کی حفاظت، اولاد کی ضرورت اور دیگر مصالح کی وجہ سے نکاحِ ثانی کا خواہش مند ہو، اس کی اس فطری ضرورت اور خواہش پر پابندی لگانا معاشرے کے در و بست میں رخنہ اندازی بلکہ فساد کا سبب ہو سکتا ہے۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ کوئی شخص بھی بہ قائمی ہوش و حواس ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی لانے کا ارادہ نہیں کر سکتا اور اگر نتائج و عواقب

سے بے نیاز ہو کر محض نفس پرستی اور وقتی جذبات کی رَو میں یہ غلط اور خوفناک قدم اُٹھایا ہے تو سوسائٹی کا نظام اس کے اس ناروا اقدام پر بے تکلف پابندی لگا سکتا ہے۔ بیویوں کے ساتھ برابری کا سلوک اور عدل و انصاف کا قیام کوئی معمولی بات نہیں ہے، کوشش اور نیک ارادے کے باوجود بھی کسی شخص کیلئے اس شرط کو پورا کرنا آسان نہیں ہے، جب شرطیں پوری نہیں ہوں گی تو نکاحِ ثانی کے جواز کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ شریعتِ اسلامی نے تعددِ ازدواج کے اصول کو تو لازماً تسلیم کر لیا ہے لیکن اس اصول پر عمل کرنے کی راہ میں زبردست پہرے بٹھا دیے ہیں۔ بدلے ہوئے حالات میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ ان پابندیوں اور نگرانیوں کا مؤثر انتظام کیا جائے اور پرسنل لا کے غلط استعمال کو روکا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام مسلم پرسنل لا میں تبدیلی یا ترمیم کے شور سے انجام نہیں پا سکتا۔ اس کے لئے ٹھوس تعمیری قدم اُٹھانے کی ضرورت ہے۔

ایک وقت میں تین طلاقوں کا مسئلہ بھی ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ سوسائٹی کا شیرازہ اس کے غلط اور بے موقع استعمال کی وجہ سے بکھر جا رہا ہے۔ فقہِ احناف میں ایک وقت اور ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا اگرچہ مکروہِ تحریمی اور حد درجہ ناروا ہے بلکہ بعض فقہائے احناف کے یہاں تو اس کو صاف طور پر حرام کہا گیا ہے، فقہ حنفی کی تمام مستند کتابوں میں تصریح ہے کہ میاں بیوی میں اگر ناچاقی اور اختلافِ مزاج کے آثار نمایاں ہونے لگیں اور شوہر اپنی بیوی کو علیحدہ کرنا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ بیوی کے زمانۂ طُہر اور پاکی میں صرف ایک طلاق دے اور انتظار کرے، پھر بھی حالات روبہ اصلاح نہ ہوں تو اگلے مہینہ اسی پاکی اور طُہر کے زمانے میں دوسری طلاق دے۔ اوّل تو توقع رکھنی چاہیئے کہ اس تنبیہ اور سرزنش کے بعد زن و شو کے تعلقات میں بہتری رُونما ہوگی، بدقسمتی سے نہ ہو تو تیسرے طُہر میں تیسری طلاق دے۔ یہی طریقہ مسنون

Marfat.com

ہے۔ اور اس کو بھی بدرجۂ مجبوری استعمال کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس کراہتِ تحریمی اور اخلاقی نادانی کے باوجود (ایک ہی وقت میں ایک ہی مجلس میں) تین طلاقیں دے دیتا ہے تو فقہ حنفی، بلکہ تمام مسالکِ فقہ کی رُو سے یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور حرمتِ غلّظہ قائم ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسائل کی باریکیوں سے بے خبر اور جاہل شوہروں کے اس جاہلانہ اور عاجلانہ اقدام سے کتنے ہی آباد گھر ویران ہو جاتے ہیں۔ مشہور عالمِ دین اور محدّث علّامہ ابنِ تیمیہ اور ان کے شاگردِ خاص علّامہ ابن قیّم ایک مجلس کی اِن تین طلاقوں کو معتبر نہیں مانتے بلکہ ان کو ایک ہی طلاق شمار کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کا طبقۂ اہلِ حدیث بھی اِس مسئلہ میں اِن دونوں جیّد عالموں کا پیرو ہے۔ ضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ اِس اُلجھے ہوئے مسئلے کے دُور رس نتائج پر نظر رکھی جائے اور سوسائٹی کے بگاڑ کو سامنے رکھ کر اس کا خاطر خواہ حل تلاش کیا جائے۔

تیسرا مسئلہ اُس محرومُ الارث پوتے کا ہے جس کا باپ اس کے دادا کی حیات میں فوت ہو گیا ہے اور اس کے دادا کے دوسرے بیٹے یعنی اس کے چچا موجود ہیں۔ قانونِ وراثت کے تحت بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتے کو (خواہ اُس کو اُس کے باپ کا قائم مقام ہی مانا جائے) حقِ وراثت نہیں پہنچتا، یہ اپنے دادا کے ترکہ سے محروم رہے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک ایسے دادا کے بدقسمت پوتے کی دردناک داستان ہے جس کا باپ اپنے باپ کی زندگی میں رخصت ہو گیا اور چونکہ حقِ وراثت کی اصل رُوح درجوں کی تقدیم و تاخیر ہی ہے اور صرف اس بنا پر یہ پوتا جو ہر طرح کی ہمدردیوں اور غمگساریوں کا مستحق ہے، اپنے دادا کی وراثت سے محروم ہوا ہے، اِس مسئلہ کا حل بھی مسلم پرسنل لا میں تبدیلی یا ترمیم میں نہیں ہے بلکہ اس میں ہے کہ حقوقِ وراثت کی روح کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس بچّہ کے واجبی حقوق

Marfat.com

کی نگرانی کی جائے۔ اس سلسلے میں وصیت کے دروازے اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ کھلے ہوئے ہیں، اسی طرح ہبہ کا دروازہ بھی، جہاں تک وصیت کا تعلق ہے مرنے والے پر اپنے اس پوتے کے حق میں وصیت کرنا ضروری ہے، بلکہ بعض مسلم ممالک میں تو اس وجوب کو قانونی حیثیت دے دی گئی ہے یعنی یہ کہ اس وصیّت کو قانونی طور پر نافذ کیا جائے گا، خواہ وصیّت نہ بھی کی گئی ہو۔ بہرحال یہ وہ مسائل ہیں جن پر علمائے اسلام کو وقت کے جدید تقاضوں کی روشنی میں غور کرنا ہے۔ ان اندرونی مسائل کے حل کے لئے مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا ایک منٹ کے لئے بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

یکم جنوری ۱۹۷۳ء

Marfat.com

مذہبی رواداری

دنیا کے تمام مذہبوں نے ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اور محبت و پریم کی تعلیم دی ہے۔ پیغمبروں اور مصلحوں کی تعلیم کے جتنے نقوش بھی آج تاریخ کے صفحوں پر موجود ہیں اس پر گواہ ہیں کہ یہی تعلیم ہر پیغمبر اور نبی و مصلح کی دعوت و پیغام کی بنیاد رہی ہے۔ جنگلوں کے جھنڈ، پہاڑوں کے غار، شہروں کی پُررونق آبادی ــ جہاں کہیں بھی رحم و انصاف، عفو و درگزر اور غمخواری و رواداری کا اُجالا نظر آتا ہے، وہ اسی طبقہ کے کسی فرد کی دعوت و پکار کا بلاواسطہ یا بواسطہ اثر ہے۔ عیسائیت، بُدھ مت، ہندو دھرم اور اسلام نے انسانی تعلقات کو پُرکیف اور جاندار بنانے کے لئے زندگی کے ہر گوشہ میں اس پر نہ صرف زور دیا ہے بلکہ اس کو معاشرے کی جان اور ریڑھ کی ہڈی قرار دیا ہے۔ حضرت مسیح کے پیغام میں دلسوزی اور شفقت و محبت کے پُراثر وعظ ہی سب سے زیادہ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ مہاتما بُدھ کی تعلیم و تربیت میں بھی جو چیز سب سے زیادہ اُبھری ہوئی نظر آتی ہے وہ یہی ہے۔ راجہ اشوک نے برملا اعلان کیا کہ ہر شخص کو دوسرے کے مذہب کا دل سے احترام کرنا چاہیئے تاکہ وہ بھی اس کے مذہب کا احترام کرے۔ اسلام آیا تو اس نے دوسرے مسئلوں کے ساتھ زندگی کے اس سب سے بڑے مسئلہ کے بھی ایک ایک پہلو کو اُجاگر کیا۔ اس نے کہا دنیا میں کوئی بانیٔ مذہب بھی ایسا نہیں ہوا جس نے ایک ہی دین پر اکٹھے رہنے اور اختلاف و تفرقہ سے بچنے کی تعلیم نہ دی ہو۔ سب کی تعلیم ایک ہی تھی اور وہ یہ تھی کہ خدا کا دین بچھڑے ہوئے انسانوں کو یکجا کرنے کے لئے ہے جدا کر دینے کے لئے نہیں۔ پس

Marfat.com

ایک پروردگار عالم کی بندگی و نیاز میں سب کے سب ایک ہو جاؤ اور تفرقہ کی جگہ محبت کا راستہ اختیار کرو۔ اس تعلیم کو ذہن نشین کرنے کیلئے اُس نے بڑے ہی اثر انگیز عنوانات اختیار کئے ہیں۔ اُس نے اعلان کیا، خدا نے تمہیں ایک ہی جامۂ انسانیت دیا تھا، مگر بد قسمتی سے تم نے طرح طرح کے بھیس اور نام اختیار کر لئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رشتۂ انسانیت کی وحدت بے شمار ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ تمہاری نسلیں بہت سی ہیں اِس لئے نسل کے نام پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہو، تمہارے وطن بہت سے بن گئے ہیں اِس لئے وطن کے نام پر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو، تم نے بے شمار قومیتیں بنالی ہیں اِس لئے ہر قوم دوسری قوم سے دست و گریباں ہے، تمہارے رنگ اور بولیاں مختلف ہیں اور اس لئے یہ چیز بھی ایک دوسرے سے جُدا رہنے بلکہ عناد و نفرت کا ذریعہ بن گئی ہے، ایسی حالت میں بتاؤ وہ کونسا رشتہ ہے جو اختلاف کے اس طوفان میں بھی انسان کو ایک دوسرے سے جوڑ دے۔

وہ صرف ایک ہی رشتہ ہے یعنی خدا پرستی کا مقدس رشتہ۔ تم کتنے ہی الگ الگ ہو گئے ہو لیکن تمہارے خدا الگ الگ نہیں ہو سکتے۔ تم سب ایک ہی پروردگار کے بندے ہو، تم سب کے لئے ایک ہی معبود کی چوکھٹ ہے، تمہاری کوئی نسل ہو، کوئی وطن ہو، کوئی قومیت ہو، تم کسی درجہ اور کسی حلقہ کے انسان ہو جب ایک معبود کے سامنے سرِ نیاز جُھکا دو گے تو یہ آسمانی رشتہ تمہارے تمام اختلافات مِٹا دے گا، تمہارے بچھڑے ہوئے دل ایک دوسرے سے جُڑ جائیں گے اور تم محسوس کرو گے کہ تمام دنیا تمہارا وطن ہے اور تمام نسلِ انسانی تمہارا گھرانا ہے۔ اِس حقیقت کو اور زیادہ نمایاں اور روشن کرنے کیلئے اس نے دوسرا پیرایۂ بیان یہ اختیار کیا کہ فکر و عمل کا اختلاف اگرچہ انسانی مزاج کا قدرتی خاصہ ہے اور یہ اختلاف جس طرح زندگی کے ہر گوشہ میں موجود ہے مذہب کے معاملہ میں بھی ہے لیکن اس اختلاف کو حق و باطل

Marfat.com

کا معیار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ خدا نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر قوم اور ہر شخص، اپنی اپنی سمجھ، اپنی اپنی پسند اور اپنا اپنا رنگ ڈھنگ اور طور طریقہ رکھتا ہے، ہو نہیں سکتا کہ کسی چھوٹی سی چھوٹی بات میں بھی تمام انسانوں کی طبیعت ایک طرح کی ہو جائے۔ یہی حالت مذہبی اعمال و رسوم کی بھی ہے۔ ممکن نہ تھا کہ سب ایک ہی طرح کی وضع اختیار کر لیتے اس لئے یہاں بھی اختلاف ہوا کسی نے ایک طریقہ سے اصل مقصود حاصل کرنا چاہا، کسی نے دوسرے طریقہ سے مگر اصل مقصد یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم میں سب متفق رہے۔

پس جب اصل مقصود ایک ہے تو صرف ظاہری اعمال کے اختلاف سے کیوں مخالفت وعناد کی دیواریں کھڑی کی جائیں۔ اسی بنیاد پر مذہبوں اور شریعتوں کے اسی اختلاف ہی کے لئے نہیں بلکہ فکر و عمل کے ہر اختلاف کیلئے رواداری اور وسعتِ نظر کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک موقع پر خود پیغمبرِ اسلام صلعم کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے: تم جوشِ حق اور ولولۂ اصلاح وتبلیغ سے مجبور ہو کر چاہتے ہو کہ ہر شخص کو حقیقت کا راستہ دکھا دو لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ فکر و عمل کا اختلاف مزاجِ انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، تم جبر اور زبردستی سے کسی کے اندر ایک بات اُتار نہیں سکتے، انسانی طبیعت کی ساخت ہی کچھ ایسی ہے کہ ہر گروہ کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہے، وہ اپنی باتوں کو دوسروں کی مخالفانہ نظر سے نہیں دیکھ سکتا، جس طرح تمہاری نظر میں سب سے بہتر راہ تمہاری ہے، ٹھیک اُسی طرح دوسروں کی نظر میں سب سے بہتر راہ اُن کی ہے، بنابریں اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ اس کے متعلق اپنے اندر برداشت اور رواداری کا جذبہ پیدا کرو۔ اس مرحلہ پر قرآنِ کریم کا یہ اعلان بار بار دُہرانے کے لائق ہے:

"دیکھو جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں تم اُن پر سبّ وشتم نہ کرو اور اُن کو بُرا نہ کہو کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی اپنی نادانی اور جہالت و

ناواقفیت کی وجہ سے خدا کو بُرا بھلا کہنے لگیں گے (یاد رکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل اچھا نظر آتا ہے، پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے اور وہیں ہر گروہ اور جماعت پر اپنے اعمال کی حقیقت کھُلنے والی ہے۔"

اسی کے ساتھ رواداری کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اس اعلان کو بھی پڑھیئے: "دین قبول کرنے کے بارے میں کسی طرح کی زبردستی اور جبر نہیں (کیونکہ دین و مذہب کا تعلق دل کے اعتقاد اور یقین کے ساتھ ہے اور جبر و تشدّد سے یقین و اعتقاد کی روشنی پیدا نہیں کی جاسکتی) بے شبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو گئی ہے (اور اب دونوں راہیں لوگوں کے سامنے ہیں جسے چاہیں اختیار کریں)۔"

انسانوں میں رواداری اور شفقت و محبت کے جذبات کو اُبھارنے میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد بھی اکسیر کا حکم رکھتا ہے: آپؐ نے فرمایا تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے ___ دیکھو کسی عرب کے رہنے والے کو عجم اور غیر عرب کے باشندے پر اور عجم کے رہنے والے کو عرب کے رہنے والے پر کوئی بزرگی اور برتری حاصل نہیں۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کا خمیر مٹی سے اُٹھایا گیا ہے۔ فارسی کے مقبول اور مشہور شاعر شیخ سعدیؒ نے اس مضمون کو اپنے رنگ میں یوں ادا کیا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بہ درد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

یعنی اولادِ آدم کا باہمی تعلق ایسا ہے جیسے ایک جسم کے مختلف اعضا اور ٹکڑے اور اس گہرے ربط کی وجہ یہ ہے کہ سب کی پیدائش کا جوہر اور خمیر ایک ہی ہے تعلق کی اس گہرائی اور گیرائی کا قدرتی طور پر یہ اثر ہونا چاہیئے کہ جسم کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حصّے کی تکلیف سے بھی پورا جسم بے قرار ہو جائے۔

Marfat.com

انسان دوستی کی اس تعلیم کا اثر ہمیں اس ملک کے مشائخ طریقت اور صوفیائے کرام کی زندگی میں خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ اُن کے تعلقات کی شگفتگی مثالی حیثیت رکھتی تھی اور تعلقات کی یہ اُستواری کسی وقتی سیاست اور رواجی سماج کے بندھنوں کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ انسانیت و اخلاق کے رُوحانی تقاضوں کی وجہ سے تھی، وہ دل کی گہرائیوں سے "الخلق عیال اللہ" کے قائل تھے، اُن کی تمنّا تھی کہ عقیدوں، اور نظریوں کے اختلافات انسانی برادری کے بے غبار رشتہ پر اثر انداز نہ ہوں، وہ مہر و محبت اور ہمدردی و رواداری سے انسانی قلوب کو ایک رشتۂ اُلفت و مودّت میں پرونے کی کوشش کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ کسی شخص نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں قینچی پیش کی، رحمت و شفقت اور خدمتِ خلق کے اِس پیکرِ نوری نے فرمایا: "مجھے تو سُوئی دو، میں کاٹتا نہیں جوڑتا ہوں۔"
اِن مقدس ہستیوں کی وسعتِ نظر اور رواداری کی یہ کیفیت تھی کہ ہندوؤں کی جو مذہبی بات بھی پسند آتی بے تکلف اس کی تعریف کرتے۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیا نے ایک جوگی کے خیالات سُن کر صاف فرمایا "مرا سخنِ او خوش آمد"۔ طوطیِ ہند امیر خسرو نے جو اپنے ملک کی ایک ایک ادا پر جان چھڑکنے کے لئے تیار رہتے تھے اور جن کا مقولہ تھا "ہندوستان کی خوشبوؤں سے بڑھ کر کہیں کی خوشبو نہیں، یہاں کے پھولوں سے زیادہ حسین اور نازک کہیں کے پھول نہیں"، ایک ایسا شعر کہا جس سے ان کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کے جذبات کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، فرماتے ہیں ؎

اے کہ ز بُت طعنہ بہ ہندو بری ہم زوے آموز پرستش گری

ہندوؤں کو بُت پرستی کا طعنہ دینے والے ہوش کی بات کر اور طعن و طنز کے بجائے اُنکی خوئے بندگی اور پرستش گری سے سبق حاصل کر۔ یہی سبق ہے جس کو یاد کر کے ہم قومی یکجہتی اور جذباتی اتّحاد کی کشتی کو ساحلِ مراد پر پہنچا سکتے ہیں۔ آیئے قومی یکجہتی کی تقریب کے اس موقع پر وقت کے اِس سب سے اہم اور نازک مسئلہ کو حقائق کی روشنی میں حل کرنے کی دل و جان سے سعی کریں۔

۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء

Marfat.com

عرب و ہند تعلّقات دَورِ حاضر میں

عرب وہند تعلقات کی کہانی قدیم بھی ہے اور لذیذ بھی، دونوں کے ایک دوسرے پر جو گہرے اثرات پڑے ہیں ان کی حیثیت نقوشِ دوام کی ہوگئی ہے۔ ان نقوش کو اُجاگر کرنے میں ممتاز اہلِ قلم اور مؤرخین نے اپنی کاوشیں صرف کی ہیں اور انھیں اپنی تحقیقات کا عنوان بنایا ہے۔ (ہندوستان کے دو مشہور و معروف علمی اور تحقیقی ادارے دارالمصنّفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنّفین دہلی نے اُردو زبان میں اِس موضوع پر جو سرمایہ فراہم کیا ہے اس کی مثال دوسری زبانوں کے لٹریچر میں آسانی سے نہیں مل سکتی، لیکن یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد وقت اور فاصلے کا مفہوم یکسر بدل گیا ہے اور آج دنیا ترقی کی اس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ ملکوں اور مملکتوں کا فاصلہ معمولی فاصلہ ہوکر رہ گیا ہے اور پوری دنیا کی حیثیت ایک بڑے شہر کی سی ہوگئی ہے، جو سفر پہلے مہینوں برسوں میں طے ہوتا تھا وہ اب گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے، دَورِ حاضر کی یہ وہ روشن حقیقت ہے جس نے تعلّقات کی دنیا میں اثر اندازی اور اثر پذیری دونوں کی رفتار کو حیرت انگیز طریقہ پر تیز کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب عرب و ہند روابط اور تعلقات کا عنوان بھی زیادہ دل پذیر اور ہمہ گیر ہوگیا ہے۔ عرب و ہند کے تعلّقات کی اہمیّت و معنویت کو سمجھنے کے لئے اُن کے سیاسی اور سماجی پس منظر کا سمجھنا ضروری ہے۔ ہم جس کو دَورِ حاضر کہتے ہیں اس کی ابتدا اور آغاز کے وقت عرب مغربی سامراج اور فرانسیسی اور برطانوی استبداد اور جبر و قہر کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ دوسری طرف وہ افلاس، تنگدستی، جہالت، ذہنی زوال اور علمی اضمحلال و پژمردگی کے دَور سے گزر رہے تھے، عربوں

Marfat.com

کے سیاسی و سماجی رہنماؤں کو اس تلخ حقیقت کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی کہ جہالت و غربت اور محکومی و غلامی دونوں ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کی ایک خرابی دُور نہیں ہوسکتی جب تک دوسری برائی ختم نہ کی جائے۔ چنانچہ دونوں محاذوں پر جدوجہد کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس دَور میں عرب دنیا میں جو شخصیتیں اُبھریں اُنھوں نے سیاسی قیادت اور سماجی اصلاح دونوں فرض بیک وقت انجام دیئے۔ جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہ، الکواکبی، مصطفٰی کامل، امیر شکیب ارسلان اور سید رشید رضا وغیرہ اس دَور کی ایسی ہی شخصیتیں تھیں، یہ زمانہ عرب دنیا کے لئے تداخل اور سنگم کا زمانہ بنا۔ ایسا زمانہ جس میں عہدِ وسطیٰ اور عہدِ جدید ایک دوسرے سے معانقہ کر رہے تھے اور ذہنی و علمی انحطاط کے بعد نشأۃ ثانیہ کا دَور شروع ہو رہا تھا۔ اب ہندوستان کے حالات پر نظر ڈالیئے تو ان دونوں خطّوں میں بڑی یکسانیت نظر آتی ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان مکمل طور پر برطانوی اقتدار کی گرفت میں آچکا تھا۔ تعلیم، اقتصادیات، اخلاقیات اور باوقار زندگی کے میدان میں ہندوستانی معاشرہ قطعی طور پر زوال پذیر تھا۔ عرب کی طرح ہندوستان میں بھی ایسے مصلح اور ریفارمر پیدا ہوئے جنھوں نے بیماری اور اس کے اسباب کی صحیح تشخیص کی۔ سیاسی آزادی کی تحریک کے ساتھ سماجی اصلاحات کی متعدد تحریکیں ملک میں شروع ہوئیں۔

غیر ملکی اقتدار کو مٹانے کی جدوجہد خارجی سطح پر اور سماجی، اقتصادی، اخلاقی اور تعلیمی معیار کو بہتر بنانے اور بلند کرنے کی کوشش داخلی سطح پر عربوں اور ہندوستانیوں کی مشترک خصوصیت رہی ہے۔ گاندھی جی نے ہندوستان کی تحریکِ آزادی کو عربوں کی تحریکِ آزادی سے مربوط اور ہم رشتہ قرار دیا — جواہر لال جی نے ۱۹۳۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں عربوں کی سیاسی

آزادی کی تحریک کی زبردست حمایت کی اور کہا کہ "ہمارے ملک میں آزادی کی یہ تحریک ہمارے ہی لئے نہیں بلکہ اُن عرب ملکوں کے لئے بھی ہے جن کی آزادی کو کچلا گیا ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان اور عرب دونوں ایک مشترک دشمن کے خلاف اور ایک مشترک مقصد کے لئے نبرد آزما رہے۔ تحریکِ آزادی کے علاوہ عرب میں جو رہنما کام کر رہے تھے اس کی چھاپ اُس دَور کے ہندوستان کی بہت سی شخصیتوں پر نظر آتی ہے۔ پھر جب برطانیہ نے امریکہ سے مل کر عربوں کے سینہ میں اسرائیل کا ناسُور پیدا کر دیا تو آزمائش کی اس گھڑی میں ہندوستان نے عربوں کی دل وجان سے حمایت کی۔ اس سے پہلے گاندھی جی اسرائیلی اسٹیٹ کے قیام کی مخالفت کر چکے تھے۔ عرب دنیا کی جن شخصیتوں کا گاندھی جی غیر معمولی احترام کرتے تھے ان میں سعد زغلول کی شخصیت زیادہ نمایاں تھی۔ گزشتہ پچیس سال میں ہندوستان اور عرب کی قیادت میں ہم آہنگی کا رشتہ قائم رہا ہے اور بہت سے بین الاقوامی معاملات ومسائل میں یکساں پالیسی سامنے آئی ہے۔ جواہر لال اور جمال عبدالناصر کی دوستی عرب وہند تعلقات کا جلی عنوان ہے اور اب ہمارے ملک کی وزیر اعظم اندرا جی اور عرب ممالک کی بیشتر قیادتیں تعلقات اور دوستی کی اس قدیم روایت کی امین ہیں۔ اقوامِ متحدہ میں عربوں نے ہندوستان کی اور ہندوستان نے عربوں کی کھلے دل سے حمایت کی ہے، اور بہت سے اہم بین الاقوامی معاملات میں یکساں نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔ جب گوا کا مسئلہ پیش آیا تو مصر نے ہندوستان کی پُرزور حمایت کی۔ ۱۹۵۶ء میں جب مصر نے نہر سوئز کو قومی ملکیت میں لے لیا تو ہندوستان نے مصر کی ببانگِ دُہل تائید کی۔ ۱۹۶۷ء میں مصر، اردن اور شام پر جب اسرائیلی جارحیت کا المیہ سامنے آیا تو ہندوستان نے اقوامِ متحدہ میں بھرپور لہجہ میں اسرائیل کی مذمّت کی۔ اسی طرح جب عراق نے تیل کی کمپنیوں کو اپنی تحویل میں لیا تو ہندوستان نے مغربی

Marfat.com

ملکوں کے مقابلہ میں عراق کا ساتھ دیا۔ ہندوستان، عرب تعلقات کی بنیاد، تاریخی حالات سیاسی اسباب اور فکر و خیال کی ہم نوائی پر ہے اور یہ بنیاد دہرا اعتبار سے مضبوط اور مستحکم ہے۔ یہ کوئی مٹّی کا گھروندہ نہیں ہے کہ مخالف ہواؤں کی کوئی لہر اسے یوں ہی گرادے۔ سیاست کی چالاک دنیا میں یہ قول بار بار دُہرایا جاتا ہے کہ کوئی کسی کا نہ مستقل دوست ہے، نہ دشمن، مستقل ہیں تو صرف مفادات۔ لیکن ہندوستان اور عرب ملکوں کی دوستی عارضی مفادات اور وقتی مصالح سے ہمیشہ بالاتر رہی ہے اور اس کا احساس دونوں میں پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ممالک کے سربراہ، وزرار، علمار اور اربابِ دانش برابر ہندوستان آتے ہیں اور اسی طرح ہندوستان کی اہم سیاسی اور غیر سیاسی شخصیتیں عرب ملکوں کا دَورہ کرتی ہیں اور اخوّت و محبّت اور باہمی خیر سگالی کی شمعیں روشن کی جاتی ہیں، اس سلسلہ کا تازہ ترین دَورہ صدر جمہوریہ عالی جناب فخر الدین علی احمد کا تھا جس کے نتیجہ میں ہندوستان اور سوڈان کے درمیان اتّحاد و اعتماد میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور دونوں ملکوں میں گرم جوشی کی تازہ فضا پیدا ہو گئی۔ دیکھا جائے تو ہند و عرب تعلقات کی نوعیت ایک جلوۂ صد رنگ کی ہے۔ دَورِ جدید میں تجارتی روابط اور تعلقات کا فروغ بھی اس کا ایک دل پسند و دل آویز اور خوبصورت رنگ ہے۔

عرب دنیا آج ہندوستان کی مصنوعات کی سب سے زیادہ قدر دان ہے۔ لوہے اور کپڑے سے لے کر مشینوں کے پُرزے تک ہندوستان عرب ممالک کو برآمد کر رہا ہے ۱۹۷۲ء کے معاہدے کے مطابق ہندوستان نے عراق میں چارسو کیلومیٹر لمبی ریلوے لائن بچھائی ہے اور اسٹیل کے کارخانہ کے قیام میں بھی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ کویت، یمن اور خلیج کی ریاستوں میں ہندوستان کے انجنیر اور ڈاکٹر موجود ہیں جو وہاں قومی تعمیر کی ذمّہ داریوں کو قابلیت سے انجام دے رہے ہیں۔ سعودی عرب، کویت اور متحدہ عرب امارات ترقیاتی منصوبوں کیلئے ہندوستان کو فراخ دلانہ امداد دینے کی بات سوچ رہے

Marfat.com

ہیں اور اس پروگرام کو جلد سے جلد عمل میں لانا چاہتے ہیں۔ میسور کی کالی ندی پراجیکٹ کیلئے کویت پانچ کروڑ ڈالر دے گا اور ایک دوسرے منصوبہ کیلئے سعودی عرب سے دس کروڑ ڈالر ملنے کی توقع ہے۔ ہندوستان اور لیبیا ایک مشترک جہاز راں کمپنی قائم کرنے پر متفق ہو گئے ہیں۔ مصر سے تیل کی سپلائی کا حال ہی میں معاہدہ ہوا ہے۔ ہندوستان نے سوڈان سے بھی کپاس کیلئے سمجھوتہ کیا ہے۔ ہندوستان کے تیل اور قدرتی گیس کمیشن نے عراق میں تیل کے نئے کنوؤں کی تلاش کا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ تیل نکل آنے کی صورت میں ہندوستان کو بھی اس سے زبردست فائدہ حاصل ہوگا۔ اسی طرح کویت سے بھی معاہدہ ہوا ہے جس کے تحت ہندوستان کو پٹرولیم کی مصنوعات حاصل ہو سکیں گی۔ عرب اور ہندوستان کے تعلقات سیاسی، تجارتی یا حکومتی سطح پر ہی نہیں ہیں بلکہ ثقافتی اور مذہبی سطح پر بھی ہیں۔ ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان رہتے ہیں۔ عرب ملکوں کی غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے، یہ رشتہ بھی عرب و ہند تعلقات کو مزید استوار کرنے والا ہے۔ عربی زبان میں ہندوستان میں اسلام کی تاریخ پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور عرب علماء ہندوستان کے عربی مدارس اور اسلامی عہد کے آثار دیکھنے کے لئے ہندوستان آتے رہتے ہیں اور ہندوستان سے مسلم طلبا جامع ازہر اور دوسری ممتاز درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں۔ عراق، مصر اور سعودی عرب میں مذہبی مسائل اور معاملات کیلئے جو اجتماعات ہوتے ہیں ان میں ہندوستان کے علماء کو باضابطہ مدعو کیا جاتا ہے۔ عرب ملکوں کے بہت سے طلبہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دہلی یونیورسٹی اور ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیوں میں تعلیم پاتے ہیں اور اس وقت بھی ان کی کافی تعداد ہندوستان میں موجود ہے۔

اس مرحلے پر بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ عرب و ہند تعلقات کا ماضی درخشاں رہا ہے، حال اُمید افزا اور روشن ہے اور مستقبل روشن تر اور تابندہ تر ہوگا۔

۸ر جنوری ۷۶ء

ہندوستان اور سیکولرازم

ہمارا ملک ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا۔ ہماری آزادی ایک طویل جدو جہد، بے شمار قربانیوں، مصیبتوں اور قیدو بندکی بے پناہ صعوبتوں کا حاصل تھی جو ہمارے رہنماؤں اور لاکھوں عوام نے آزادی کی جنگ میں برداشت کیں۔ ہم جب ایک آزاد قوم اور بااختیار ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئے تو دنیا نے ہماری طرف حیرت اور تعجب کی نگاہ اٹھائی، ہمارے ملک کی جسامت، وسعت، ہماری آبادی کی کثرت اور ہمارے مسائل و مشکلات کی پیچیدگیوں اور تناؤ پر اُمید و بیم کی نظروں سے دیکھنا شروع کیا جیسے ہماری آزادی پوری دنیا کے لئے ایک سوالیہ نشان ہو، یہ دور حقیقت میں دورِ امتحان تھا، ہماری حکمت عملی اور طرزِ فکر کی آزمائش تھا اور ہماری قومی زندگی، اس کی یک جہتی، اس کی تنومندی اور اس کی صلاحیتوں کو ایک چیلنج تھا، اندرونِ ملک تو گوناگوں مسائل کا ایک سیلاب اور مشکلات کا ایک بحرِ بیکراں محسوس ہوتا تھا، لیکن ہمارے رہنماؤں کی فکری استقامت، بصیرت اور عملی دانشمندی، حقیقت پسندی اور جرأتِ کردار نے ان تمام اُلجھے ہوئے مسئلوں کو مثبت طور پر حل کرنے کا عزمِ راسخ کرلیا۔ گاندھی جی نے انسانی قدروں اور قومی یک جہتی کی بُنیاد کو اپنے خون سے سینچ کر سرکش قوتوں کو زبردست زک پہنچائی اور جواہرلال جی نے ایک نئے ہندوستان کی بُنیا ڈالی۔ ایک ایسا ہندوستان کہ اس کی سرزمین پر کروڑوں آباد انسانوں کا اپنا دیس ہو، خواہ ان کا کوئی مذہب ہو، کوئی علاقہ ہو، کوئی زبان ہو اور کوئی بھی طرزِ معاشرت ہو، وہ سب ہندوستانی ہیں، سب کا برابر کا درجہ ہونا چاہئے۔

Marfat.com

سب کو ترقی کے یکساں مواقع ملنے چاہئیں اور امتیاز و تفرقہ کی کوئی دیوار مساوات کے راستہ میں حائل نہ ہونی چاہیئے۔ اِن مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ہمارے رہنماؤں نے جو دستور مرتب کیا وہ جمہوری اور سیکولر کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ ہمارا ملک آج دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے۔ ہماری حکومت کا نہ اپنا کوئی مذہب ہے اور نہ اس کے یہاں کسی خاص عقیدے کو برتری حاصل ہے۔ آئینی طور پر سب کا درجہ برابر ہے۔ بالغ رائے دہندگی کے اصول پر سب کو اپنے نمائندے منتخب کرنے اور اپنی رائے استعمال کرنے کا حق حاصل ہے۔ گویا اقتدارِ اعلیٰ خود عوام ہیں۔ جمہوریت کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ عوام خود اپنے مستقبل کی تعمیر میں حصّہ لیں اور اُن کو پوری آزادیٔ رائے حاصل ہو۔

ڈیماکریسی یونانی زبان کی ترکیب ہے جس کے معنی ہیں عوام کا اختیار و اقتدار اور عوام کی اپنی حکومت۔ یہ ایک طریقِ فکر بھی ہے اور طرزِ زندگی بھی، حکومت کا ایک ڈھنگ بھی ہے اور مسائل کو حل کرنے کا ایک انداز اور تدبیر بھی، اسی طرح معاشرتی، اقتصادی اور تہذیبی ترقی کی منزل بھی ہے اور زینہ بھی، جمہوریت ہمیں ایک بینائی اور قوتِ مشاہدہ بخشتی ہے، یہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حُسنِ سلوک اور روزمرّہ کی زندگی میں اعلیٰ معیار مرتب کرنے کا مطالبہ کرتی ہے اور اصولی ضابطۂ عمل چاہتی ہے۔ انسان کی انفرادی عظمت اور اس کی شخصیت کا احترام سکھاتی ہے۔ جمہوریت میں فرد کو مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ جس رنگ اور جس قسم کی چاہے زندگی بسر کرے جس مذہب اور جس طریقہ کو پسند کرتا ہو اختیار کرے۔ غرضکہ جمہوریت ایک شخص کے نجی معاملہ میں اُس وقت تک دخیل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دوسروں کی آزادی میں رُکاوٹ بننے کی کوشش نہ کرے۔ جمہوریت کا بُنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ تمام شہریوں کو آزادی، انصاف اور مساوات حاصل ہو

اور زندگی کی جد وجہد میں سب کو آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے برابر کے موقع حاصل ہوں۔ اور سب کو یکساں سیاسی حقوق بھی مل سکیں۔ ہمارا دستور ایک جمہوری اور سیکولر دستور ہے اور اس طرح یہ انفرادی آزادی، عقیدے اور نظریے کی آزادی اور اجتماعی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ ہمارا وطن مذہبی روایتوں، رُوحانی قدروں اور الہامی بشارتوں کا وطن ہے۔ یہ مختلف مذہبوں کا گہوارہ اور نشیمن ہے، اس کے گلدستے میں رنگا رنگ پھُول کھِلے ہوئے ہیں۔ عقیدوں، زبانوں اور طرز بود و ماند کی رنگا رنگی کے باوجود اس کی سرزمین کو ہر دَور میں رُوحانیت سے محبّت و شیفتگی رہی ہے، الٰہیات سے عقیدت رہی ہے اور روحانی قدروں کے شیشوں میں اس کے اخلاقی ضابطے، اس کے طرزِ فکر اور طریق زندگی ڈھلتے آئے ہیں۔ رام، کرشن، گوتم بُدھ، معین الدین چشتی، گرو نانک اور کبیر کی نواؤں اور نغمہ سنجیوں سے اس کا ضمیر گُتھا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے جمہوری دستور منتخب کیا گیا، تاکہ کروڑوں انسانوں کی صدیوں پُرانی مسلسل روایات اور روحانی سرچشموں کا دھارا بہتا رہے اور ہمارے ماضی کی دل کش رعنائیاں مختلف عقیدوں اور نظریوں کے اس نگار خانے کے حُسن کو دوبالا کر سکیں۔

جمہوریت اور سیکولرزم ہماری قومی زندگی کے استحکام، اس کے نشو و نما اور فروغ کا نہایت مؤثر اور زبردست وسیلہ ہے۔ یہ ہماری اجتماعی بہبودی کی منزل ہے۔ جبر و قہر اور تشدّد حکمرانی کے فرسُودہ اور بیکار ہتھیار ثابت ہو چکے ہیں اور زمانے کی تیز گردش ان کی فرسُودگی اور بے کاری پر خوب خوب مُہریں لگا رہی ہے، مذہبی امتیازات پر کثرت و قلّت کا تصوّر موجودہ دَور میں کوئی پسندیدہ تصوّر نہیں۔ اظہارِ رائے کی آزادی علمی صداقت کا درجہ اختیار کر چکی ہے، یہ دَور نظریات کی ہم آہنگی کا ہے، احترامِ انسانیت کا ہے اور حقیقی اخلاقی قدروں پر صدق دلی اور سچائی کے

Marfat.com

ساتھ عمل پیرا ہونے کا ہے۔ہمارے ملک کو جمہوری ریاست بناتے ہوئے ہمارے رہنماؤں نے دنیا کے ترقی پذیر ماحول، جدید تقاضوں اور سیاسی معتقدات کے اُن تعمیری محرکات کو اپنے سامنے رکھا جو عالمگیر حیثیت رکھتے ہیں۔ہم نے سولہ سال ہوئے اس کی جانب خوب سوچ سمجھ کر قدم بڑھائے تھے، طرح طرح کی دشواریوں اور عملی مشکلات کے باوجود ہم برابر اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں اور ہمت اور مضبوطی کے ساتھ اس منزل تک پہنچنے کا عزم رکھتے ہیں اور راستہ کے ایک ایک کانٹے کو صاف کر دینا چاہتے ہیں۔

ڈیڑھ سال ہوا ہمارے کاروانِ آزادی و جمہوریت کا سربراہ جواہر لال ہم سے جُدا ہو گیا۔جواہر لال جی کی انسانیت دوستی، امن پسندی، شرافتِ نفس اور قائدانہ عظمت کی یاد کبھی فراموش نہیں کیجا سکتی۔وہ ہمیں امن و ترقی کے ہر مرحلہ پر یاد آئیں گے اور ہم اُنکی یاد سے بہت سے سبق حاصل کرینگے۔افسوس اب ہمارے دوسرے وزیر اعظم لال بہادر شاستری جی بھی ہم سے جُدا ہو گئے۔شاستری جی نے پنڈت جی کی راہ اپنائی اور اُنکے نقوشِ قدم پر چلے۔اُنکی جرأت اور ہمتِ مردانہ نے وطنِ عزیز کی آبرو کی نگہبانی کی جو مثال قائم کی ہے وہ ہمیشہ تاریخ کے سینہ میں محفوظ رہے گی۔حقیقی امن کیلئے اُنکی تڑپ ایک سچی تڑپ تھی، یہی بے چینی اور تڑپ انکو تاشقند لے گئی اور وہ اپنے اس مقدس مشن میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔معاہدۂ تاشقند ان کا ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے جو قوم کے دل میں اُن کی آخری یادگار کے طور پر محفوظ رہے گا قضا و قدر کے فیصلے کے سامنے مجالِ دم زدن نہیں، ہم اسکے قبول کرنے پر مجبور ہیں تاہم یہ واقعہ ہے کہ جس طرح گاندھی جی نے اپنی جان دیکر فرقہ وارانہ جنون کے دہکتے ہوئے شعلوں کو بُجھایا تھا اسی طرح شاستری جی نے اپنی جان دے کر ہند و پاک کی تلخیوں کو ختم کرنے کیلئے پُرامن راہ دکھائی۔

مارچ ۱۹۶۶ء

دارالعلوم دیوبند

یہ تقریر ۱۶ ؍ جون ۱۹۵۵ء کو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی تھی۔ ابھی گزشتہ مارچ میں دارالعلوم کا اجلاسِ صدسالہ اپنی بے پناہ وسعتوں اور عظمتوں کیساتھ منعقد ہوا ہے اور ایشیا کی اس سب سے بڑی دینی درسگاہ کے تعارف اور اس کے کارناموں کے سلسلہ میں بڑے بڑے مضامین، اخباروں کے خاص نمبر، بلکہ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اتنے وسیع وعریض لٹریچر کی اشاعت کے بعد یہ نہایت معمولی اور چھوٹی سی تقریر اس لئے شائع کی جا رہی ہے کہ تقریروں کے اس عام مجموعہ میں محفوظ ہو جائے گی اور اس قطرے سے ہماری اس عدیم النظیر یونیورسٹی کے سمندر کی وسعت کا اندازہ ہو سکے گا۔ ۵۵ء میں جب یہ تقریر لکھی گئی تھی دارالعلوم کا سالانہ بجٹ ساڑھے پانچ لاکھ روپے تھا اس وقت چالیس لاکھ سالانہ کے قریب ہے اور ابھی اس تاریخی اجتماع کے انتظام پر پچاس لاکھ روپے سے زیادہ مصارف آئے ہیں۔ تقریر چونکہ آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی تھی اس لئے قدرتی طور پر اس میں سیاسی جھلکیاں نمایاں ہیں۔

دیوبند ہماری راجدھانی دہلی سے اکیانوے میل کی مسافت پر شمال مشرق کی جانب ضلع سہارنپور میں نادرن پنجاب ریلوے لائن پر واقع ہے۔ دیوبند کے شمال میں سہارنپور، جنوب میں مظفر نگر مشرق میں بجنور اور مغرب میں کرنال ہے۔ اس کے مشرقی پہلو میں دریائے گنگا کی تیز دھاریں اس ملک کی قدامت عظمت اور تقدس کی یاد تازہ کر رہی ہیں اور مغربی گوشہ میں دریائے جمنا کی سبک گام لہریں گزرے ہوئے زمانے کے

بھولے ہوئے سبق یاد دلا کر چشمِ عبرت کو دعوتِ نظارہ دے رہی ہیں۔

اِس قصبہ کو دارالعلوم کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت حاصل ہے جو اسلامی علوم وفنون کی عظیم الشان بلکہ بعض حیثیتوں سے لاثانی یونیورسٹی ہے۔ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو اس مرکزِ علوم کا افتتاح ہوا اور قصبہ کی چند روشن ضمیر اور برگزیدہ شخصیتوں کے مشورے اور تعاون سے یہ درسگاہ، جو آگے چل کر ایشیا کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکنے والی تھی، وجود میں آئی۔

دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم اسلامی دنیا کے رُوحانی پیشوا اور جنگِ آزادی کے مقدس رہنما، اسیرِ مالٹا، شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ موجودہ ہندوستان کی تاریخ میں شیخ الہند کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ملک کو انگریزی اقتدار کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے کے لئے مرحوم کے کارنامے آزادیٔ ہند کی تاریخ میں ہمیشہ سُنہری حرفوں سے لکھے جائیں گے۔ حُبِّ وطن کے جرم میں آپ مالٹا میں پانچ سال تک قیدو بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور ۱۹۲۰ء میں رِہا ہو کر واپس آئے تو آزادی کی جدوجہد میں تن من دھن کی بازی لگا دی، مردانہ وار میدانِ جنگ میں کود پڑے اور گاندھی جی کے ساتھ مل کر اہلِ وطن کے دلوں میں آزادی کی لگن پیدا کی۔ اور پورا ملک جوش وخروش اور ولولہ وایثار کے نغموں سے گونج اُٹھا۔ آپ ہی کی قیادت میں اسی دہلی میں وہ تاریخی فتویٰ مرتب کیا گیا جس میں انگریزی فوج کی ملازمت کو ناجائز کہا گیا تھا جس کے نتیجہ میں آپ کے شہرۂ آفاق شاگرد مولانا حسین احمد مدنی، علی برادران اور ڈاکٹر کچلو وغیرہ اصحاب پر کراچی کا تاریخی مقدمہ چلا اور ان رہنماؤں کو سنگین سزائیں دی گئیں۔

جن اکابر نے دارالعلوم کی بنیاد قائم کی تھی وہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھی زبردست حصّہ لے چکے تھے۔ انہی بزرگوں کی تربیت کا اثر تھا کہ دارالعلوم کو شیخ الہند جیسے طلبۃ العلم

Marfat.com

میسّر ہوئے۔ شیخ الہند کے حلقۂ تلامذہ میں مولانا حسین احمد مدنی کے علاوہ بعض دوسرے نامور شاگردوں اور جانبازوں کے نام بھی یادرکھنے کے لائق ہیں۔ مثلاً مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا سیف الرحمٰن، مولانا منصور محمد میاں انصاری، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ۔ ان حضرات نے اجنبی اقتدار و تسلّط سے وطنِ عزیز کو آزاد کرانے میں جو حیرت انگیز ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں، کتابِ آزادی کے ایک ایک ورق پر ان کی چمک موجود ہے۔ میدانِ جنگ کے یہ شہسوار براہِ راست اس دارالعلوم کے دامنِ فیض سے وابستہ تھے اور اس تربیت گاہ سے انھوں نے یہ سبق سیکھا تھا۔ حضرت مفتی عزیزالرحمٰن صاحب، حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا حافظ محمد احمد صاحب، مولانا سید اصغر حسین صاحب وغیرہ بے شمار اکابر گزرے ہیں جن کے علم وعمل اور تقدّس سے آج بھی دارالعلوم کے محراب ومنبر روشن ہیں۔

ہندوستان میں ملکی حکومت کے زوال سے پہلے اگرچہ پورے ملک میں عربی مدرسوں کا جال پھیلا ہوا تھا لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے دورِ حکومت میں بڑے بڑے شہروں کے تقریباً تمام مدرسے برباد ہوگئے تھے اور فضا پر بھیانک قسم کی مایوسی چھاگئی تھی۔ اِن حالات میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے آزمودہ کار اہلِ علم کے ایک بیدار دماغ روحانی طبقہ نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور اسلامی علوم وفنون کے احیاء کے لئے عربی کی دینی درس گاہوں کے قیام کی داغ بیل ڈال دی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے جو درس گاہ وجود میں آئی وُہ یہی دارالعلوم ہے۔ دارالعلوم کے وجود میں آنے سے پہلے مدرسوں کی عام ضرورتیں پورا کرنے کا ذریعہ بادشاہوں اور امیروں کی داد و دہش اور بڑی بڑی جائدادیں ہوتی تھیں جو اسی مقصد کے لئے مخصوص کی جاتی تھیں لیکن دارالعلوم کے قیام کا زمانہ سلاطین و امراء کی تباہی اور در در کی خاک چھاننے کا زمانہ تھا۔ ان کے محلات جھونپڑیوں میں تبدیل ہوگئے تھے اور ان میں بہت سے نانِ شبینہ تک کے ۔۔ محتاج ہوگئے تھے اِس لئے قدرتی

Marfat.com

طور پر اکابر دار العلوم نے عوام کی جانب اعانت کا ہاتھ بڑھایا اور مدرسہ کی ضرورتیں غریب عوام کے چندے سے پوری کی گئیں۔ قومی چندے کی یہ پہلی تحریک تھی جو دار العلوم کے قیام کی برکت سے عمل میں آئی۔ چنانچہ بعد کو یہ تحریک نہ صرف دار العلوم کیلئے بلکہ عام قومی اداروں کے لئے بھی بیحد مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ دار العلوم کے قیام کے متّصل ہی مدارسِ دینی جاری ہونے لگے۔ دار العلوم کو قائم ہوئے ابھی چند ہی مہینے ہوئے تھے کہ خاص سہارنپور شہر میں مظاہر العلوم کے نام سے ایک بڑا مدرسہ قائم کیا گیا۔ اسی طرح مراد آباد اور بعض دوسرے شہروں میں متعدّد دینی درس گاہیں قائم ہوگئیں۔ عام قومی چندے کی تحریک کی دلپذیری ہی کا یہ اثر تھا کہ اس کا تجربہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں میں بھی کیا جانے لگا۔ چنانچہ قیامِ دار العلوم کے آٹھ سال بعد ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ کالج بھی اسی اصول پر قائم کیا گیا اور پھر جیسے جیسے اس کا تجربہ عام ہوتا گیا ہمتیں بڑھتی گئیں اور اس وقت سے بے شمار قومی اور ملّی اداروں کی بقا اسی اصول کی رہینِ منّت ہے۔

۱۸۶۷ء میں یہ دار العلوم ایک چھوٹی سی مسجد میں اس شان سے وجود میں آیا تھا کہ اس کا کل عملہ صرف ایک اُستاد "محمود" اور ایک شاگرد "محمود" پر مشتمل تھا۔ نوّے سال کے بعد آج یہی دار العلوم ہے جس کی عظمت کے سامنے پورا ایشیا جھکا ہوا ہے جس میں نہ صرف ہندوستان بلکہ بدخشان، قندھار، ختن، تاشقند، سمرقند، ملایا، سیام، برما، انڈونیشیا، جنوبی افریقہ، نیپال، مشرقی اور مغربی پاکستان کے کم وبیش ایک ہزار پانچ سو طالبانِ علم تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان میں سات سو کے قریب ایسے طلباء ہیں جن کے کھانے کپڑے اور علاج وغیرہ کی تمام ضرورتیں دار العلوم کی جانب سے پوری کی جاتی ہیں۔ جہاں تک رہنے سہنے اور کتابوں وغیرہ کی ضرورتوں کا تعلق ہے دار العلوم ہر طالب علم کیلئے خواہ وہ امیر ہو یا غریب پڑھنے کی تمام کتابیں مُہیّا کرتا ہے اور کسی معمولی فیس کے بغیر ان کی رہائش کا بھی معقول بندوبست کیا جاتا ہے۔ اِن دنوں دار العلوم کا

بجٹ تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ روپے[1] سالانہ کا ہوتا ہے اور یہ رقم اہلِ خیر کے عطیوں سے جمع کی جاتی ہے۔ دارالعلوم کے نظامِ کار کو چلانے کیلئے بیس۲۰ شعبے ہیں۔ ہر شعبہ کا مستقل عملہ ہے اور عملہ ناظمِ شعبہ کے سامنے جواب دِہ ہے۔ شعبوں کے نام یہ ہیں۔ تعلیم، افتار، تبلیغ، نشر و اشاعت، کتب خانہ، محاسبی، مطبخ، اوقاف، تعمیرات، تنظیم، صنعت و حرفت، صفائی، دارالاقامہ، خوش خطی، محافظ خانہ، جمعیۃ الطلبار، طب، متفرقات اور اہتمام۔ شعبۂ تعلیم میں انتظامی کارکنوں کے علاوہ کم سے کم چالیس اساتذہ مشغولِ تدریس رہتے ہیں اور تمام علوم وفنون مادری زبان میں پڑھاتے ہیں۔ یہ دارالعلوم ہی کا فیض ہے کہ آج ہمارے وزیرِ اعظم نے تاشقند، سمرقند اور عشق آباد میں ایسی زبان میں تقریر کی جو ہمارے ملک کی ایک عام زبان ہے۔ صورت یہ ہے کہ ان علاقوں کے علمار دارالعلوم ہی سے تعلیم پاکر گئے ہیں۔ انھوں نے یہاں رہ کر یہ زبان سیکھی اور اس میں تعلیم حاصل کی۔

جنوری ۱۹۵۱ء میں ہمارے وزیرِ تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد دارالعلوم کے معاینہ کے لئے تشریف لے گئے تھے وہاں انھوں نے جو تقریر ارشاد فرمائی تھی اس کے اِن جملوں پر یہ تقریر ختم کی جاتی ہے۔ مولانا نے فرمایا:۔

"کسی جماعت کی زندگی اس پر موقوف ہوتی ہے کہ اس کی روح اور دل کو کیونکر تیار کیا گیا ہے۔ آپ کی یہ درسگاہ دراصل ایسا کارخانہ ہے جو مسلمانوں کی روحوں کو ڈھالتا ہے۔ یہ کارخانہ قائم ہے تو ہمیں پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ اس درسگاہ کے اسلاف نے عمل کا جو نمونہ پیش کیا تھا اور جن مقاصد کیلئے یہ درسگاہ قائم کی تھی اگر وہ روشنی آپ کی رہنمائی کر رہی ہے تو میں آپ کو یقین دلاؤں گا کہ شاندار مستقبل اس کے لئے تیار ہے۔"

۱۶ رجون ۱۹۵۵ء

---

[1] اب یعنی ۱۹۷۳ء میں یہ بجٹ جبکہ یہ سطور شائع کی جا رہی ہیں تیرہ اور چودہ لاکھ کا ہو گیا ہے۔ اور جبکہ یہ تقریر طبع ہو رہی ہے یعنی ۱۹۸۰ء میں یہ بجٹ چالیس لاکھ روپے سالانہ کا ہے۔

Marfat.com

جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل

جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل، جس وقت یہ تقریر نشر ہوئی تھی اس وقت مدرسہ کی مسجد اور عمارتیں اتنی وسیع نہیں تھیں۔ مسجد پہلے بھی بڑی تھی لیکن ابھی چند سال قبل جنوبی افریقہ کے اصحابِ خیر نے مسجد کی تعمیر پر چھ سات لاکھ روپیہ خرچ کر کے اس میں جو شان پیدا کی ہے اس کا تعلق دیکھنے سے ہے۔ اسی طرح بہت سی دوسری عمارتوں میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ ہمارے دور میں جامعہ اسلامیہ گجرات کا سب سے بڑا مدرسہ تھا۔ اگرچہ اس کی یہ بڑائی اب بھی قائم ہے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ گزشتہ تیس چالیس سال میں اس علاقہ میں اور بھی بڑے بڑے مدرسے قائم ہوئے ہیں۔ راندیر کے جامعہ حسینیہ اور جامعہ اشرفیہ تو پہلے ہی سے مشہور تھے، اب فلاحِ دارین ترکیسر، دارالعلوم کنتھاریہ اور دارالعلوم آنند وغیرہ علاقہ کے بڑے اور مشہور مدرسے ہیں۔ اسی طرح نادار بے وسیلہ بچوں اور بچیوں کیلئے بھی صاف ستھرے ہوسٹل تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ زرنا کا ہوسٹل کئی سال سے اعلیٰ درجہ کا تربیتی کام کر رہا ہے اور اب اسی درجہ کا دوسرا ہوسٹل کڑود میں زیرِ تعمیر ہے جس کے لئے گجرات اور ری یونین کے اصحابِ خیر شکریے کے مستحق ہیں۔ گجرات کی مشہور درسگاہوں کے تعارف کے موقع پر "مدرسہ اصلاح البنات ڈابھیل سملک" کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ یہ مدرسہ پچاسوں لاکھ روپے کی لاگت سے سملک، ولیمہ روڈ پر تعمیر کیا گیا ہے۔ مدرسہ کے اغراض و مقاصد نہایت وسیع ہیں اور اس کو بچیوں کی قدیم و جدید تعلیم کا مرکز بنانے کی سعی بلیغ کی جا رہی ہے۔ مدرسہ کی وسیع و عریض عمارتیں جس

Marfat.com

انداز سے تعمیر کی گئی ہیں اور اعلیٰ انتظامات کے جو نقشے بنائے گئے ہیں وہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ توقع رکھنی چاہیئے کہ یہ مدرسہ اپنے بہترین مقاصد کی تکمیل کے لئے جلد اپنا کام شروع کر دے گا۔

جولائی ۱۹۸۰ء

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ہندوستان کے مشہور تاریخی شہر سورت سے سترہ اٹھارہ میل کی مسافت پر علاقہ نوساری کی دو چھوٹی چھوٹی بستیوں سملک وڈابھیل کی آبادی کے باہر ایک پُر فضا اور وسیع باغ میں واقع ہے۔ جامعہ کی موجودہ عمارتیں فنِ تعمیر کا دل پسند نمونہ ہیں جن کو بڑے سلیقہ سے بنایا گیا ہے۔ اس سرسبز و شاداب باغ میں ان صاف سُتھری اور کھُلی کھُلی عمارتوں کو دیکھ کر ایک آزاد دینی و علمی درس گاہ کی ظاہری شان و شوکت کے متعلق بھی بہت اچھی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

سملک کے ایک مخلص اور باخدا عالمِ دین مولانا احمد حسن مرحوم نے ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں بستی کی ایک مسجد میں "تعلیم الدین" کے نام سے اِس مکتب کی بُنیاد رکھی تھی۔ پھر مختلف دوروں میں ترقی کی منزلیں طے ہوتی گئیں اور مدرسہ کو باغ کے رقبہ میں منتقل کر دیا گیا۔ مدرسہ کی تعمیر کے لئے یہ جگہ ملک کے مرحوم رہنما مولانا محمد علی کی کوششوں سے ملی تھی۔ مولانا اُن دنوں بڑودہ اسٹیٹ کے تعلقہ نوساری کے منتظمِ اعلیٰ تھے اور اس دینی درس گاہ کی ترقی سے دلچسپی لیتے تھے۔ زمین حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلے اس میں مسجد تعمیر کرائی گئی اور اُسی کے ایک حصّہ سے تعلیم گاہ کا کام لیا گیا۔ اب درسگاہوں دار الطلبہ اور دوسری بُنیادی ضرورتوں کا مرحلہ سامنے آیا۔ ڈابھیل و سملک کے اُن اصحابِ خیر کے مشورے سے جو جنوبی افریقہ میں کاروبار کرتے ہیں، مولانا احمد حسن نے افریقہ کا سفر کیا، ساؤتھ افریقہ کے نیک دل اور باہمت اربابِ تجارت نے (جن کے دل اچھے کاموں کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اور جن کے کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے بڑی ہی برکت عطا فرمائی ہے) اس اہم دینی خدمت میں خوب خوب حصّہ لیا اور

Marfat.com

اِس طرح مدرسہ کی تعمیر کے لئے ایک گرانقدر رقم جمع ہوگئی۔ مولانا اس کامیاب سفر سے واپسی کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ پیغامِ اجل آپہنچا اور علومِ دینیہ کا یہ بے لوث خادم جوہانسبرگ ہی میں سُپردِ خاک کردیا گیا۔ مرحوم کا سنہ وفات ۱۰ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ ہے۔

سملک وڈابھیل اور جنوبی افریقہ کے لوگوں پر اس حادثہ کا اثر قدرتی طور پر غیر معمولی ہوا اور مدرسہ کی ترقی سے عام دلچسپی بڑھ گئی۔ مولانا احمد حسن کی وفات کے بعد اسی بستی کے ایک دوسرے عالم اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خاص خادم مولانا احمد بزرگ مدرسہ کے مہتمم بنائے گئے۔ مولانا احمد بزرگ نے بھی اپنے پیشرو کی طرح دل وجان سے مدرسہ کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا اور اس کے علمی دینی وقار کو بلند کیا، یہاں تک کہ انہی کے دَورِ اہتمام میں اس کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ تاریخ نے ماضی کا سینہ چاک کرکے اپنے پوشیدہ ورق اُلٹ کر رکھ دیئے یعنی دنیائے اسلام کی مایۂ ناز یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی ایک برگزیدہ جماعت علامۃ العصر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی قیادت میں یہاں پہنچ گئی۔ حضرت شاہ صاحب اور اُن کے رفقاء کی تشریف آوری کے بعد سملک وڈابھیل کے زمین وآسمان ہی بدل گئے اور سرزمینِ گجرات میں ایک دفعہ پھر شیخ علی مُتقی، علامہ محمد بن طاہر پٹنی، مخدوم مہائمی اور علامہ وجیہ الدین گجراتی کے بابرکت اور علم پرور دَور کی یاد تازہ ہوگئی۔ مدرسہ تعلیم الدین جامعہ اسلامیہ کے قالب میں تبدیل ہوگیا اور اس کا شمار ملک کے چند گنے چنے مرکزی اداروں میں ہونے لگا۔ گجرات کے علاوہ یہاں مختلف صوبوں کے تشنگانِ علم تحصیلِ علم کے لئے آنے شروع ہوگئے اور ان اکابرِ علم وفضل سے فیض حاصل کرنے لگے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی اس خوش نصیبی کی کوئی بڑی سے بڑی دینی درسگاہ بھی حریف نہیں ہوسکتی کہ اس کو حجۃ الاسلام علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری جیسے یگانۂ روزگار محدث اور جامع علوم وفنون

Marfat.com

کی سرپرستی کا فخر حاصل ہوا۔ حضرت مرحوم زندگی کے آخری لمحات تک جامعہ سے وابستہ رہے اور مسلسل علالت و نقاہت کے باوجود اس کی خدمت اور سرپرستی کو اپنا نصب العین بنائے رکھا۔ پانچ سال تک بہ نفسِ نفیس بخاری شریف وغیرہ کا درس دیتے رہے اور اس مدت میں طلبۃ العلم کے علاوہ بڑے بڑے اساتذۂ علم و فن نے بھی اس آفتابِ علومِ نبوت کی ضیا باریوں اور نور پاشیوں سے خوب خوب کسبِ فیض کیا۔ ان دنوں جامعہ کی شہرت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی اور سملک ڈابھیل کا یہ گلستانِ علم رشکِ بغداد بنا ہوا تھا کہ حضرت ممدوح کی طویل و ممتد علالت نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور بالآخر ۲ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۷ مئی ۱۹۳۳ء کو یہ گنجینۂ علم و حکمت، پیکرِ زہد و ورع اور کوہِ صبر و استقامت ہمیشہ کیلئے جدا ہو گیا، بزمِ علم و عمل پر مردنی چھا گئی، اہلِ علم و فضل یتیم ہو گئے اور ایک ایسی مجموعۂ کمالات شخصیت اٹھ گئی جس کی نظیر چشمِ فلک نے صدیوں سے نہیں دیکھی تھی۔ وادیِ لولاب کو سلام جس نے ایسے محدثِ بے بدل کو جنم دیا۔ اور کشمیر جنت نظیر پر رحمت جس کے خمیر سے ایسی پاکباز اور باکمال ہستی اٹھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی رحلت کے بعد صدارت کی اہم خدمت جماعت کے دوسرے بڑے ستون خطیبِ بے بدل شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی کے سپرد کی گئی۔ موصوف کی شخصیت مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے پورے ملک میں بے مثال سمجھی جاتی تھی اس لئے آپ کے دورِ صدارت میں بھی جامعہ کی وہی شان باقی رہی جو حضرت شاہ صاحبؒ کے دور میں تھی۔ مولانا مرحوم اپنے فطری کمالات کے ساتھ سالہا سال تک جامعہ کی سرپرستی کرتے رہے۔ ڈابھیل کو بقعۂ نور بنانے والی جماعت کے بنیادی ستون تین ہی تھے۔ شیخ الطریقت مفتیِ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب عثمانی، حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی۔ حضرت مفتی صاحب ابتدا میں چند ہی ماہ کے لئے تشریف لا سکے

تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضرت شاہ صاحب علیل ہوکر دیوبند واپس تشریف لے گئے اور حضرت مفتیِ اعظم انتہائی ضعف ونقاہت کے باوجود جامعہ میں تشریف لائے اور بخاری شریف کا ایک بڑا حصّہ پڑھایا۔ جامعہ کی زندگی میں وہ لمحے بھی عجیب تھے جب مفتیِ اعظم جوانوں کی طرح گھنٹوں درسِ بخاری میں مشغول رہتے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ دارالحدیث میں انسانوں کے ساتھ فرشتوں کی جماعت بھی شریکِ حلقۂ درس ہے اور جنیدِ وقت سے استفادہ کر رہی ہے۔

جامعہ ڈابھیل کی تاریخ اور اس کے ذکر کے اس مرحلہ پر دو باتوں کا تذکرہ خاص طور پر ضروری ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے ملک کے اس علمی و دینی ادارہ کا عام ملکی تحریکات کی جدوجہد میں کیا مقام رہا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے قانونِ نمک کے خلاف جو تاریخی مہم شروع کی تھی جامعہ کے متعدد استاذوں نے اس سے گہری دلچسپی لی تھی۔ کل کی سی بات معلوم ہوتی ہے جب ہم لوگ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ممبر پارلیمنٹ کی معیت میں دہراسنہ کے مقام پر گاندھی جی کے پاس گئے تھے۔ ڈانڈی مارچ کے راستہ پر دہراسنہ گاندھی جی کا خاص مقام تھا۔ موصوف نے ہم لوگوں کو خاص طور پر اپنی جائے قیام میں بلایا اور جیسا کہ اُن کی عادت تھی مسکراتے ہوئے چہرے سے فرمایا: میں نے سنا ہے نمک کے محصول کی معافی کے متعلق آنحضرت صلعم نے اپنے ارشاد میں کچھ ہدایتیں دی ہیں۔ آپ لوگ مجھے اس حدیث کی تفصیل مع حوالہ لکھ کر بھیجیں۔ چنانچہ ڈابھیل واپس آکر ہم نے حضرت شاہ صاحب مرحوم کے مشورے سے پانی، گھاس اور نمک والی حدیث کا ترجمہ اور حوالہ گاندھی جی کی خدمت میں بھیج دیا۔ ہمارے کئی ساتھی بھی خاص ڈانڈی میں گاندھی جی کے ساتھ نمک بنانے میں شریک ہوئے۔

۱۹۳۱ء میں سردار پٹیل نے جب باردولی میں عدم ادائیگی ٹیکس کی مہم شروع کی اور حکومت نے اس تحریک میں شریک ہونے والوں اور قانون کی خلاف ورزی

Marfat.com

کرنے والوں کی جائدادیں بحق حکومت ضبط کرنی شروع کیں تو باردولی کے پٹیلوں نے جامعہ اسلامیہ کے مفتی سے یہ فتویٰ دریافت کیا کہ حکومت جو جائدادیں قرق کر کے نیلام پر چڑھاتی ہے اور اُن کو کم قیمت پر فروخت کرتی ہے، کیا مسلمانوں کیلئے ایسی جائدادوں کی بولی بولنا اور اُن کو خریدنا دُرست ہے؟ جامعہ کے دارالافتاء سے اس کا جو جواب دیا گیا تھا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ ظلم و عدوان کی کھُلی ہوئی حمایت ہے۔ کسی مسلمان کے لئے ایسی جائدادیں خریدنا اور اُن کی بولی میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ باردولی کے قومی کارکنوں نے گجراتی میں ترجمہ کرا کے بڑے پیمانہ پر اس فتوے کی اشاعت کی۔ نتیجہ وہی نکلا جو ایسے حالات میں نکلنا چاہیئے تھا۔ یعنی وہ پریس جس میں یہ فتویٰ چھپا تھا ضبط کر لیا گیا۔ بہت سے کارکن گرفتار کر لئے گئے اور اگر جلد ہی گاندھی اروِن پیکٹ نہ ہو جاتا تو صورتِ حال اور بھی زیادہ سنگین ہو جاتی۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اگرچہ خالصًا ایک علمی اور دینی درس گاہ ہے جس کا عملی سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیئے، لیکن اس کے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد اہم قومی اور وطنی تحریکوں میں ہمیشہ پیش پیش رہی اور تعلیم و تدریس کے ساتھ اُس نے وطن اور مِلّت کے اجتماعی تقاضوں کو بھی پوری طرح پہچانا۔ ہمیں اُمید رکھنی چاہیئے کہ جامعہ کے موجودہ اربابِ حل و عقد اس کے شاندار ماضی سے سبق لیکر مستقبل کو سنوارنے اور تابناک بنانے کی کوشش کریں گے۔ یہی ہے "رُوحِ انورؒ" کی پکار۔

۸ر ستمبر ۱۹۵۵ء

Marfat.com

ندوۃ المصنّفین دہلی

"ندوۃ المصنّفین" کے تعارف کے سلسلہ میں مولانا عبدالحمید نعمانی (مالیگاؤں) کی ایک عربی تقریر آل انڈیا ریڈیو کے عربی سیکشن سے ۱۹۵۲ء میں نشر ہوئی تھی۔ ۱۹۵۵ء میں اُردو تقریر براڈ کاسٹ ہوئی۔ یہ ۲۵ سال پہلے کی بات ہے، اِن ۲۵ برسوں میں ادارے سے جو ضخیم دوسری اہم کتابیں شائع ہوئیں اُن کی فہرست طویل ہے۔ اس وقت مطبُوعاتِ ادارہ کی تعداد ایک سو پچاس ۱۵۰ کے قریب تک پہنچ گئی ہے اور عجیب تربات یہ ہے کہ تیل کی دولت کی فراوانی کے اس دَور میں بھی اس کی بے نوائی اور بے سروسامانی کا وہی عالم ہے۔ خیال ہوتا ہے ادارے کے متعلق اتنی پُرانی اور مختصر تقریر کی اشاعت کی غالباً اب ۱۹۸۰ء میں ضرورت نہیں تھی، مگر اس مجموعہ میں بہت سی پُرانی اور تشنہ تقریریں شامل ہیں، اس نقطۂ نظر سے اِس چھوٹی سی تقریر کو بھی شامل کردیا گیا ہے۔

تصنیف وتالیف کا یہ ادارہ جس کے کارنامے ہماری قومی تاریخ میں آج اپنی ایک خاص جگہ بنا چکے ہیں، ۱۹۳۸ء میں قائم ہوا۔ اس وقت سے خاموشی اور یکسُوئی کے ساتھ اپنے مقصد کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ اس وقت اس ادارے کا شمار ملک کے چند منتخب اداروں میں ہوتا ہے۔ جہاں تک صالح اور سنجیدہ لٹریچر سے قوم کی ذہنی تربیت کا تعلق ہے "ندوۃ المصنّفین" وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کررہا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ملک کی آزادی کے اِس دَور میں اس قسم کے

انسٹی ٹیوشنوں اور اکاڈمیوں کا وجود سیکولر نظامِ حکومت کے لئے زبردست تقویت کا باعث ہو سکتا ہے۔

گزشتہ سترہ سال میں جن مقاصد اور جس نظامِ کار کو سامنے رکھ کر کام کیا گیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) وقت کی ضرورتوں کے مطابق قرآن و سنّت کی مکمل تشریح و تفسیر ملک کی مروّجہ زبانوں میں کرنا۔

(۲) فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین موجودہ حوادث و واقعات کی روشنی میں اس طرح کرنا کہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلعم کی قانونی تشریح کا ایک جامع نقشہ سامنے آجائے۔

(۳) مغربی حکومتوں کے غلبہ و قہر اور علومِ مادّیہ کی بے پناہ اشاعت و ترویج کے اثر سے مذہب اور مذہب کی حقیقی تعلیمات سے جو وحشت ہوتی جا رہی ہے، بذریعہ تصنیف و تالیف اس کے مقابلے کی مؤثر تدبیریں اختیار کرنا۔

(۴) قدیم و جدید تاریخ، سیَر و تراجم، اسلامی تاریخ اور دیگر اسلامی علوم و فنون کی خدمت ایک جچے تلے معیار کے مطابق انجام دینا۔

(۵) عام مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی تعلیمات کو جدید قالب میں پیش کرنا اور بچوں کی ذہنی و دماغی تربیت پر خاص طور سے توجّہ دینا۔

(۶) ایسا لٹریچر تیار کرنا جس سے ملک میں بسنے والے مختلف فرقوں میں یک جہتی اور رواداری کا حقیقی جذبہ پیدا ہو۔ اِس مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے ایک صحت مند سوسائٹی کے قیام کی تشکیل بھی ادارے کے مقاصد میں داخل ہے۔

(۷) علماء اور فارغ التحصیل طلبہ کے لئے ایسے شعبۂ تحریر و تقریر کا قیام جس کا

نصاب موجودہ حالات و ضروریات کے ٹھیک مطابق ہو۔

اِن مقاصد پر غور کرنے اور ادارے سے شائع کئے ہوئے لٹریچر کو دیکھنے کے بعد بے تامّل کہا جا سکتا ہے کہ جدید ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے پورے دَور میں یہ پہلا ادارہ ہے جو اس قدر وسیع مقاصد کی تکمیل کے لئے وجود میں آیا ہے۔

نونہالانِ قوم کی فکری تربیت کا قالب ہموار و استوار کرنے کے لئے علم و مذہب کی قدیم حقیقتوں اور بُنیادی صداقتوں کو وقت کے تقاضوں کے مطابق اس طرح پیش کرنا کہ حقیقت کے خدوخال زیادہ سے زیادہ صاف اور روشن ہو جائیں، اس ادارہ کے مقاصد کی روح ہے اور اس کا تیار کیا ہوا لٹریچر اسی محور پر گردش کرتا ہے۔

اب تک کم و بیش ساٹھ ضخیم مطبُوعات ادارے سے نکل چکی ہیں، جن میں یہ کتابیں خاص طور پر لائقِ ذکر ہیں:۔

(۱) **قصص القرآن**۔ اس کے مؤلّف ملک کے مشہور رہنما اور انڈین نیشنل کانگرس کے سرگرم و پُرجوش لیڈر مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب ممبر پارلیمنٹ ہیں — قصص القرآن، خدا کے پیغمبروں کے سوانح حیات اور اُن کی دعوتِ حق کی نہایت معتبر اور محقّقانہ تاریخ ہے اور اپنی افادیت و مقبولیت کے لحاظ سے ایک عظیم الشان علمی اور تاریخی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ اس موضوع پر اس مرتبہ کی کوئی کتاب کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی۔ کتاب کی چار ضخیم جلدیں ہیں اور مجموعی ضخامت دو ہزار صفحات کے قریب ہے۔ قصص القرآن کے علاوہ مولانا محمد حفظ الرحمٰن کی دو اور کتابیں نہایت اہم ہیں جو اس ادارہ سے شائع ہوئی ہیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام اور **اخلاق و فلسفۂ اخلاق**۔ اقتصادی نظام کا موضوع یہ ہے کہ دنیا کے تمام معاشی نظاموں میں اسلام کا نظامِ اقتصادی ہی

ایسا نظام ہے جس نے محنت و سرمایہ کا توازن قائم کر کے اعتدال کی راہ نکالی ہے۔ اخلاق و فلسفۂ اخلاق میں علمی اور فنّی اعتبار سے اخلاق کے تمام گوشوں پر مکمل بحث کیگئی ہے۔

(۲) **مکمّل لغاتِ قرآن مع فہرست الفاظ**۔ لغتِ قرآن اور اس سے متعلقہ مباحث پر یہ ایک بہترین، جامع تالیف ہے۔ اِس میں الفاظِ قرآنی کی پوری تشریح بھی ہے اور مطالبِ قرآن کی ضروری تفصیل بھی۔ اب تک اس کی چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں[۱]۔

(۳) **ترجمان السنۃ**۔ یعنی ارشاداتِ نبوی کا جامع و مستند ذخیرہ اُردو زبان میں ندوۃ المصنّفین کے رفیقِ خاص اور شیخ الحرم النبوی مولانا محمد بدرِ عالم صاحب کی تالیف ہے۔ اس میں سرورِ کائنات صلعم کے ارشادات و فرمودات کو ایک خاص ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے اور حدیثوں میں چھپے ہوئے فائدوں کو نئے عنوان لگا کر اُبھارا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب کے وقت مسند احمد کی جدید تہذیب الفتح الربانی، مجمع الزوائد اور حکومتِ مصر کی نگرانی میں مرتّب کی ہوئی کتاب التاج الجامع للاصول کو خصوصیت سے سامنے رکھا گیا ہے۔ اب تک اس کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ تیسری جلد زیرِ طبع ہے۔ پوری کتاب غالباً دس جلدوں میں سمائے گی۔

(۴ و ۵) **اسلام کا نظامِ عفّت وعصمت اور اسلام کا نظامِ مساجد**۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے پہلی کتاب میں اسلام کے اصولِ عصمت کیشی کو دل پذیر قالب میں پیش کیا گیا ہے اور پاکدامنی اور عفّت و عصمت کی اسلامی خصوصیتوں کو احتیاط اور اعتدال کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب میں اسلام کے نظامِ مساجد کے تمام ضروری گوشوں کا بصیرت افروز بیان ہے۔

(۶) **اسلام کا زرعی نظام**۔ اسلام نے زمین کی تقسیم کن اصول پر کی؟ معاشیات میں زراعت کا کیا درجہ ہے؟ اسلامی نظامِ خلافت میں کاشتکاروں کیلئے کتنی سہولتیں

---

[۱] اور اب اِس تقریر کی طباعت کے وقت کتاب چھ جلدوں میں مکمل ہوگئی ہے۔

فراہم کی گئی ہیں - اور افسروں کے انتخاب کے متعلق سخت قوانین بنا کر رشوت ستانی اور ظلم و جبر کو کس طرح روکا گیا ہے - اِس کتاب میں اس طرح کے بہت سے عنوانات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے - اسلام کے نظامِ زراعت پر یہ ایک نفیس کتاب ہے جس کا مطالعہ اِس دَور میں خاص طور پر مفید ہوگا -

(۷) **فہمِ قرآن** - ایک خاص رنگ کی علمی، تبلیغی اور اصلاحی کتاب ہے جس کو جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے رجحانات کو پیشِ نظر رکھ کر مرتّب کیا گیا ہے، فتنۂ انکارِ حدیث کی اندھیریوں میں اِس کتاب کی حیثیت ایک چمکتے ہوئے ماہتاب کی ہے -

(۸) **وحیِ الٰہی** - مسئلہ وحی و الہام پر ایک محققانہ تالیف ہے جس میں وحی سے متعلق تمام خلشوں کو صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے - فہمِ قرآن اور وحیِ الٰہی کلکتہ مدرسہ کے موجودہ پرنسپل مولانا سعید احمد ایم - اے کی تالیف ہیں - موصوف علومِ قدیم و جدید کے زبردست فاضل اور اُردو کے بہت بڑے ادیب ہیں - آپ کی بعض دیگر اہم تالیفات بھی اس ادارے سے شائع ہوئی ہیں -

(۹) **قرآن اور تعمیرِ سیرت** - **قرآن اور تصوّف** - ان دونوں کتابوں کے مصنّف جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے شعبۂ فلسفہ کے صدر ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے - پی ایچ ڈی بار ایٹ لا ہیں - ڈاکٹر صاحب ندوۃ المصنفین کے قدیم رفیقِ اعزازی ہیں اور صفِ اوّل کے مصنّف و مترجم سمجھے جاتے ہیں -

(۱۰، ۱۱) **تاریخ مشائخِ چشت** - **حیاتِ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی** - تاریخی کتابوں میں تاریخِ ملت کی دس۱۰ جلدوں کے علاوہ یہ دو۲ کتابیں خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں - دونوں کتابوں کے مؤلّف خلیق احمد صاحب نظامی ریڈر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہیں، جو اِس ادارے کے بھی رفیق ہیں - پہلی کتاب میں اکابرِ چشت کے نہایت مستند حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں - اسی کے ساتھ صوفیاءِ کرام

Marfat.com

کی تعلیم و تربیت کی حقیقت، اُس کے عمیق و وسیع اثرات اور اُن کے مذہبی و اصلاحی کارنامے، سیاست و حکومت سے اُن کے تعلقات کی نوعیت اور اس طرح کے بہت سے عنوانات پر یہ کتاب تحقیق کی ایسی روشنی ڈالتی ہے کہ حقیقت کا چہرہ بے نقاب ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ دوسری کتاب میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے سوانح حیات اور علمی و اصلاحی کارنامے تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۲) **ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت** ۔ یہ مولینا مناظر احسن صاحب گیلانی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اور رفیقِ اعزازی ندوۃ المصنّفین کی ایک بصیرت افروز تاریخی تصنیف ہے۔ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۱۳) **حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے** ۔ تالیف مولوی محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب بی۔اے صدر حیدرآباد اکاڈیمی و رفیقِ اعزازی ندوۃ المصنفین۔ اس کتاب کی بھی دو جلدیں ہیں۔ مستقل تالیفات کے علاوہ ادارے سے متعدد اہم کتابوں کے ترجمے بھی شائع کئے گئے ہیں۔ ان میں چند ترجمے لائقِ ذکر ہیں۔

(۱۴) **مسلمانوں کا نظمِ مملکت** ۔ یہ مصر کے مشہور و معروف فاضل ڈاکٹر حسن ابراہیم ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی کی کتاب النظم الاسلامیہ کا ترجمہ ہے۔

(۱۵) **العلم والعلماء** ۔ یہ جلیل القدر امام حدیث علامہ ابن عبدالبر کی شہرۂ آفاق کتاب "جامع بیان العلم وفضلہٖ" کا ترجمہ ہے۔

(۱۶) **عرب اور اسلام** ۔ ہسٹری آف دی عرب کے خلاصے کا ترجمہ۔ اس کا ترجمہ سید مبارزالدین رفعت ایم۔اے نے کیا ہے۔ مبارزالدین صاحب اپنے ترجموں کی عمدگی کے لئے خاص شہرت رکھتے ہیں۔

ان تالیفات و تراجم کے علاوہ ادارے کی طرف سے عام علمی، معاشی، سیاسی

Marfat.com

کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں جن میں کم و بیش سولہ سو صفحات کی جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات دو جلدوں میں ۔ شہنشاہیت ، سرمایہ ، انقلابِ روس ، جارج برنارڈ شا وغیرہ قابلِ ذکر ہیں ۔

ادارے کا ایک ماہوار علمی رسالہ بھی "برہان" کے نام سے نکلتا ہے۔ "برہان" کا شمار ملک کے چوٹی کے رسالوں میں ہوتا ہے ۔ یہ جولائی ۱۹۳۸ء سے پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ ادارے کے مصارف اس کے ممبروں کی فیس، لائف ممبروں کی اعانتِ خاص اور کتابوں کی عام فروخت سے پورے کئے جاتے ہیں اور تا بحدِ امکان کفایت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

۲۲ فروری ۱۹۵۹ء

Marfat.com

Marfat.com